گھر کے ہر فرد کے لئے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
اکتوبر 2022
قیمت 150 روپے
بانی
معراج رسول
مایہ ناز قلم کاروں کی مسحور کن تحریریں
نگہت اعظمی بنیں ہماری بزم کی رونق

اداریہ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

منی ناول

افسانے

خصوصی مضامین

مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313 ,35802552, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

پبلشر ریروبرادر تلیشان رسول مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

فیضان اور ہانیہ سے پہلے ہی میرب کی اچانک آمد نے طالب، دُرّیہ اور ریحان سبھی کو حیران کر دیا۔

''واٹ آ... سرپرائز'' طالب نے کہا۔ ''اچانک ..... بغیر بتائے بیٹا۔''

''میرا گھر ہے پاپا، کیا اپنے گھر آنے کے لیے بتا کر آنا ضروری ہوتا ہے۔'' میرب نے دُرّیہ کی موجودگی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا بیٹا... تم اطلاع کر دیتیں تو ہم تمہیں ریسیو کرنے ائرپورٹ آ جاتے۔'' طالب نے تحمل سے کہا۔

''کوئی مسئلہ نہیں پاپا... ٹیکسی مل جاتی ہے... ویسے بھی میں اب انڈیپینڈنٹ زندگی گزارنے کی عادی ہو چکی ہوں۔''

''اچھی بات ہے... لڑکیوں کو کانفیڈنٹ ہونا چاہیے..... تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟''

''بس ایسے ہی... گلا کچھ خراب ہے پاپا۔''

''اچھا تم فریش ہو لو پھر بیٹھیں گے۔'' طالب بولے پھر انہوں نے دُرّیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ناشتا......''

''فکر مت کیجیے..... جب تک میرب فریش ہوں گی ناشتا میز پر پہنچا ہوا ہوگا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' طالب بولے۔

میرب نے شانے اچکائے، ہونٹ سکوڑے پھر ریحان سے بولی۔ ''بھائی میرا سامان اوپر لے چلیں گے پلیز......''

''تمہارے کمرے کی صفائی کروا دوں میرب پھر سامان اوپر لے جانا۔'' دُرّیہ بولی۔

''پاپا! میرے خیال میں فیضان بھائی کی شادی کے بعد سے میرے کمرے کی صفائی تو نہیں ہوئی ہوگی...'' میرب نے طنزاً کہا۔

''ایسی بات نہیں بیٹا..... تمہاری آنٹی نہایت باقاعدگی سے تمہارے کمرے کی صفائی کرواتی رہی ہیں......''

میرب نے منہ بنایا شانے اچکائے اور تازہ دم ہونے کے لیے اپنے بیگ سے سامان نکالنے لگی۔

طالب اور دریہ کی نظریں باہم ملیں..... دُرّیہ ناشتے کی تیاری کے لیے منظر سے نکل گئی..... وہ انسان تھی فرشتہ نہیں... میرب نے جس طرح اسے نظر انداز کیا تھا، کمرے کی صفائی کے سلسلے میں طنزیہ لب و لہجہ اختیار کیا تھا اس سے اس کے دل و دماغ کی کیفیت سوا ہو چکی تھی۔ اس لڑکی نے آتے ہی اپنے پنجے نکال لیے تھے۔ اسے امی یاد آئیں۔ وہ کہا کرتی تھیں اکثر گھروں میں ایک نہ ایک فرد ایسا ہوتا ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بھی سوہانِ روح بنا رہتا ہے..... امی کی کیا بات تھی..... ان کی ہر بات تجربے میں لپٹی ہوتی تھی..... یہ بھی سچ ہی ہوگی..... وقت کا پہیا، پردیس کی کٹھنائیاں اور اپنوں سے کئی سالہ دوری بھی میرب کو نہ بدل سکی تھی۔ دُرّیہ کے معاملے میں وہ آج بھی اسی مقام پر کھڑی معلوم ہوتی تھی۔ جہاں اول روز تھی..... دُرّیہ کا دل و دماغ منتشر ہوا جا رہا تھا۔

''پھر آ گئی یہ بدتمیز لڑکی......'' اس نے دل ہی دل میں سوچا..... اتنا تو وہ سوچ ہی سکتی تھی۔ بہرحال ناشتا تیار کرنا تو لازم تھا۔ وہ کچن میں آ گئی۔ جہاں کام والے لڑکے کو آنے میں کچھ دیر تھی۔

طالب کچن میں در آئے۔

''سوری دُرّیہ......'' انہوں نے کہا۔

''کیا ہوا؟'' وہ انہیں دیکھنے لگی۔

''میں دیکھ رہا تھا..... میرب کے رویے سے تم اپ سیٹ تھیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں......''

''اپنی وے..... میری خاطر..... نظر انداز کرنا..... میری مجبوری کہ وہ میری اولاد ہے اور وہ بھی بیٹی...''

طالب کے لہجے میں شرمندگی بھی، معذرت بھی، دلسوزی تھی۔

''آپ نے خواہ مخواہ محسوس کیا..... میں نے تو ذرا محسوس نہیں کیا۔''

''اور کیا کہہ سکتا ہوں..... سوائے اس کے کہ..... اعلیٰ ظرفی ہے تمہاری......'' وہ ہنوز معذرت خواہ تھے۔

دُرّیہ نے ان کا دل رکھنے کو مسکرانے کی کوشش کی۔ ''مجھے اتنے مشکل الفاظ استعمال کرنا نہیں آتے۔'' اور اس دکھاوے میں اس کی آنکھوں کے کنارے چپکے سے بھیگ گئے۔

''وہ تمہارے ساتھ اچھی نہیں رہے گی..... پیشگی معذرت کر رہا ہوں......''

''کچن میں......'' اس نے پھر مسکرانے کی کوشش کی۔ ''کچن صرف پکانے کھانے کی جگہ ہوتی ہے معذرت خواہی کی نہیں..... جائیں ہو سکتا ہے میرب کو کسی چیز کی ضرورت ہو......''

''پہلے میں رفید کو جگا تا ہوں تمہاری مدد کے لیے......''

''رہنے دیں..... ابھی اس کا ڈیوٹی ٹائم شروع نہیں ہوا ہے..... تھوڑی دیر میں خود آ جائے گا......''

''کبھی، کبھی ایمرجنسی کال بھی دینی چاہیے......''

کچھ دیر پہلے دُرّیہ کے دل پر رنج و ملال کی جو بدلیاں امنڈ گھمنڈ آئی تھیں طالب کے چند جملوں نے مطلع صاف کر دیا تھا۔ طالب اس کے ساتھ تھے اس کے کہے بنا ہی اس کا رنج و ملال تاڑ سکتے تھے..... شرمندگی اور معذرت خواہی بھی..... تو پھر اسے ملول ہونے کی کیا ضرورت تھی..... دل کی مزید تقویت کے لیے اس نے قرآنی دعاؤں اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ طالب نے ملازم لڑکے کو جگا کر اس کی مدد کے لیے بھیج دیا تھا۔

''رفید اپنا ناشتا تیار کرنا ہے..... چھوٹی بٹیا کینیڈا سے آئی ہیں......'' دُرّیہ نے ملازم سے حسبِ عادت نرم لہجے میں کہا۔

''اتنے سویرے جی......!'' وہ حیران ہوا۔

''باہر ملکوں سے آنے والے کسی بھی وقت آ سکتے ہیں رفید..... شاباش اللہ کا نام لے کر شروع ہو جاؤ......''

''اچھا جی......''

☆☆☆

میرب کی اچانک آمد کا سبب طالب بھی جانتے تھے دُرّیہ بھی..... خدا کا شکر کرتی تھی کہ ابھی اس نے اپنے گھر والوں سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ریحان کی آمادگی سے قبل ڈھنڈورا پیٹ دینا عقلمندی نہ ہوتی..... بات کہیں سے کہیں جاتی..... نبیھا کے کان میں بھی پڑتی اور ریحان کی طرف سے کوئی مثبت ردِعمل نہ آنے کی صورت میں نبیھا اور باقی سب کی بھی خواہ مخواہ دل شکنی ہوتی۔ میرب کے آنے کے بعد اونٹ خدا جانے کس کروٹ بیٹھنا تھا..... میرب کے تیور کھلنے میں دیر نہیں لگی۔

''آپ کو پتا ہے بھائی میں اتنی ایمرجنسی میں کیوں آئی ہوں پاکستان؟'' اس نے پہلی فرصت میں ریحان سے کہا۔

''کیوں......؟'' ریحان جانتے بوجھتے انجان بن گیا۔

''آپ کو اس مصیبت سے بچانے کے لیے جس میں آپ کو پاپا ڈالنا چاہتے ہیں۔''

''کس مصیبت کی بات کر رہی ہو......؟''

''اپنی بیگم کی جاہل، گنوار بھانجی کو آپ کے سر منڈھنے کی..... نہایت فضول لوگ ہیں یہ..... ذرا اچھے نہیں لگتے مجھے......''

''اچھے تو مجھے بھی نہیں لگتے میرب۔'' ریحان نے میرب کی دلجوئی کی خاطر کہا۔
''میں تو انہیں نفرت کے لائق بھی نہیں سمجھتی..... اس چالاک عورت نے پاپا کو تو قابو کیا ہی اب آپ کو بھی اپنی بھانجی سے پھنسانا چاہتی ہے۔ خالہ، بھانجی مل کر لوٹیں گی پاپا کو اور..... آپ کو بھی.....''
''میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں میرب.....''
''ارے آپ کو معلوم نہیں... کس، کس طرح سے بیوقوف بناتی ہیں اس قسم کی عورتیں، مردوں کو..... ہمیں پاپا کے پیسے اور جائداد سے کوئی دلچسپی نہیں..... اللہ کا شکر ہے کہ ہم سب بہن، بھائی اپنی، اپنی جگہ پر سیٹ ہیں..... ویل آف ہیں مگر مجھے غصہ اس بات پر آتا ہے کہ یہ عورت پاپا کے دل میں ہماری جگہ بنانے کیوں آ گئی..... آئی ہیٹ ہر.....''
''اچھا چھوڑو..... تم اپنی جاب اور باقی کا سناؤ.....'' ریحان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
''جاب مزیدار ہے..... فیوچر پلان..... ایک ڈریم ہاؤس، جہاں ماما میرے ساتھ ہوں گی..... اتنی بڑی، بڑی تصویریں لگواؤں گی میں ماما کی اپنے گھر میں کہ لگے گا ماما کہیں نہیں گئیں میرے ساتھ ہیں.....''
''شادی وادی کا کوئی پلان..... ؟''
''ابھی نہیں... میں اپنے ڈریم ہاؤس میں ماما کا ویسا ہی مومی مجسمہ لگواؤں گی..... جیسے مادام تساؤ کے میوزیم میں لگے ہیں... گئی تھی ہالیڈیز گزارنے انگلینڈ..... بس ان مجسموں میں جان پڑنے کی دیر لگتی ہے۔''
ریحان کو میرب سے ہمدردی محسوس ہوئی، ماں کی موت کو کئی سال گزر جانے کے باوجود وہ اب تک انہیں بھلا نہیں پائی تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ سب سے چھوٹی ہونے کے ناتے وہ ماں کی اتنی لاڈلی تھی کہ رات کو جب تک ماں اس کے پاس نہ لیٹتیں وہ سو ہی نہیں پاتی تھی۔
''بڑی ہو گئی ہو اب تمہیں میرے بغیر سونے کی عادت ہونی چاہیے۔'' جہاں آرا کہتیں۔
''آپ کے بغیر مجھے نیند ہی نہیں آتی۔''
''میں مر گئی تو؟''
''تو میں بھی مر جاؤں گی۔''
میرب مری تو نہیں تھی مگر نفسیاتی طور پر الجھ گئی تھی۔ بیرون ملک اعلیٰ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے اور اچھی جاب پر ہونے کے باوجود اس کے اندر وہ چھوٹی سی لڑکی کی چھپی بیٹھی تھی جو رات کو اب بھی ماں کی قربت کی طلبگاری میں اس کی تصویر سینے سے... کر سوتی تھی۔
''یار..... تمہاری شادی ہو جانی چاہیے اب۔''
''کیوں شادی ہو جانی چاہیے؟''
''تاکہ زینب کی طرح مزے میں رہو..... کیسے پیارے، پیارے ہیں اس کے بچے.....''
''پیارے بچوں کے لیے دیکھ بھال کر شادی کرنی پڑتی ہے..... آپ اس ڈس گسٹنگ فیملی میں شادی کے چکر میں مت آ جائیے گا..... اب میں آ گئی ہوں آپی اور میں مل کر آپ کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھیں گے۔'' میرب کی سوئی مسلسل نبیھا کی مخالفت میں اٹکی ہوئی تھی۔ موافقت میں تو زینب بھی نہیں تھی اور فیضان بھی نہیں..... ریحان کو دُرّیہ کی بھانجی سے متنفر کرنے کے لیے تینوں ہی حسب مقدور کوشش کر رہے تھے۔ فیضان نے ہانیہ کی ایک کزن کی پروفائل مع تازہ ترین تصاویر ریحان کو واٹس ایپ کی تھی۔ لڑکی مع فیملی لندن میں مقیم تھی۔ فیملی برطانوی شہریت کی حامل تھی۔ لڑکی ماہر امراض چشم ہونے کے ساتھ بیش قیمت عینکوں کی دو بڑی دکانوں کی مالکہ تھی۔ سینٹرل لندن میں اس کا والدین سے علیحدہ اپنا ایک بڑا گھر تھا۔

''مزے میں رہو گے ریحان... ہالیڈیز میں ہم تمہارے پاس آیا کریں گے۔'' فیضان نے [illegible] کی کوشش کی۔
زینب اپنی سسرال سے دو تین رشتے لے آئی۔ ایک لڑکی ڈاکٹر تھی، دوسری سافٹ [illegible] ابوظہبی میں بزنس تھا۔ پاکستان میں محل نما گھر تھا۔ لڑکی اکلوتی اولاد تھی۔ باپ نے تمام [illegible]
میرب نے کینیڈا میں اپنی دو تین سہیلیوں کی تصویریں دکھائیں اور ان کا سہ [illegible]
ریحان اچھا بچہ مناسب کی مختار ہا، طالب کو بھی یہ رشتے بتائے گئے ان کا ایک ہی [illegible] سے پوچھ لو..... جہاں اس کی مرضی ہو''
دُرّیہ خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی... میرب اس کی موجودگی میں طنز و تشنیع کے تیر چلانے [illegible]
''ریحان بھائی... آپ کے لیے تو کوئی بہت ڈیسنٹ لڑکی ہونی چاہیے [illegible] پھنس جائیے گا۔''
''بھائی، ہونے والے سسر کا اسٹیٹس ضرور دیکھیے گا... کسی دکاندار کے چکر میں مت آ جائیے گا۔''
''ریحان بھائی... میں کو میں کہنے والی لڑکی دیکھیے گا میں، میں نہ کرتی ہو''
''ریحان بھائی، ایسی لڑکی ہو جو ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھ سکے... بات کو سمجھ سکے... ویل ایجوکیٹڈ ہو، فیملی ویل آف ہو۔''
دُرّیہ دل ہی دل میں کھولتی رہتی مگر زبان سے کچھ نہ کہتی... طالب سے البتہ ایک روز اس نے کہا۔
''آپ نے نبیھا کا ذکر خواہ مخواہ ہی چھیڑا...''
''کیوں؟ کیا ہوا؟''
''ریحان کا رشتہ آپ وہاں کیجیے جہاں آپ کے سب بچوں کی مرضی ہو۔''
''جی نہیں..... ریحان کا رشتہ، ریحان کی اپنی مرضی سے ہونا چاہیے... آنے والی لڑکی کے ساتھ زندگی ریحان کو گزارنی ہے دوسروں کو نہیں''
''ٹھیک کہتے ہیں...''
''میں تو ٹھیک کہتا ہوں... تم پریشان کیوں ہوتی ہو...؟''
''اس بیچاری بچی نبیھا اور اس کے اماں، ابا کو اس معاملے کی ہوا بھی نہیں بلکہ میں شکر کرتی ہوں کہ میں نے اپنے گھر میں امی، ابو تک سے ذکر نہیں کیا تھا پھر بھی مجھے تمام دن نبیھا کی شان میں اہانت آمیز سننے کو ملتے ہیں کہ مجھے اس بچی کی نہیں اپنی ذلت محسوس ہوتی ہے۔'' دُرّیہ کی آواز رندھنے لگی۔
طالب نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔ ''ہم دونوں ایک دوسرے کے شریک زندگی ہیں دُرّیہ..... ہمارا سکھ مشترک، دکھ مشترک، خوشی اور غم مشترک، گھر مشترک، عزت اور ذلت مشترک... تم کیا سمجھتی ہو تمہاری ذلت صرف تمہاری ذلت ہے، میری بھی ہے۔ نہ تو میں اندھا ہوں اور نہ ہی گونگا، بہرا۔ سنتا ہوں، سب سنتا ہوں مگر ایک خاموشی سو بلاؤں کو ٹالتی ہے... بولتا اس لیے نہیں کہ سو بلاؤں کو اپنے گھر کا راستہ... دکھانا نہیں چاہتا... تم نے عقلمندی کی جو اپنے گھر والوں سے میرے ارادے کا ذکر نہیں کیا... میں نے بھی یہ خیال ترک کر دیا ہے... تاہم ریحان کی شادی تو بہر حال کرنی ہے... پرسوں فیضان اور ہانیہ بھی پہنچ جائیں گے، پھر جو ریحان کی مرضی ٹھہرے''
''آپ اپنے بچوں کو بتا دیجیے کہ نبیھا کا غلطی سے ذکر ہو گیا تھا... اب اس گھر میں اس بے خبر کا کوئی ذکر نہ کرے۔''

''میں بات کرتا ہوں ریحان سے۔''

''میں باہر نہیں جانا چاہتا فیضان بھائی ... پاپا کے پاس بھی تو ہم میں سے کوئی ہونا چاہیے ...'' ریحان کو اپنے لیے بیرون ملک کوئی رشتہ بھی قابلِ قبول نہ تھا۔

''تو پھر میری سسرال میں دیکھ لو... دو تین لڑکیاں بتائی تو ہیں میں نے تمہیں ...'' زینب بولی۔

ریحان نے سافٹ ویر انجینئر لڑکی کے رشتے پر آمادگی ظاہر کی۔ میرب خوش ہو کر دُرّیہ کو فاتحانہ نگاہوں سے دیکھتی ... زینب کی ساس نے رشتے کی بات چلائی۔ لڑکی والے تو گویا انتظار ہی میں بیٹھے تھے۔ طالب نے بیرونِ ملک مقیم بچوں کی موجودگی کو جلد شادی کا جواز بنایا۔ بات پکی ہوگئی اور شادی کی تیاریاں شروع ... میرب فاتحانہ انداز میں گردن اکڑائے پھرتی اور استہزائیہ کن انکھیوں سے دُرّیہ کو دیکھے جاتی جیسے کہتی ہو ... منہ کی کھا بیٹھیں نا ... دُرّیہ نارمل رہنے کی کوشش کرتی۔ زندگی میں اسے شاذ ہی کسی سے دشمنی رہی تھی مگر میرب سے دشمنی در نفرت کا احساس ہوتا۔ زینب سے اس کے تعلقات بگڑے تو نہ تھے مگر اب کچھ رنجش کا احساس ضرور تھا۔ دونوں بہنوں نے ریحان کے لیے رشتے کے انتخاب ہی نہیں شادی کی تیاریوں میں بھی اسے بری طرح نظر انداز کیا ہوا تھا کہ اس کا دل بری طرح رنجور ہوتا۔ میرب کی تو خیر بات ہی کیا زینب بھی اسی کے ڈھرے پر چل رہی تھی۔ شاپنگ کرکے آتیں اور سیدھی اوپر جیسے دُرّیہ کے دیکھ لینے سے بدنظری ہوجائے گی۔ دُرّیہ کو بار بار احساس ہوتا کہ تیمور کے لیے اپنے گھر والوں سے بات نہ کرکے اس نے کتنی عقلمندی کی تھی۔ ورنہ اس وقت وہ سب بھی کتنے رنجیدہ ہوتے اور ہتک محسوس کرتے۔

اب تو یہ تھا وہ میکے جاتی تو امی نہایت تجسس سے پوچھتیں ... ''دریہ، ریحان کی شادی کی تیاری چل رہی ہے؟''

''جی امی ...''

''تمہارے تو دن رات بازار کے پھیرے لگ رہے ہوں گے؟''

''ظاہر ہے ...''

وہ یہ بتانے سے تو قاصر تھی کہ اسے ریحان کی دونوں بہنوں نے اس کی شادی کی تیاریوں سے بارہ پتھر باہر کر رکھا تھا۔ شادی کی تیاریوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دے رہی تھیں۔ دعوت ولیمہ اور دیگر معاملات میں فیضان، باپ کا مشیر و معاون بنا ہوا تھا۔ دُرّیہ کو اس سلسلے میں جو خبر ملتی طالب کے ذریعہ ملتی، ہانیہ نہایت سمجھدار بہو تھی۔ چپ چاپ دیکھتی مگر زبان سے کچھ نہ کہتی ... دُرّیہ کے ساتھ اس کے تعلقات بدستور تھے، وہی پہلے کی سی گرمجوشی اور دوستانہ مراسم ... شادی اور ولیمے کے لیے اپنے ملبوسات کے بارے میں اس نے دُرّیہ سے مشورہ ضرور لیا ... زینب اور میرب کا طرزِ عمل اسے بھی ذرا بھی نہ بھاتا مگر چپ رہتی۔

شادی کی تیاریوں کے دوران ہی میرب کچھ بیمار ہوگئی۔ بخار اور اس کے ساتھ حلق میں تکلیف ... کھانے پینے اور نگلنے میں تکلیف کا احساس بڑھنے لگا۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے اینٹی بایوٹکس کے ساتھ چند اور دواؤں کا نسخہ تجویز کردیا مگر جوں جوں شادی کے دن نزدیک آتے گئے علاج معالجے کے باوجود اس کی طبیعت زیادہ خراب ہوتی چلی گئی۔ آواز اور خراب ہوگئی اور بولنے میں بھی دقت ہونے لگی۔

دُرّیہ فرشتہ تو تھی نہیں ... انسانی جبلتوں سے متصف فطرت رکھتی تھی۔ میرب کی طبیعت خرابی پر اسے میرب سے ذرا ہمدردی محسوس نہ ہوئی۔ طالب باپ ہونے کے ناتے البتہ متفکر تھے۔ ریحان کی شادی سر پر آ پہنچی تھی اور ان دنوں شادی کے معاملات ہی اولین ترجیح بنے ہوئے تھے۔ میرب کی بیماری گویا ثانوی ہوگئی تھی۔

''تم ریحان کی شادی کے لیے بہت پُرجوش تھیں میرب ... تمہیں نظر لگ گئی۔'' دُرّیہ نے ایک روز زینب کو کہتے پایا۔

''کیا بچے صرف میرے ہیں؟''

''مجھے کبھی اپنا سمجھا ہی نہیں گیا ...''

''ایسی بات بھی نہیں ... فیضان، ریحان، زینب سب تمہارا احترام کرتے ہیں ... میرب کے لیے میں معذرت خواہ ہوں ... لیکن یقین رکھو وقت اچھے اچھوں کو سیدھا کردیتا ہے ... میرب بھی سمجھ جائے گی۔''

''کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک ...'' دُرّیہ نے ایک سرد آہ بھری۔

''شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک ...'' طالب نے دھیرے سے اس کا شانہ تھپتھپایا اور بولے۔ ''تم میری شریکِ زندگی ہو دُرّیہ ... جنہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہے۔''

''کوشش تو کرتی ہوں مگر ...''

''مگر ...؟''

''انسان ہوں پتھر تو نہیں ... دل پگھل ہی جاتا ہے ...'' کب تک ضبط کرتی۔

''مت پگھلنے دیا کرو ...''

''اپنے بس میں تھوڑی ہوتا ہے۔''

''ارے یار اپنے بس میں ہی تو سب کچھ ہوتا ہے ... مسکرادو ...''

دُرّیہ نے انہیں شاکی نظروں سے دیکھا۔ ''اس عمر میں بھی آپ ...'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''رومانس کا عمر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ... سمجھیں میری اکلوتی بیوی ...'' طالب نے اس کی ناک کی پھننگ کو دھیرے سے چھوا۔

''ہاں ... اب تو اکلوتی ہی ...'' دُرّیہ کھل کر مسکرانے پر مجبور ہوئی۔

☆☆☆

فیضان اور ہانیہ کی آمد نے گھر کی گہما گہمی میں اضافہ کردیا ... ریحان کی شادی کا معاملہ ہنوز گرم تھا۔ طالب نے اپنے رویے یا کسی بات سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ انہیں اپنی رائے مسترد کیے جانے پر رنج و ملال تھا بلکہ جب فیضان نے ازخود ان سے پوچھا تو وہ نہایت تحمل سے بولے۔

''بیٹے ... ریحان جہاں اپنی رضا ظاہر کریں گے ہم ان کے ساتھ ہوں گے ... وہ ہے نا ایک کہاوت کہ جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں زمین پر بسنے والے تو بس گرہیں لگاتے ہیں سو جہاں ریحان کی مرضی ہم دل و جان سے ان کے ساتھ۔''

''وہ جو آپ نے پروپوز کیا تھا پاپا ...'' فیضان کو باپ سے غالباً ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے دبی زبان سے کہا۔

''بیٹا ... یونہی ایک خیال ظاہر کیا تھا میں نے ... کوئی جبر یا زبردستی والی بات نہیں تھی ... اب تم آئے ہو تو ریحان سے پوچھو ... میرب اور زینب دونوں ہی نے رشتے بتائے ہیں ... اور شاید تم نے بھی ... باہر کی لڑکی ہو تو شاید کچھ وقت لگے اگر یہیں کہیں ارادہ ہے تو چٹ منگنی پٹ بیاہ ... بلکہ میں تو کہتا ہوں موقع غنیمت ہے میرب بھی آئی ہوئی ہے ... اخبار میں ایک اشتہار لگوانے کی دیر ہے رشتے ہی رشتے آجائیں گے میرب کے لیے بھی ...''

''ریحان کے لیے بھی آپ اشتہار کیوں نہیں دے دیتے۔''

''کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ تم بھائی بہنوں کے بتائے ہوئے کسی رشتے پر پسندیدگی کا اظہار کریں تو کیا ضرورت ہے لمبے چکر میں پڑنے کی۔''

اجرِ آخرت

کتنے دن ہوگئے ہیں پاکستان میں سیلاب آئے ہوئے۔ایک ہفتہ پہلے تک کچھ علاقوں میں سیلابی ریلا آیا بند ٹوٹنے
وراس سب کے طفیل پاکستان میں بڑے پیمانے پر زرعی زمینوں کا نقصان ہوا۔ جانیں گئیں، لوگ لاپتا، اپنے پیاروں
سے بچھڑ گئے۔ بچوں کو پانی نہ جانے کہاں سے کہاں کناروں تک بہالایا، نومولود بچوں کے پانی کی سطح پر تیرتے
وجود......نہ پڑھا جارہا تھا، نہ سنا جارہا تھا اور نہ ہی کچھ لکھنے کی سکت تھی مجھ میں......نہ جانے ان ماؤں پر کیا گزری ہوگی
جن کی اولادیں پیدا ہوتے ہی بچھڑ گئیں۔لقمۂ اجل بن گئیں۔لیکن شکر ہے کہ اصل بادشاہت اللہ کی ہے ان کی یہ ناقابلِ
بیان و برداشت تکالیف آخرت میں ان کے لیے بخشش کا باعث بنیں گی ان شاء اللہ......

آج جب ملک کا 60 فیصد حصہ اس آفت کی زد میں ہے ہم اور آپ اپنی محفوظ پناہ گاہوں میں ہیں، اپنے گھروں میں
عزت، خیریت و عافیت سے تو ہم اپنے مالک کا شکر ادا کرنے کے لیے اس کے مصیبت زدہ بندوں پر اس کے دیے ہوئے میں
سے خرچ کریں اور پھر وہ چاہے رزق ہو یا صلاحیت، جانتی ہوں ہم میں سے اکثر نے عطیات جمع کروائے ہوں گے لیکن ہم
سب نے آگے بھی مزید کرنا ہے بار، بار کرنا ہے اپنی خواہشات کو کچھ وقت کے لیے ضروریات تک محدود کر لینا ہے۔ ایسا ہم
بہ آسانی کر سکتے ہیں، اگر ہم میں سے کوئی رقم عطیہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرے۔ اپنے
اپنے علاقے کے لوگوں سے معمولی سی رقم بھی ہر گھر سے جمع کریں تو اس کو چھوٹا نہ سمجھیں۔ بس چڑیا کی طرح چونچ میں پانی بھر
کر نار پر ڈالتی رہیں یاد رکھیں ہم سے سوال ہماری کوشش، ہمارے عمل کا ہوگا۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہمارے اتنے چھوٹے......
تھوڑے سے کیا ہوگا، یاد رکھیں نیکیاں تولی جائیں گی اور یہ بہترین وقت ہے کہ ہم اپنے اعمال نامے کے لیے کچھ کر سکیں۔
ہمارے جو بہن، بھائی اس سیلاب میں متاثر ہوئے وہ مصیبت میں ہیں، وہ ہمارے رب ذوالجلال کی مخلوق ہیں یوں سمجھیں کہ
یہ ہمارے ملک کی طرف سے موقع ملا ہے اپنے اعمال نامے میں بھر بھر کے نیکیاں جمع کرنے کا اس کو ضائع نہ ہونے دیں۔
اللہ کے پاس اس کے بندوں کی مشکل میں کام آنے والوں میں اپنا نام لکھوالیں کچھ بھی کر کے چاہے کسی کے راستے کا ایک تنکا
ہٹا کے، چاہے کسی کو راستہ دکھا کے......کام تو ہو ہی جائے گا ہم کچھ کریں یا نہ کریں یہ اللہ کے بندے ہیں وہ راستہ نکال دے گا
ہم نہ سہی ہماری جگہ کوئی اور سہی......اللہ پاک اپنے ان مصیبت کے مارے بندوں کا بندوبست ضرور کرے گا پر یاد رکھیں یہ
لوگ جو اس کام کو کرنے والے ہوں گے یہ ہم پر سبقت لے جانے والے بھی ہوں گے۔

آج ہم نے اپنے اللہ کے بندوں کے حقوق کو پورا کرنا ہے پاکستان پر آیا ہر کڑا وقت آپس میں لڑنے، بحث کرنے
یا کسی سیاسی جماعت کی حمایت کرنے کا نہیں ہے، یہ آزمائش کی وہ گھڑی ہے جس میں ہمارے ہم وطن بہت مشکل کا سامنا
کر رہے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جس میں ہمیں خود کو اچھا مسلمان ثابت کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق کی مدد کرنی ہے وہ جو......
بے گھر بے آسرا نیلے آسمان تلے بیٹھے ہیں ان کی زندگی کو آسان کرنا ہے۔ ان کی زندگی ہماری ذرا سی مدد سے آسان ہوگی تو
روزِ آخرت اللہ غفور الرحیم ہمارے لیے بھی آسانیاں پیدا فرمائے گا اور اگر آج بھی ہم نے ان کے حق میں کمی کیے رکھی تو
خدارا اس وقت کو سوچیں جب ہم سے اللہ یوم حشر کی سختی میں ہمارے مال کے بارے میں سوال کرے گا جب وہ پوچھے گا
کہ اسی کا دیا ہوا مال اس کے بندوں کی مشکل میں نہ لگایا تو کیوں نہ لگایا؟ کیا ہمارے دل اس روز اسی مال کی محبت میں
جھکے ہوں گے یا ہم اس گھڑی خرچ نہ کرنے پر پچھتائیں گے؟ اگر ہم سب کو اس دن کے پچھتاوے سے خوف آتا ہے تو
آج ہی اپنے ہم وطنوں کی جتنی ہوسکے مدد کریں۔ ہمارا دیا گیا ایک روپیہ بھی اگر خلوصِ نیت اور احساسِ درد سے دیا گیا
ہے تو وہ ہماری زندگی کے سارے مال پر حاوی ہوجائے گا ان شاء اللہ......

از: شگفتہ ترمذی، کاغان

''مجھے بھی یہی لگتا ہے آپی......اسی عورت کی نظر لگی ہوگی......'' ذرّیہ نے میرب کو اس کی بھر بھرائی اور کھانسی
بھری آواز میں کہتے سنا۔

ذرّیہ اپنے جبڑے بھینچ کر رہ گئی۔ میرب کی تو خیر بات ہی اور تھی ......اول دن سے اس سے بغض باندھے
ہوئے تھی مگر زینب......اس سے تو اچھے بھلے تعلقات ہوگئے تھے۔ وہ بھی اب بدل گئی تھی۔ امی سچ ہی کہتی تھیں گھٹنا
پیٹ کی طرف ہی جھکتا ہے۔

ریحان نے البتہ اُس سے اپنی تمیز داری میں سرِ مو فرق نہ آنے دیا تھا اسی طرح احترام سے پیش آتا تاہم کچھ
جُز بُز تھا۔ ایک روز جب بہنیں باہر گئی ہوئی تھیں اس سے کہنے لگا۔ ''آنٹی مجھے پاپا کے بتایئے پر پروپوزل پر بھی کوئی
اعتراض نہیں تھا مگر یہ سب لوگ مخالفت میں ہوگئے......آئی فیل سوری آنٹی۔''

''کوئی بات نہیں ریحان......اپنے بھائی، بہنوں کی رائے کو ضرور احترام دینا چاہیے......وہی تو آپ کے اچھے
برے وقت کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ماں، باپ کے بعد انسان کا اپنے بھائی، بہنوں ہی سے تو مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔''

''آپ کی بھی تو وہ بہن کی بیٹی تھی......میں سمجھ سکتا ہوں اس کے لیے آپ کی فیلنگز...''

''کوئی بات نہیں ریحان اس کی بھی وہاں ہوجائے گی جہاں اللہ نے اس کا مقسوم لکھ رکھا ہوگا......تمہارے پاپا
کی مرضی تھی ورنہ میں نے تو اس وقت بھی مخالفت کی تھی۔''

''کیوں......؟'' ریحان......چونکا۔

''کیونکہ......تم میں اور اس میں......اور تمہارے پاپا اور میرے بہنوئی کے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے......تم
ماشاء اللہ انجینئر ہو...... ہینڈسم ہو، ویل پلیسڈ ہو......پاپا تمہارے ہائی جنٹری سے تعلق رکھتے ہیں، نیہا کا باپ تو
معمولی سا بزنس مین ہے......میں سمجھتی ہوں بہت اچھا ہوا۔''

''اینی وے......آئی فیل سوری......''

''کوئی ضرورت نہیں سوری فیل کرنے کی......جب مجھے کوئی افسوس نہیں تو تمہیں سوری فیل کرنے کی کیا
ضرورت ہے اور ہم نے کسی قسم کا ذکر ان سے نہیں کیا تھا۔''

''واقعی......'' ریحان نے اسے قدرے تعجب سے دیکھا۔

''واقعی کیا؟'' ذرّیہ زبردستی مسکرائی۔

''مطلب......آپ کو واقعی افسوس نہیں......؟''

''نہیں......'' ذرّیہ نے بھرپور استقامت سے کہا پھر قدرے توقف سے بولی۔ ''رشتے اللہ تعالیٰ کی رضا سے
بنتے ہیں ریحان......میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تمہارے پاپا سے میرا زندگی کا رشتہ جڑے گا......تصور میں بھی
نہیں تھا...کبھی کہ میں......اس گھر میں ہوں گی......مگر اللہ کی رضا مجھے اس گھر میں لے آئی۔''

''آپ خوش تو ہیں ناں پاپا کے ساتھ؟''

''وہ ایک اچھے شوہر، اچھے باپ اور سب سے بڑھ کر ایک اچھے انسان ہیں۔''

''ایک بات پوچھوں آپ سے؟''

''پوچھو......''

''آپ کو پاپا کی کون سی بات زیادہ اچھی لگتی ہے؟''

''ہر بات......''

''نہیں، نہیں پھر بھی کوئی خاص بات......؟''

دُرِّیہ سوچ میں پڑگئی۔
''کوئی ایسی خوبی جو آپ کو بہت اپیل کرتی ہو...؟'' ریحان بولا۔
''انہیں لوگوں کو راستہ دینا آتا ہے..... ضدی یا ہٹ دھرم نہیں ہیں کہ بس جو انہوں نے کہہ دیا اسے حرفِ آخر سمجھا جائے...'' دُرِّیہ نے پل دو پل کو توقف کیا پھر بولی۔
''اور تمہیں ایک بات بتاؤں ریحان... میری امی کہا کرتی ہیں جو دوسروں کو راستہ دے اللہ اس کے لیے ہر راستہ آسان کر دیتا ہے۔''
''واہ... زبردست...'' ریحان بے ساختہ پھڑکا پھر دھیرے سے مسکرا کر بولا۔ ''اور پاپا کی کون سی بات آپ کو بری لگتی ہے؟''
''کوئی بھی نہیں...'' دُرِّیہ نے پورے یقین سے کہا۔
''کوئی تو؟''
''رشتوں کی پائیداری اور حسن اسی میں ہے ریحان کہ آپ خوبیوں پر نظر رکھیں..... جب آپ کسی شخص کی خوبیوں پر نظر رکھتے ہیں تو اس کی خامیاں خود بخود نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں... ویسے آپس کی بات ہے تمہارے پاپا بہت اچھے آدمی ہیں.....''
''پاپا بہت لکی ہیں..... میں نے کسی سے سنا یا شاید کہیں پڑھا تھا کہ جس شخص کی تعریف اس کی بیوی کرے تو سمجھو وہ واقعی اچھا ہے۔'' ریحان نے توقف کیا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''کیونکہ بیویاں شاید کم ہی تعریف کرتی ہیں شوہر کی۔''
''اچھے آدمی کی سب تعریف کرتے ہیں ریحان... تمہارے پاپا واقعی نفیس آدمی ہیں...''
''بہت اچھے انسان..... بہت اچھے باپ الحمدللہ.....'' ریحان بولا۔
ریحان سے بات کر کے دُرِّیہ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

فیضان کی شادی کے برعکس ریحان کی شادی میں زینب اور میرب باوجود یکہ اس کی طبیعت خراب تھی پیش پیش رہیں، ہانیہ کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ، ساتھ رکھا البتہ دُرِّیہ کو پیچھے رکھنے کی کوشش کی گئی۔ طالب دیکھ رہے تھے مگر چپ تھے اور دریہ، طالب کی وجہ سے برداشت کر رہی تھی ورنہ جہاں قدم، قدم پر توہینِ ذات کا سامنا ہو وہاں صبر کا دامن چھوٹ ہی جاتا ہے..... زینب کی ساس صنوبر جو ریحان کی دلہن کی رشتے دار تھیں اور خاصی سمجھدار بھی بارات میں زینب اور میرب کا دُرِّیہ کے ساتھ رویہ دیکھ کر ولیمے میں دُرِّیہ کو ریسپشن پر کھینچ لائیں اور زینب و میرب کی پروا کیے بغیر بولیں۔
''آپ کو یہاں ہونا چاہیے دُرِّیہ.....'' زینب اور میرب نے ایک دوسرے کو دیکھا... زینب تو ساس کی وجہ سے کچھ نہ بولی مگر میرب بڑبڑائی۔
''آپی، آپ کی ساس اتنی ہمدرد کیوں بن رہی ہیں اس عورت کی۔'' میرب بڑی بہن کو کبھی آپ کبھی تم کہہ کر مخاطب کرنے کی عادی تھی۔
''چپ کر جاؤ میرب۔'' زینب نے سرگوشی میں کہا۔
''کیوں چپ کر جاؤں...'' میرب تیور بگاڑ کر بولی۔
''میری ساس ہیں میرب...''

''تمہاری ہیں میری نہیں... تم ذرو مجھے پروا نہیں...''
''اچھا زیادہ غصہ مت کرو... تمہاری طبیعت پہلے ہی خراب ہے...'' زینب نے میرب کو آہستہ سے سمجھایا۔
''جس عورت کو میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتی اسے ہم لوگوں کے ساتھ کیوں کھڑا کر گئی ہیں وہ...''
''ریلیکس میرب...''
''نو... آئی کانٹ... اس سے کہیں... یہاں سے جائے.....اور اگر آپ نہیں کہہ سکتیں تو میں خود کہہ دیتی ہوں...'' دُرِّیہ ان دونوں کے نزدیک ہی کھڑی تھی۔ کچھ سن رہی تھی کچھ نہیں سن پا رہی تھی، اپنے لیے میرب کی زبان سے ''عورت'' کی تکرار سن، سن کر توہینِ ذات کا احساس اس کے دل کو چیرے دیتا۔ کیسی پڑھی لکھی لڑکی تھی وہ جو اس سے بغض رکھنے میں تہذیب کی تمام حدیں پھلانگ کر جاہلانہ لب و لہجے پر اتر آئی تھی... نہایت خاموشی سے دریہ ریسپشن سے خود ہی ہٹ گئی۔
''ارے، ہم آپ کو وہاں کھڑا کر کے آئے اور آپ یہاں آگئیں...'' صنوبر اسے دیکھ بولیں۔
''صنوبر... دونوں بیٹیاں ہیں ناں ریسپشن پر اور طالب اور ریحان بھی مردوں کے استقبال کو وہاں موجود ہیں... آنے والے مہمانوں کے درمیان بھی تو کوئی میزبان ہونا چاہیے ناں...'' دُرِّیہ نے اپنی قلبی کیفیت ان پر ظاہر نہ ہونے دینے کی حتی الوسع کوشش کی۔
''چلیے جیسے آپ مناسب سمجھیں...'' زمانہ شناس صنوبر بھی ٹال گئیں۔
ولیمے کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی دعوت دُرِّیہ کے میکے میں ہوئی۔ گھر کی تنگ دامنی اور مہمانوں کے اسٹینس کا خیال رکھتے ہوئے بھائی نے ایک مہنگے ریسٹورنٹ میں دعوت کا اہتمام کیا۔ میرب کے سوا سبھی شریک ہوئے..... میرب تو ویسے بھی شرکت نہ کرتی مگر اب تو اس کی طبیعت واقعتاً خاصی خراب ہو گئی تھی۔ اس کے حلق میں تکلیف بڑھنے کے ساتھ بولنے میں بہت مشکل ہونے لگی تھی۔ کھانے پینے میں دقت ہو رہی تھی۔ کھانسی مسلسل تھی، بخار تھا، نڈھال سی رہتی، جس ڈاکٹر سے علاج چل رہا تھا اس نے کان، ناک اور گلے کے امراض کے ایک ماہر کو دکھانے کا مشورہ دیا۔
ریحان کی دلہن دُرِّ شہوار سافٹ ویئر انجینئر تھی۔ شادی کے بعد پتا چلا کہ اس نے پی ایچ ڈی کے لیے بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے کئی اداروں میں اسکالرشپ کے لیے درخواست دے رکھی تھی۔ اور اسے یقین تھا کہ عمدہ تعلیمی ریکارڈ کے باعث وہ کہیں نہ کہیں اسکالرشپ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی..... ریحان کے لیے یہ دھچکا تھا مگر شادی کے ابتدائی دن تھے نئی نویلی دلہن کی ناز برداری قبل از وقت ہی اس معاملے میں کسی بحث میں پڑنے سے مانع رہی۔
فیضان، ہانیہ اور میرب کا ایک ساتھ کینیڈا واپس جانے کا پروگرام تھا لیکن میرب کی طبیعت خرابی کے باعث طالب نے اسے کینیڈا واپسی کا پروگرام مؤخر کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بہت منمنائی۔
''میں ٹھیک ہوں پاپا... شاید کھٹی اور ٹھنڈی چیزیں زیادہ کھانے سے گلے میں تکلیف بڑھ گئی ہے... تکلیف تو وہاں بھی چل رہی تھی واپس جا کر ڈاکٹر کو دکھاؤں گی... ٹھیک ہو جائے گا، گلے کی تکلیف ہی سے کھانسی اور بخار ہو رہا ہے۔''
''وہاں بھی دکھا دینا..... میں نے تمہارے لیے ای این ٹی اسپیشلسٹ سے اپائنٹمنٹ لے لیا ہے... وہ دیکھ لیں، طبیعت ٹھیک ہونے تک میں تمہیں واپس نہیں جانے دوں گا... کیا واپس جا کر تم یونہی کھانستی، کھنکھارتی اکیلے گھر میں بستر پر پڑی رہو گی۔''

''ایسے سوچو گی مت''
''پاپا یہ بات ان کی طرف سے آئی ہے''
''وہ نا سمجھ ہیں''
''نا سمجھ نہیں خود غرض اور بے حس کہیے''
''تمہیں سمجھداری دکھانی ہوگی''
''کیا سمجھداری دکھاؤں پاپا؟''
''جیسے دُرِ شہوار چاہتی ہے ویسے ہی کرو تمہیں زندگی تو اب اسی کے ساتھ گزارنی ہے بیٹا۔''
''سوری پاپا''
''کیا مطلب؟'' طالب چونکے۔
''بہت کم عرصے میں مجھے اچھی طرح اندازہ ہوگیا ہے پاپا کہ میرا اور اس کا مائنڈ سیٹ بالکل مختلف ہے اسے صرف اپنی ذات سے غرض ہے دوسروں کے مسائل اور مجبوریوں سے کوئی غرض نہیں میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ میں اس کی اسکالرشپ کے آڑے نہیں آنا چاہتا اور یہاں رہتے ہوئے بھی اسے ہر ممکن سپورٹ دوں گا لیکن اس کی خاطر اپنا گھر، اپنے لوگ اور یہاں اپنا کیریئر چھوڑ کر اس کے ساتھ نہیں جا سکتا مگر اس نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی'' ریحان نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر بولا۔ ''مجھے بتائیں پاپا اس کے ساتھ جانے میں ایک فیبرک میں میرا ایلیکل اسٹیٹس کیا ہوتا اسکالرشپ ہولڈر بیوی کا طفیلیا''
''بات تو صحیح ہے۔'' طالب نے تائید کی۔
''جب اللہ نے مجھے اپنے وطن میں عزت دے رکھی ہے تو کیوں بتوں میں اس کا طفیلیا ہرگز نہیں پاپا کسی قیمت پر نہیں میرب کو اس حال میں چھوڑ کر اور سب سے بڑی بات چاہے آپ اسے ایموشنل کہیں آپ سے دور نہیں جانا چاہتا میں''
طالب ٹکٹکی باندھ کر بیٹے کو دیکھنے لگے۔
''یس پاپا'' ریحان ان سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا آئی لو یو پاپا یو آر مائی ویک نیس پاپا'' اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔
طالب چند ثانیے ایسے دیکھتے رہے۔ کڑیل، جوان بیٹا اپنے چہرے پر صداقت کی روشنی اور آنکھوں میں نمی لیے کسی معصوم بچے کی طرح ان سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا انھیں اپنی محبت، اپنی کمزوری قرار دے رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے ریحان کے نزدیک گئے اور اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولے۔ ''آئی لو یو ٹو بیٹا''
''تھینک یو آئی نو'' ریحان نے کہا۔
چند ثانیے خاموشی رہی پھر طالب نے اس خاموشی کو توڑا۔ ''مجھے تمہاری بات سے پورا اتفاق ہے بیٹے لیکن گھر مشکل سے بستے ہیں انہیں آباد ہی رہنا چاہیے۔''
''سوری پاپا میرا اور دُرِ شہوار کا گزارہ نہیں ہو سکتا۔'' طالب نے چونک کر اسے دیکھا۔
''وہ لوگ رشتہ ختم کرنا چاہتے ہیں، کر دیں مجھے پروا نہیں۔'' ریحان کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔
''پھر بھی اچھی طرح سوچ لو'' طالب بولے۔
''میں نے سوچ لیا ہے اور پلیز اب آپ مجھے مجبور مت کیجیے گا زندگی کو آسان بنانے کے لیے کبھی کبھی سخت اور ناپسندیدہ فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور بہت مطمئن ہوں... ہاں البتہ میرب کو

ابھی نہ بتائیے گا بیماری نے اسے بہت کمزور کر رکھا ہے'' ''اور ریحان اور دُرِ شہوار کا رشتہ ٹوٹ گیا۔''
چاہت اور ارمانوں سے بسائے جانے والے گھر اور جوڑے جانے والے رشتے بھی کیسی ہٹ دھرمیوں اور حماقتوں پر ٹوٹ جاتے ہیں، طالب کو ملال تھا کہ کوشش بسیار کے باوجود وہ بیٹے کا تو آباد گھر ٹوٹنے سے نہ بچا سکے تھے۔ فیضان اور زینب بھی بہت متاسف ہوئے۔ گھر کے بام و در پر میرب کی بیماری کے باعث مسلط سناٹا اور بھی بڑھ گیا۔ دُرِ یہ چپ تھی۔ کیا عجب کہ طالب کے گھر میں کسی کے دل میں یہ خیال اپنے پاؤں پسار رہا ہو کہ ریحان اور دُرِ شہوار کے رشتے کو اس کی نظر کھا گئی۔

☆☆☆

زینب کی ساس بڑی صاف گو اور حق بات کہنے میں بے باک تھیں۔ ان کا کہنا تھا دُرِ شہوار اور اس کے گھر والے جلد یا بدیر پچھتائیں گے ضرور دُرِ شہوار کو ریحان جیسا اچھا شریکِ زندگی اور اس کے گھر والوں کو اتنا سلجھا ہوا سمدھیانہ شاید ہی مل سکے۔
دُرِ یہ پھونک، پھونک کر قدم رکھ رہی تھی۔ ریحان سے جھما کے رشتے کی بات نہ چھڑ چکی ہوتی تو شاید وہ ریحان اور دُرِ شہوار کی علیحدگی کے معاملے میں اس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت محسوس نہ کرتی۔ ریحان اور دُرِ شہوار کے درمیان تنازع شروع ہونے سے اس تنازع کا فیصلہ ہونے تک اس نے میرب کی دیکھ بھال میں کوئی فرق نہیں آنے دیا تھا۔
وقت مداری کی طرح ڈگڈگی بجا کر زندگی کی ڈور میں بندھے انسانوں کو ایسے نچاتا ہے کہ اچھے، اچھے سرکشوں کو بے دم کر دیتا ہے۔ میرب کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ کہاں تو یہ حال تھا کہ وہ دُرِ یہ کی صورت دیکھنے کی روادار نہ

ہوتی تھی کہ [illegible] بیماری کے بعد [illegible] حالات میں اپنے علاج معالجے، دیکھ بھال اور دیگر ضرورتوں کے لیے
دوسروں کی طرف دیکھنے پر مجبور تھی۔ اس کی مالی کمزوری کا یہ حال تھا کہ ہمارے [illegible] تا [illegible]
[illegible] جان کی [illegible] بڑی راتیں ... کھانا پینا بھی محال [illegible] دُرِّیہ کو اس پر رحم
[illegible] اس حال میں [illegible] اس حال میں ہوگا۔
"آنٹی میں میرب کی دیکھ بھال میں آپ کا ہاتھ بٹانے پر بہت شرمندہ ہوتی ہوں ... اصل میں بچوں اور
گھر کی [illegible] مجھے فرصت ہی نہیں لینے دیتیں۔" زینب ایک روز نہایت شرمندگی سے دُرِّیہ سے بولی۔
"کوئی بات نہیں زینب ..."
"بات تو ہے ... میرب میری بہن ہے ... اس حال میں اس کی دیکھ بھال کرنا میرا بھی فرض ہے ... آنٹی
ایم رئیلی سوری ..." زینب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
"تم دعا کرو زینب ... بس دعا کرو کہ میرب اچھی ہو جائے ..."
"بہت دعا کرتی ہوں ... چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ... اگر سچ پوچھیں تو اب سوتے میں بھی میرب کا خیال ہی
ذہن سے چمٹا رہتا ہے۔"
"تمہارے پاپا بھی بہت فکر مند رہتے ہیں ..."
"دیکھ رہی ہوں ... پاپا کا چہرہ بہت اتر گیا ہے ... مرد پتا نہیں کس طرح برداشت کر لیتے ہیں ...... ہم
عورتوں کے تو [illegible] آنسو نکل آتے ہیں ..."
"اللہ کا انتظام ہے زینب ... مرد بھی تکلیف اور رنج میں ہم عورتوں کی طرح کمزور پڑ جائیں تو پھر ہمیں
کون سنبھالے۔"
"ٹھیک کہتی ہیں آپ ..." زینب نے تائید کی پھر دُرِّیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔ "یو آر گریٹ
آنٹی ... آپ نہ ہوتیں تو بڑی مشکل ہو جاتی ہم سب کے لیے اور بیچاری میرب کے لیے بھی ..." اتنا کہہ کر زینب
رونے لگی۔
"ارے ارے ... یہ کیا ..." دُرِّیہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال کر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔
"میں، ایشان بھائی اور ریحان ... ہم سب آپ کے بہت شکر گزار ہیں ..." زینب نے بھرائی ہوئی آواز
میں کہا۔
"کوئی ضرورت نہیں ... میرب کا خیال رکھنا میرا فرض ہے زینب ..." دُرِّیہ نے اس کا شانہ دھیرے
سے تھپتھپایا۔
"سو کائنڈ آف یو آنٹی ..." زینب نے اسے ممنون نگاہوں سے دیکھا۔
"زیادہ فارمل مت ہو ..." دُرِّیہ نے اسے پیار سے آنکھیں دکھائیں۔
"آنٹی ..." زینب نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "ریحان کی شادی میں ہم دونوں ... میرا مطلب ہے
میرب اور میں نے آپ کے ساتھ جس طرح کا سلوک کیا ... مجھے اس پر اب بہت شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ آئی
ایم رئیلی سوری ... فار دیٹ ..." زینب کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔
"زینب ..." دُرِّیہ نے اسے دل جوئی سے مخاطب کیا۔
وہ سسک پڑی۔ دُرِّیہ نے اسے اپنے گلے لگا لیا۔
"سوری آنٹی ... رئیلی سوری ... ہم نے آپ کا بہت دل دکھایا ... ہمیں معاف کر دیں ..."

"تم میری اولاد نہیں ہو زینب مگر ... تمہارے پاپا سے اپنے رشتے کے حوالے سے میں تم چاروں بہن،
بھائیوں کو اپنے بچے سمجھتی ہوں ... جھوٹ نہیں بولوں گی تم سے ... میں ہرٹ ضرور ہوئی تھی ... لیکن میرب کی
بیماری نے مجھے وہ سب کچھ بھلا دیا۔" دُرِّیہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے پیار کیا اور بولی۔
"یہ آپ کی گریٹ نس ہے ..."
"عارث اور بچے کیسے ہیں؟" دُرِّیہ نے یک لخت موضوع بدل دیا۔
"الحمدللہ ... ٹھیک ہیں ... بچوں کو میں اس لیے زیادہ نہیں لاتی کہ میرب کو دیکھ کر وہ کچھ سہم سے جاتے
ہیں ... بچے پوچھ رہے تھے کہ خالہ کے بالوں کو کیا ہوا ..."
"تم نے بتایا انہیں ...؟"
"میں نے کہا خالہ بیمار ہیں ... عنایہ بولی بخار ہے ان کو؟ اس سے پہلے کہ میں اسے کوئی جواب دیتی وارث نے
بہن سے کہا خالہ کو کینسر ہو گیا ہے ... سنتا ہے ناں گھر میں بڑوں کی باتیں، بس وہی ذہن میں رہا ہوگا اس کے ..."
"ماشاءاللہ ... آج کل کے بچے بہت سمجھدار ہیں زینب ..."
"کیا بتاؤں آنٹی ... دونوں ایسی، ایسی باتیں کرتے ہیں کہ ان کی دادو تو حیران رہ جاتی ہیں ......"
"دور آگہی ہے زینب ...... الیکٹرانک میڈیا نے بچوں کو وہ سمجھا دیا ہے جو ہمیں بڑے ہو کر بھی نہیں سجھائی دیتا
ہے ... سوشل میڈیا پر میں ایک پوسٹ دیکھ رہی تھی ..... چھوٹی سی ایک بچی موبائل فون ہاتھ میں لیے اس پر کچھ دیکھ
رہی ہے ... اس کے ساتھ بیٹھا منا سا ایک بچہ جو شاید دو سال کا بھی نہ ہو اس بچی سے بھی زیادہ غور سے موبائل کو
جھانک رہا ہے ... کسی بڑے نے کیپشن لگایا، اس عمر میں ہماری تو آنکھیں بھی نہیں کھلی تھیں ..."
"ایسا ہی ہے آنٹی ... نئی نسل بہت ہوشیار ہو گئی ہے ..." زینب بے اختیار ہنس دی۔
"پرانی نسل کو خبردار رہنے کی ضرورت ہے ......" دُرِّیہ گہرے معنی لہجے میں بولی۔
"ٹھیک کہتی ہیں ... بڑوں کو دیکھنا چاہیے کہ بچے موبائل ہاتھ میں لیے کیا دیکھ رہے ہیں ..."
"نہایت ضروری ہے زینب ......"
"میرب کا علاج ابھی کتنے عرصے اور چلے گا آنٹی؟" زینب پھر اپنے اصل موضوع پر آ گئی۔
"ڈاکٹر ہی جانیں زینب ...."
"خدا کرے میری بہن جلد اچھی ہو جائے ......"
"تم دعا مانگتی ہو تو بہن بھلا کیوں اچھی نہ ہوگی ......" دُرِّیہ نے اسے تسلی دی۔

☆☆☆

میرب کی بیماری میں دُرِّیہ اپنے گھر کا راستہ تو جیسے بھول ہی گئی تھی۔ امی، ابو، بھائی، بھابی اور بہنوں سے بس
فون پر ہی بات چیت رہتی ..... دُرِّیہ کے میکے سے میرب کی عیادت کو کوئی نہ کوئی آتا رہتا تھا، کبھی بھائی، بھابی کبھی
ثریا اور بریہ ... امی، ابو بھی آئے تھے مگر ان کے لیے بار، بار آنا مشکل ہوتا زیادہ تر فون پر ہی میرب کی خیر و
عافیت پوچھ لیتے۔ بریہ ایک روز میرب کی عیادت کو آئی تو بیٹی عیشا اور چھوٹے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے آئی۔ عیشا
تقریباً میرب کی ہم عمر ہی تھی۔ اسے معلوم تھا نہ بریہ کو خبر تھی کہ اس گھر میں کبھی ریحان کے لیے عیشا کے رشتے کی
بات چھڑ کر تنازعہ بھی بن رہی تھی ..... شاید انہیں معلوم ہوتا تو بریہ نہ عیشا کو اپنے ہمراہ لاتی اور نہ عیشا خود آتی اور
میرب سے اس قدر دوستانہ اور ہمدردانہ انداز میں ملتی۔ وہ طبعاً بہت خوش مزاج اور لوگوں سے جلد گھل مل جانے
والی لڑکی تھی۔ بریہ نے اسے گھرداری میں طاق کر رکھا تھا۔ اس کے مزاج میں نخرہ نام کو نہ تھا۔ کہیں مہمان ہوتی تو

میزبان کا ہاتھ بٹانے کھڑی ہوجاتی۔ ماں کے ساتھ میرب کی عیادت کو آئی تو ذرا دیر میں اس سے بے تکلف ہوگئی۔ گو میرب کچھ ریزرو رہی، اس کی بیماری کے بجائے نیہا اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی...... بریّہ نے اسے سب کے سامنے ہی ٹوکا۔

''تم ان کی طبیعت پوچھنے آئی ہو یا اِدھر اُدھر کے قصے سنانے......''

''امی طبیعت تو ان کی سبھی پوچھتے ہوں گے...... کوئی طبیعت کو بہلانے والا بھی تو ہونا چاہیے...... کیوں جی؟'' نیہا نے مسکراتے ہوئے اور میرب سے اپنی بات کی تائید بھی چاہی۔

''جی ...'' میرب نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ بور تو نہیں ہورہی ہیں میری باتوں سے......؟''

''نہیں......''

''امی کہتی ہیں...... میں بولتی بہت ہوں...... تنگ رہتی ہیں میرے زیادہ بولنے سے...... میں کیا کروں... چپ رہ ہی نہیں سکتی...... چپ رہنے سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے...... بندہ بولتا رہے تو لوگوں کو پتا ہوتا ہے کہ جان ہے اس میں... میں تو سارا دن بولتی رہتی ہوں...... کبھی امی سے کبھی بھائی سے کبھی بہن سے اور رات کو ابو کے آنے کے بعد ان سے......''

میرب کے نزدیک بیٹھے ہوئے نیہا نے اس کے گھٹنے دبانے شروع کردیے۔ میرب نے اس کا ہاتھ روکنا چاہا تو بریّہ نے کہا۔

''دبا لینے دو میرب...... یہ کون سا کوئی روز، روز آئے گی تمہارے پاس...... بلکہ تیل ہو تو یہ تمہارے تلوؤں میں تیل لگادے... پیروں کے تلوؤں میں تیل لگانے سے بہت سکون ملتا ہے۔''

میرب جو ایسے سچے، سادہ اور ہمدرد لوگوں کی عادی نہ تھی گھبرا رہی تھی۔

طالب آئے تو میرب کچھ ریلیکس ہوئی انہیں دیکھ کر بریّہ علیک سلیک کے بعد بولی۔ ''بھائی، آپ تو بہت کمزور لگ رہے ہیں۔''

''بریّہ بہن نانا، دادا بن چکا ہوں...... کمزوری عمر کا تقاضا ہے۔'' طالب نے کہا۔

''بیٹی کی طرف سے بھی فکرمند ہوں گے ناں آپ......'' بریّہ سادہ لوحی سے بولی۔

''یہ میری بہت پیاری بیٹی ہے۔'' طالب نے میرب کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بیٹیاں پیاری ہی ہوتی ہیں بھائی...... اب یہ نیہا...... اپنے ابا کی جان ہے...... باپ، بیٹی میں ایسا پیار ہے کہ کیا بتاؤں...... ابا کو دکان سے ذرا دیر ہوجائے گھر آنے میں تو یہ بولانے لگتی ہے...... بار، بار کہے گی...... ابا نہیں آئے ابھی تک ...... زیادہ دیر ہوجائے تو رونے بیٹھ جاتی ہے کہ آج ابا کو گھر آنے میں دیر کیوں ہوگئی......'' بریّہ نہایت سادگی سے بولے چلی گئی۔

''اور انکل جب میں ابا کے لیے یوں پریشان ہوتی ہوں ناں تو امی مجھے ڈانٹنے پڑ جاتی ہیں......'' نیہا نے ماں کو شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے طالب کو بتایا۔

''نہ ڈانٹا کریں بہن...... بیٹیاں تو مہمان ہوتی ہیں......'' طالب دھیرے سے مسکرائے اور بولے۔

طالب کی نظریں میرب پر جاٹکی تھیں ان کی نگاہوں میں اداسی تھی اور دل میں کسک......

میرب نہ جانے کتنے دن کی مہمان تھی۔

(جاری ہے)

اک سیلاب ابھی آنے کو ہے ۲

ثانیہ رابعہ

نئے گھر کی صفائی ستھرائی اپنی جگہ بے حد مشکل کام ہے، فرش پر ندا پرویز اتنی مرتبہ پوچا پھرواتیں کہ لش پش کرتا فرش آئینے جیسا ہوجاتا چاہو تو منہ دیکھ لو۔

واش روم میں کموڈ کے لیے الگ دھونے، چمکانے والا لیکوئڈ، سنک کے لیے اور طرح کا اور فرش کے لیے تو بالکل ہی مختلف اوپر سے یہ ڈر کہ پانی کے چھینٹے دروازے یا دیواروں پر نہ پڑ جائیں۔ ہاتھ ٹب کے لیے فنائل کی گولی ہر دو ہفتے بعد بدلی جاتی، دم اور اچھی کوالٹی کے سرف سے خوب دھلائی ہوتی پھر ڈرائنگ ڈائننگ کی صفائی! اللہ کی پناہ!

جناتی سائز کی کھانے کی میز چاؤ میں بنوا تولی لیکن اس میز اور کرسی پر نقطہ برابر بھی دھبا نظر آجاتا تو کام والی ماسی رسولاں اور اس کی بیٹی علشبا کی شامت ہی آجاتی!

جب جھاڑ پونچھ والے تولیے اور کپڑے دھلواتیں

تو تھی ہی، [illegible] کے قریب لے جا کر جائزہ [illegible] نہیں [illegible] خوشبو غالب آ گئی [illegible]
روزانہ صفائی کے کاموں میں تین سے چار گھنٹے لگ جاتے، جب صفائی مکمل ہوتی تو بی بی رسولاں باقاعدہ [illegible] زبان باہر نکل آتی۔ [illegible] کی طرح سوراخ دار [illegible] آہستہ اٹھ کر [illegible] پوچھتی اور [illegible] ڈالنے، سوکھے [illegible] کا کام مکمل کرتی۔
[illegible] نے اور استری کرنے کا کام [illegible] تو نہیں کرتی تھی اچھے [illegible] سب کام وہ شوق سے [illegible] میاں کی نوکری بہاول پور میں ملی تو [illegible] برادری کو چھوڑ کر آنے کا دکھ کم اور میاں [illegible] بچوں کو پیدا کرنے پالنے پوسنے کا شوق [illegible] سال بہت اچھے گزرے حکومت کی جانب [illegible] کوارٹر بھی ملا تھا اور گیس کا چولھا پانی کی [illegible] سے باہر [illegible] فٹ کی پٹی جس پر گھاس کے [illegible] اور [illegible] لگا ہوا تھا۔

بی بی رسولاں کے نزدیک اس وقت روئے زمین پر اس سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں تھا، گھر کی لائنوں [illegible] مہینے بعد مٹھی بھر کے تنخواہ ملتی لکڑیوں کے بجائے گیس کا چولھا [illegible] کی سہولت، ارد گرد ملنے والیاں [illegible] بہت اچھی تھیں۔ وہ اندر تک رب سوہنے سے راضی تھی۔ [illegible] تنخواہ ملتی تو لال سوا نوٹ بھی اپنے [illegible] میں غریبوں کو دینے کے لیے جمع کرتی آگے [illegible] تین بچے [illegible] دو بیٹیاں اور ایک بیٹا، بیٹا [illegible] کا تھا [illegible] عمر سے سال ایک پیچھے، سائی [illegible] رسولاں نے اسے روک نہیں بتایا تھا [illegible] صاف استری کیے کپڑے [illegible] سے زیادہ [illegible] ادا کرتے نہیں تھکتی تھی [illegible] بچوں اور گھر کو [illegible] سنوارنے میں وہ اتنی مصروف رہتی کہ اسے اپنے آبائی گاؤں گئے ہوئے لمبا [illegible]۔

دن اچھے گزر رہے تھے راتیں اس سے بھی اچھی کہ قسمت نے پلٹا کھایا وطن جاتے ہوئے ان کی بس حادثے کا شکار ہوگئی۔ اللہ نے سب پر کرم کیا سب پلٹا کھائی بس سے چھلانگ لگا کر کپڑے جھاڑتے نکل پڑے سوائے رسولاں کے شوہر اللہ وسایا کے، اس کی ٹانگیں بہت بری طرح سیٹ کے نیچے دھنس گئی تھیں۔ سب مسافروں نے مل ملا کر اسے کھینچ کھانچ کے باہر نکالا اس کی چیخیں اور کراہیں بتا رہی تھیں کہ اسے کسی معذوری مستاجی کا تحفہ مل چکا ہے۔

انجام کار چھ ماہ اسپتالوں میں دھکے کھا کر کئی طرح کے آپریشن کروانے کے باوجود وہ اپنے پاؤں پر دوبارہ کبھی کھڑا نہ ہوسکا۔

رسولاں نے اس آزمائش کو تو خندہ پیشانی سے برداشت کرلیا لیکن جب اس کی ملازمت ختم ہونے اور سامان اٹھانے کا نوٹس ملا تب وہ دھواں دھار روئی، بچوں کی طرح کرلائی۔ ایسے میں جب اس کا سامان لوڈر میں رکھا جا رہا تھا اور کپڑے دھونے والی واشنگ مشین مزدوروں کے ہاتھوں میں تھی اس کی پڑوسن چھاناں بی بی جو مہر عبدالستار کے ہاں کام کرتی تھی اس کے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آ گئی۔

اس نے بڑے اچھے لفظوں سے اسے حوصلہ دیا اور کہا کہ وہ کہیں نہ جائے وہ اسے اسی کالونی میں ضرور کام دلوائے گی جہاں وہ مہر صاحب کے ہاں کام کرتی ہے اس نے یہ بھی بتایا کہ ان کے پڑوس میں فلور اور کاٹن مل کے مالک کا گھر ہے دو کنالوں پر وہ بھی کئی مرتبہ اس سے کام والی لانے کا کہہ چکے ہیں۔

خدا ترسی میں چھاناں نے آدھا سامان اپنے کوارٹر میں رکھوایا باقی دوسرے گھروں میں ایک کمرا بھی رہنے کو دے دیا یوں اگلے دن اسی بہاول پور میں رسولاں کی رہائش اور کام کا بندوبست بھی ہوگیا۔

☆☆☆

وقت گزرتا گیا وہ فلور مل والے رانا صاحب کے ہاں سے ایم این اے چوہدری شبیر افضل کے ہاں پہنچ گئی سرونٹ کوارٹر میں رہائش اور دو وقت کے کھانے کے علاوہ خاوند کے علاج معالجے کی سہولت بھی تھی، کوارٹر میں وہ تمام سہولتیں موجود تھیں جو وہ چھوڑ کر آئی تھی۔ زندگی اسے اپنے سے مانوس کر رہی تھی وہ بھی کولہو کے بیل کی طرح کام میں جت جاتی، بچیاں قریب ہی سرکاری اسکول میں داخل کروادی گئی تھیں۔ بیگم صاحبہ زبان کی ذرا سخت لیکن ہاتھ کی اور دل کی کھلی تھیں، یوں رسولاں کے شب و روز اب نسبتاً آسان ہو چلے تھے۔

اپنے وطن (رود کوہی پٹی) جانے کا پورے دو سال کے بعد اتفاق ہوا معذور میاں کو لے جانا کون سا آسان کام تھا۔ اب مجبوری تھی سسر بہت بیمار تھا جانا ہی جانا تھا ویسے بھی ان دو سالوں میں وہ شاید ہی دو چار چھٹیوں سے آگے بڑھی ہوگی عید بقر عید پر تو ہر کوئی چھٹی کرتا ہے وہ عید بقر عید شب برات پر بھی کاموں میں مصروف رہتی۔ اب بیگم صاحبہ کو سسر کی بیماری اور دو چار مزید وجوہات بتائیں تو وہ راضی ہوگئیں احتیاطاً پوچھ بھی لیا کتنے دن میں واپس آؤ گی؟

چند لمحوں کی سوچ بچار کے بعد اس نے دو ہفتے کی اجازت لی سامان باندھا بیگم صاحبہ نے اتنی مہربانی فرمائی کہ ڈرائیور انہیں بسوں کے اڈے تک چھوڑنے چلا گیا۔ معذور میاں کو بس پر سوار کروانا بھی مشکل کام تھا اللہ بھلا کرے کریم ڈرائیور نے وہ بھی مرحلہ طے کروادیا۔

دو سے چار اور چار سے چھ ہفتے گزر گئے۔ رسولاں بی بی واپس نہیں آئی، مت ایسی ماری گئی تھی کہ اسے نمبر دینا اور بیگم صاحبہ کو نمبر لینا یاد نہ رہا پتا چلے تو کیسے چلے؟

سامان سارے کا سارا کوارٹر میں ہی تھا حالات ایسے تھے کہ نئی ملازمہ دن رات کے لیے نہیں مل رہی تھی اور اگر میسر ہوتی تو رہائش لینے کی شرط پر!

چند دن تو مزید انتظار میں گزارے آج آئے گی رسولاں یا کل پھر مایوس ہو کر انہوں نے نئی ملازمہ کو وہ کوارٹر دے کر رکھ لیا۔

رسولاں بی بی کا سامان چھت پر بنے اسٹور میں رکھوا دیا گیا۔

ویسے بھی بقر عید سر پر تھی بقر عید کی تو جو مصروفیت ہوتی ہے سب کو ہی معلوم ہے ان کے ہاں محرم کی اس سے بھی بڑی مصروفیت ہوتی تھی سسر اہل بیت سے

عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے روزانہ نیاز بنوا کر بہو کے ہاتھوں تقسیم کرواتے۔

کام کے لیے نئی ملازمہ مجیداں بیگم بہت دھوم دھڑ کے سے آئی تعلق اسی ریاستی علاقے سے تھا میاں اور ساس اس کے ہمراہ تھے یا پیٹ کا چھ ماہی بچہ مجیداں کو.... بولنے اور بہت بولتے رہنے کی بیماری تھی شوخ رنگوں کے سوٹ، سرخی پاؤڈر، گول ہڑیڑوں والا پراندہ پوری کی پوری چھمک چھلو تھی۔ آتے ہی گھر بھر میں اپنا مقام بنالیا عادت اور طور طریقوں میں رسولاں بی بی سے سو فیصد مختلف!

لوگ تو مرے ہوؤں کو چار ماہ میں بھول جاتے ہیں اور آج مرے اور کل دوسرا دن شمار کرتے ہیں تو رسولاں بی بی کے چھ ماہ اسے بھلانے کو بہت تھے۔

کون سی رسولاں اور کون سی بی بی، یہ اگست کے آخری دنوں کی بات تھی محرم بھی... قریب قریب ختم ہوگیا تھا مصروفیات بھی قدرے کم ہو چکی تھیں۔ جب ایسے ہی موبائل ہاتھ میں لیے وہ وڈیو کلپس دیکھ رہی تھیں ملکی سیاست کا مینا بازار لگا ہوا تھا کوہ سلیمان سے پھٹنے والے گلیشیر نے تونسہ، فاضل پور، راجن پور، روجہان بلوچستان اور اردگرد کے علاقوں میں تباہی مچائی ہوئی تھی ایک دم وہ ٹھٹکیں۔

او ہو، یہ، یہ تو رسولاں ہے۔" انہوں نے موبائل فون کی اسکرین پر نظریں جمائیں۔ "شازی آؤ ذرا جلدی سے۔" انہوں نے بیٹی کو آواز دی۔ "یہ بھلا کون ہے؟" انہوں نے شک دور کرنا چاہا۔

"اوہ مما یہ تو بی بی رسولاں ہے اوہ مائی گاڈ" اس کی سانس رکی گردن تک پانی میں ڈوبی رسولاں کے سر پر ایک چارپائی اور چارپائی پر اس کا اللہ لوک بیٹا بیٹھا ہوا تھا، چارپائی کے اوپر بکری کا بچہ اور سامان کی ایک گٹھڑی تھیں وہ لمحہ لمحہ پانی میں ڈوب رہی تھی اس کی گردن بھی پانی میں تقریباً ڈوب چکی تھی بس چارپائی کے پائے نظر آرہے تھے اچانک ریسکیو ٹیموں نے آکر اس سے چارپائی کھینچی، دو نے اس کے بچے اور سامان کو کشتی میں پھینکا ایک نے رسولاں بی بی کو کھینچ کر نکالا۔

رسولاں بی بی کو پانی سے زندہ نکلتے دیکھ کر.... بے اختیار ان کے سینے سے شکر کی سانس باہر آئی۔

مائیک رسولاں بی بی کے منہ کے قریب تھا۔

یہ پہلے والی رسولاں بی بی ہی تھی لیکن وہ بلک رہی تھی، رو رہی تھی۔

"میں سسر کا حال احوال پوچھنے آئی وہ نہ بچ سکا تو میرا میاں بھی دو ماہ کے بعد مر گیا، میں عدت میں تھی کہ پانی کا سمندر میرے وطن میں آگیا پانی بپھرا ہوا تھا اس نے میری چھوٹی بچی کو نگل لیا، رود کوہی ڈوب گیا میرا وطن ڈوب گیا میرا مال ڈوب گیا میری مدد کو کوئی نہ آیا میری آبادی ڈوب گیا۔" وہ بولی۔

"یہ پانی نہیں ہے خدا کا قہر ہے آج ہمیں ڈبونے آیا کل اس بستی کو ہمارے اتھرو کا پانی ڈبوئے گا جو لوگ آرام سکون سے گھروں میں فلمیں دیکھتے ہیں جو ہمارے ڈوبنے پر بھی نہیں گھروں سے نکلے اب دوسرا سیلاب ہمارے اتھروؤں (آنسوؤں) سے آئے گا تم دیکھنا سارے پیسے والوں کو ڈبوئے گا تم دیکھنا ہمارے اتھرو (آنسو) ان بے حسوں کو کیسے برباد کریں گے جنہوں نے ہماری بھوک پر ہمیں نوالہ نہیں دیا جو اپنی دعوتیں اڑا رہے ہیں عیش کر رہے ہیں۔ ہم تو شاید بچ جائیں پر ہمارے اتھرو کا سیلاب تم سب کو نگل جائے گا لیکن اس وقت تم دیکھنا ہم پتھر نہیں بنیں گے ہم ان کے اتھرو پونچھیں گے۔ ہم ان کو سینے سے لگائیں گے۔" سدا نیچی نظریں کیے رہنے والی رسولاں کے دیدے پھٹنے والے تھے اس کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پوری کی پوری کھلی ہوئی تھیں اور وہ بولے جارہی تھی بولے جارہی تھی ہمیشہ سے ہاں یا نہ میں جواب دینے والی کے تالو کا ٹانکا ٹوٹ چکا تھا اور رسولاں شوہر، بیٹی اور باپ کی موت اور گھربار کی تباہی پر ہوش میں نہیں تھی، بس بولے جارہی تھی اور ریسکیو ٹیم گم صم بنی سن رہی تھی کیا کہتی کیا کہہ کر صبر کی تلقین کرتی جس کی جوان بچی اور بوڑھے باپ کو پانی کے بپھرے ریلے نے اس کی آنکھوں کے سامنے نگل لیا ہو۔ اسے صبر کی کوئی کیسے تلقین بھی کرسکتا ہے۔

❁❁❁

تمناؤں کی خوشبو

سلمیٰ غزل

کلفٹن سے واپس آتے، آتے رات کے دس بج گئے تھے۔ ٹریفک کا اژدھام، چیختی چنگھاڑتی بسیں اور قدم، قدم پر ایکسیڈنٹ وہ بھی زیادہ تر بائیکوں کے۔ طلحہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائے۔ کس قدر ترقی یافتہ کام ہوئے ہیں قدم، قدم پر فلائی اوور ترقی یافتہ ممالک کی نقل میں کافی آگے جا کر یوٹرن...... غلطی سے ٹرن چھوڑ کر آگے نکل جاؤ اور پھر مزا بھگتو اور لمبا چکر کاٹ کر واپس آؤ...... ہر شخص لگتا ہے مقابلے کی دوڑ میں شریک ہے بس بھاگے جارہا ہے۔ حالات کا مارا...... جو نادیدہ عفریت سے پریشان ہوا بھاگ رہا ہے اندھا دھند۔ پتا نہیں خوف سے یا حالات سے۔ طلحہ کو اپنی سوچ پر ہنسی آگئی وہ خود بھی تو اس رفتار بے ڈھنگی

کا حصہ تھا۔ اپنی سفید ہنڈا سوک پورچ میں کھڑی کر کے وہ شرفو بابا کو ہدایت دیتا ہوا اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''اماں کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' اس نے بڑھ کر ماں کی پیشانی چومی تو اس درجہ محبت پر ان کے دل میں گداز سا پیدا ہو گیا۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں مگر تمہیں کافی دیر ہو گئی، تھکے ہوئے بھی لگ رہے ہو۔'' انہوں نے شفقت سے استفسار کیا۔

''بس اماں آج کل کام کا بوجھ زیادہ ہے اور ہر قدم پر ٹریفک جام... گاڑی چلا، چلا کر تھک جاتا ہوں...''

''بیٹا میں تو کب سے کہہ رہی ہوں ڈرائیور رکھ لو، تمہیں آرام مل جائے گا اور مجھے بھی آنے جانے کی آسانی ہو جائے گی۔''

''کوئی اچھا، ماہر اور ایماندار ڈرائیور ملتا بھی تو نہیں اور یہ ڈرائیور کس مرض کی دوا ہے آپ حکم تو کریں...'' وہ ان کے آگے جھکتے ہوئے شرارت سے بولا۔

''جیتے رہو، خوش رہو لیکن میرے بچے کب تک خود کو میرا پابند رکھو گے۔ پہلے ہی مجھے احساس ہے تم اپنے بابا کی وجہ سے سب کچھ چھوڑ کر میرے پاس آ گئے ہو، تمہارے بابا اگر اللہ کے پاس چلے نہ جاتے تو اپنے دونوں بھائیوں کی طرح تم بھی امریکا میں آرام سے رہتے۔'' انہوں نے افسردگی سے کہا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں، اللہ بابا کو جنت میں اعلیٰ مقام دے میں تو بس citizen ship کا انتظار کر رہا تھا ورنہ ان کی زندگی میں ہی پاکستان آ جاتا۔ دونوں بھائیوں کی تو فیملی ہے، میں چھڑا چھانٹ مجھے آنے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا کاش بابا زندہ ہوتے تو مجھے یہاں دیکھ کر کتنا خوش ہوتے اور پھر آپ کو اکیلا تو نہیں چھوڑا جا سکتا تھا ناں کسی کو تو آپ کے پاس آنا ہی تھا۔ اچھا خیر یہ سب چھوڑیں بتایئے آپ نے کھانا کھایا؟''

''بس تم چینج کر کے آؤ پھر ساتھ کھاتے ہیں؟''

''اماں آپ کو کتنی مرتبہ سمجھایا ہے میرا انتظار مت کیا کریں، آپ شوگر کی پیشنٹ ہیں اور اتنی دیر بھوکا رہنا آپ کے لیے ٹھیک نہیں...'' وہ بگڑ کر بولا۔

''اچھا زیادہ بک، بک مت کر وہ شرفو سے کہو کھانا لگا دے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

☆☆☆

بیگم فرحان کے تین بیٹے تھے، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور فرمانبردار مگر جب موقع ملا تو امریکا سیٹل ہو گئے۔ شادی اگرچہ پاکستان آ کر کی مگر پھر امریکا کے ہی ہو کر رہ گئے۔ طلحہ سب سے چھوٹا اور ماں، باپ کا لاڈلا تھا۔ باپ کے بے حد اصرار پر پڑھنے اس شرط پر چلا گیا کہ واپس پاکستان ہی آئے گا گرین کارڈ کے بعد شہریت بھی مل گئی ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ بابا نے رختِ سفر باندھ لیا۔ اب ماں کو اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا بھائیوں نے بھی دل سے اس کے فیصلے کو سراہا۔ پاکستان آ کر اسے قدم جمانے میں مشکل نہیں ہوئی کہ بابا جما جمایا کاروبار چھوڑ کر گئے تھے۔ اماں کی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اب شادی کر کے اپنا گھر بسا لے مگر اس کا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اماں سونے چلی گئیں تو وہ چائے کا کپ لیے گیلری میں آ گیا۔ سامنے والے بنگلے میں غالباً آج کوئی تقریب تھی ہر طرف رنگ برنگے آنچل لہرا رہے تھے فضا میں ہنسی کے جلترنگ ارتعاش پیدا کر رہے تھے کہ اچانک لائٹ چلی گئی اور شور میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ جنریٹر آن ہونے تک کوئی اندر سے کینڈل لے کر باہر نکلا خاموشی اور سکون ایک دم ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو گئے۔ موم بتی کی مدھم مدھم روشنی میں وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ ہولے ہولے قدم اٹھاتی، پانی پر تیرتی ہوئی مچھلی کی طرح نرم نازک سفید کپڑوں میں ملبوس، سادہ اور پُرکشش سادگی میں بھی پُرکاری، موم بتی کی روشنی میں معصوم اور مکمل حسن نمایاں ہو رہا تھا۔ عجیب خوابناک سا ماحول تھا اور طلحہ پر تو جیسے سحر طاری ہو گیا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے ہی دیکھ رہا تھا ہر طرف موبائل کی روشنیاں نظر

آ رہی تھی۔ گو اس کے خدوخال اتنے نمایاں نہیں تھے لیکن اس ہلکی روشنی نے اسے ماورائی حسن عطا کر دیا تھا۔ اچانک لائٹ آ گئی اور جیسے مُردوں میں جان پڑ گئی ہو شور و غوغاں سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا مگر اس ہجوم میں وہ اپسرا اب کہیں نہیں تھی، ایک دم طلحہ کا دل اچاٹ ہو گیا اور وہ اندر لوٹ آیا۔

☆☆☆

دوسری صبح اس نے کمرے میں جھانکا تو اماں نماز اور اذکار کے بعد حسبِ معمول سو گئی تھیں، وہ جوگنگ کے لیے گھر سے باہر نکل آیا۔ ہر طرف مدھم سا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ اسکول کی بسیں تیزی سے رواں دواں تھیں اور کچھ لوگ نماز پڑھ کر واپس آ رہے تھے.... غیرارادی طور پر اس کی نگاہ سامنے کی طرف اٹھ گئی رات والی لڑکی اسکارف باندھے پارک میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ پہچان گیا تھا۔ اس کے قدم بے اختیار رک گئے جونہی وہ قریب آئی وہ مخاطب کر بیٹھا۔

''سنیے......!''

''جی......؟'' اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''معاف کیجیے میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا دراصل ہمارا گھر آپ کے گھر کے سامنے ہے غالباً کل وہاں کوئی تقریب تھی بڑا ہنگامہ اور شور تھا......آپ غالباً اسی گھر میں رہتی ہیں ناں......''

''جی......'' جواب بڑا مختصر تھا۔

''میں کیا آپ سے آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟'' طلحہ نے اشتیاق سے پوچھا اور اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

''معاف کیجیے گا، میں اجنبی لوگوں سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوتی۔'' وہ بے رخی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی اور طلحہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا کس قدر نازیبا اور چھچھوری حرکت کی تھی اس نے۔

''تم نے تو ٹین ایجرز کو بھی مات کر دیا۔'' اس نے خود کو لتاڑا اور شرمندہ، شرمندہ سا گھر لوٹ آیا۔ شاید امریکا میں رہنے کی وجہ سے یہاں کے طور طریقے بھول گیا تھا۔

☆☆☆

''ذرا میرے ساتھ سامنے والے گھر میں چلو'' اتفاق سے دوسرے دن اماں نے اسے پکڑ لیا۔

''خیریت اماں......؟'' وہ اشتیاق چھپاتے ہوئے سادگی سے بولا۔ ''بھئی سامنے کا گھر کافی عرصے سے خالی پڑا تھا۔ اب نئے لوگ آئے ہیں، ہمارا فرض بنتا ہے اور حقِ ہمسائیگی بھی ہے، ہو سکتا ہے کسی چیز کی ضرورت ہو تم ساتھ چلو اکیلی جاتی کیا اچھی لگوں گی۔''

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں... طلحہ کی تو باچھیں کھل گئیں......خوشی، خوشی ماں کے ہمراہ ہو لیا۔ ویسے بھی اتوار کی وجہ سے چھٹی تھی۔ سب بڑے تپاک سے ملے لیکن وہ دشمنِ جاں جس کی خاطر وہ آیا تھا جانے کہاں چھپی تھی...... تب ہی اس کا ہم عمر نوجوان ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور دونوں کی بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ یہ طلحہ کا بچپن کا دوست، ڈاکٹر عامر تھا انٹر تک اس کا ہم جماعت پھر دونوں کی فیلڈ جدا ہو گئی۔

''یار تو کراچی کب شفٹ ہوا......؟'' طلحہ نے پوچھا۔

''بس جب امریکا سے فیلوشپ کر لی تو ہم سب ہی کراچی آ گئے کیونکہ ہم سب کے پاس سٹیزن شپ تھی اس لیے میرے ساتھ ہی امریکا چلے گئے تھے سوائے ابو کے اور اب بس ایک اسپتال میں کام کر رہا ہوں......''

''بیٹا عائزہ سے کہو چائے تو لائے......'' عامر کی امی نے آواز لگائی تو طلحہ کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہا کہ یہ وہی لڑکی تھی۔

''چینی کتنی لیں گے؟'' اس نے سادگی سے پوچھا اس کی نگاہوں میں شناسائی کی معمولی سی رمق بھی نہیں تھی۔

''میں چائے نہیں پیتا۔'' طلحہ کے لہجے میں اجنبیت در آئی تو اماں چپ نہ رہ سکیں۔

''اے لو باؤلے پن کی حد ہو گئی، میں تو کہتی ہوں میرے تینوں بچوں کی رگوں میں خون کے بجائے چائے یا کافی دوڑ رہی ہے اور خاص طور پر چھٹی والے دن تو میں طلحہ کی منت، منت پر چائے پینے کی عادت سے تنگ ہوں اور آج یہ کہہ رہا ہے کہ چائے نہیں پیتا۔'' بھری محفل میں جو اماں نے بھانڈا پھوڑا تو طلحہ کھسیانا ہو گیا اور عائزہ

کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆☆☆

پھر کافی دن بعد اس کی پارک میں عائزہ سے ملاقات ہونے لگی وہ بے حد ریزرو طبیعت کی نا معلوم طبع لڑکی تھی صرف سلام دعا سے آگے کبھی بات نہیں بڑھی۔ اسے دیکھنے کے چکر میں اب طلحہ نے بھی روز پارک آنا شروع کر دیا تھا۔ پتا نہیں اس کی شخصیت میں کیا سحر تھا کہ طلحہ روز بروز اس میں جکڑتا جا رہا تھا۔ دو دن پارک نہیں آئی تو طلحہ کی بے چینی حد سے سوا ہو گئی۔ کس سے پتا کرے کہ کیا مسئلہ ہو گیا...؟ پھر اسے عامر کا خیال آیا اور وہ واپسی پر سیدھا ان کے گھر چلا گیا۔ دروازہ عائزہ نے ہی کھولا۔

''آپ دو دن سے پارک کیوں نہیں آ رہی تھیں؟'' وہ بے تابی کے ساتھ بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

عائزہ نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا ان نگاہوں میں بلا کا کرب تھا، تکلیف اور دکھوں کی ایک کہانی شاید وہ روتی رہی تھی وہ جواب دیے بغیر واپس ہو لی۔ اندر سے عامر کی امی کی چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''کہاں مر گئی عائزہ جہاں جاتی ہے وہیں بیٹھ جاتی ہے کون ہے دروازے پر۔'' طلحہ کا دل چاہ رہا تھا واپس پلٹ جائے مگر اب یہ ممکن نہیں تھا جونہی وہ اندر داخل ہوا عامر کی امی نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔

''ارے بیٹا کیسے راستہ بھول گئے، میں نے تو عامر سے بھی کئی مرتبہ پوچھا۔'' پھر انہوں نے زور سے آواز لگائی۔

''عائزہ چائے بنا کر لاؤ اور شزا کو یہاں بھیجو.... بس عامر راستے میں ہے، پہنچنے ہی والا ہے۔''

یہ طلحہ کی شزا سے پہلی ملاقات تھی خوش شکل، تھوڑی فربہ اور لاابالی سی عامر کی چھوٹی بہن، طلحہ کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زبردستی بیٹھی ہو جب بھی وہ اٹھنے کا ارادہ کرتی امی جبراً بٹھا لیتیں اور اس کی تعریفوں کے پل باندھنے لگتیں، ان کی ہر بات شزا سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو رہی تھی جو بھی عائزہ چائے لائی وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

''عائزہ پلیز تم سب کو چائے دو، مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا۔'' وہ چھپانے سے باہر نکل گئی اور اسی وقت عامر بھی آ گیا اور طلحہ سے ملنے کے بعد عائزہ سے مخاطب ہوا۔

''عائزہ میں تمہارے لیے ایڈمیشن فارم لے آیا ہوں، کل میرے ساتھ چلنا فارم اور فیس جمع کرا دیں گے اور تم یونیورسٹی بھی دیکھ لینا۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے....'' اس کی امی کو غصہ آ گیا۔ ''ہم نے عائزہ کو سر چھپانے کا ٹھکانا دیا ہے پڑھائی کا ٹھیکا نہیں لیا۔ بی ایس سی کر لیا اب آگے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ بدلحاظی سے بولے گئیں۔

''امی، عائزہ بہت برلیئنٹ اسٹوڈنٹ ہے۔ بی ایس سی میں اس نے ٹاپ کیا تھا بابا نے بتایا تھا کہ تھرو آؤٹ گولڈ میڈلسٹ ہے۔ آخر اس کے آگے پڑھنے سے آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔'' عامر کو غصہ آ گیا۔ طلحہ کو اپنی پوزیشن بڑی آکورڈ لگ رہی تھی اور عائزہ کی شکل بھی رونے جیسی ہو گئی تھی۔

''عامر بھائی مجھے آگے نہیں پڑھنا.... میرا اب دل نہیں لگتا آپ کا شکریہ آپ نے اتنا خیال کیا....'' اس نے فارم واپس کر دیا۔

''اب یہ معصومیت کا ڈراما کہیں اور جا کر کرنا پہلے عامر کو اکسایا اب ننھی کاکی بن رہی ہو....'' امی گرج کر بولیں تو طلحہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اس کے لیے بیٹھنا مشکل تھا۔ عامر اسے باہر تک چھوڑنے آیا مگر شرمندگی سے گویا ہوا۔

''معاف کرنا یار اس وقت امی کے رویے کی وجہ سے میں تم سے بہت شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ پھر کسی وقت فرصت سے ملیں گے۔'' طلحہ جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

پھر دو، تین دن بعد جب اس کی ملاقات پارک میں طلحہ سے ہوئی تو وہ خود ہی اپنے بارے میں بتانے

بیٹھ گئی۔ شاید اسے بھی کسی اچھے سامع کی ضرورت تھی جس کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکے۔ وہ عامر کے ابو ریٹائرڈ بریگیڈیر اشفاق کے دوست پروفیسر حمدان کی بیٹی تھی۔ دونوں بچپن کے دوست تھے۔ اسی کالج میں بریگیڈیر اشفاق کی سالی بھی پڑھتی تھی جو پروفیسر حمدان کے پیچھے پاگل تھی۔ بریگیڈیر اشفاق کی بیوی فرزانہ کو اپنی بہن فرزانہ کی چاہت کا علم تھا انہوں نے اپنے شوہر کے ذریعے اپنی بہن کا رشتہ حمدان کے لیے بھیجا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ وہ اپنی کزن سے منسوب ہیں جو ایک اوسط درجے کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ جبکہ فرزانہ کا تعلق ایک بہت ہی باثر اور متمول فیملی سے تھا جہاں اس انکار نے فرزانہ کو دکھ پہنچایا وہیں دردانہ کے بھی تن بدن میں آگ لگ گئی ان کو اپنی حیثیت اور دولت پر بڑا غرور تھا جو حمدان کے انکار نے خاک میں ملا دیا۔ اس شخص کا تو کوئی علاج ہی نہیں.... پھر شوہر کا عہدہ بھی سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ فرزانہ کی شادی بھی ہو گئی مگر وہ پروفیسر حمدان سے نفرت دل سے نہ نکال سکیں۔ فوج میں ہونے کی وجہ سے ان کی اب پروفیسر حمدان سے ملاقات کم ہی ہوتی تھی لیکن دوستی کی جڑیں بہت مضبوط تھیں۔ بچے، جوان اور وہ خود بوڑھے ریٹائرڈ ہو گئے تھے۔ تب ایک دن پروفیسر حمدان کا فون اشفاق صاحب کے پاس آیا۔ ایک ہفتے بعد جب وہ لاہور سے واپس آئے تو پروفیسر حمدان کی بیٹی عائزہ ان کے ساتھ تھی۔ عائزہ کی امی کا انتقال دس سال پہلے ہو چکا تھا اور اکلوتی بیٹی کی محبت میں انہوں نے دوسری شادی نہیں کی تھی مگر دو سال پہلے بیمار پڑنے پر انہیں جگر کا کینسر تشخیص ہوا جو اب آخری اسٹیج پر تھا۔ وہ پریشان تھے کہ ان کے بعد ان کی بیٹی کا کیا بنے گا اس جنگل میں۔ وہ تنہا کیسے رہے گی جبکہ کوئی ایسا قریبی رشتے دار بھی نہیں جس پر بھروسا کیا جا سکے۔ پھر انہیں اپنے دوست اشفاق کا خیال آیا جن کی دوستی آج بھی بے مثال تھی اور خلوص و محبت، شک سے مبرا..... انہوں نے عائزہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی

تنبیہ

لڑکی: فون پر کیا آپ کنوارے ہیں؟

آدمی: جی ہاں.... مگر آپ کون؟

لڑکی: تمہاری بیوی.... آج گھر آؤ پھر بتاتی ہوں۔

دوسری کال.... نئے نمبر سے

لڑکی: آپ شادی شدہ ہو؟

آدمی: جی ہاں.... مگر آپ کون؟

لڑکی: تمہاری گرل فرینڈ.... تم جھوٹے دغاباز ہو....

آدمی: سوری جان..... میں سمجھا میری بیوی ہے۔

لڑکی: بیوی ہی ہوں.... آج تو بس گھر آؤ......

از: ناہید نعیم، ملتان

کہاوتیں

☆ زندگی صرف ایک نسل کے لیے ہوتی ہے اور اچھا نام ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے۔

☆ کامیابی وہ سیڑھی ہے جس پر جیبوں میں ہاتھ ڈال کر نہیں چڑھا جا سکتا۔

☆ ذہن ایک پیراشوٹ کی طرح ہوتا ہے اس کو جتنا کھولیں گے یہ اتنا ہی کام سرانجام دے گا۔

مرسلہ: نسیمہ رسول بلوچ، ہالا ڈوکی

درخواست کی اور ساتھ یہ بھی التجا کی کہ اگر عامر کی رضا شامل ہو تو عائزہ کی شادی اس سے کر دی جائے ورنہ کوئی بھی مناسب اور معقول رشتہ دیکھ کر اسے عزت اور احترام سے رخصت کر دیا جائے۔ پھر انہوں نے ریٹائرمنٹ پر جو سرمایہ ملا تھا سب اپنے دوست کے حوالے کر دیا۔ وہ شاید اپنے دوست کی آمد کا ہی انتظار کر رہے تھے، ان کے آنے کے چار دن بعد انہوں نے موت کو گلے لگا لیا تھا۔ مکان عائزہ کے نام تھا انہوں نے وہ کرایے پر دے دیا اور کراچی آتے ہی سب سے پہلے عائزہ کے نام اکاؤنٹ کھولا جہاں اس کے نام پر فکس ڈپازٹ کر دیا۔ گھر کا کرایہ بھی ہر ماہ اسی اکاؤنٹ میں آتا تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے عائزہ کو یہ سب کسی کو

بھی بتانے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔
''پھر تو آپ کو ضرور پڑھنا چاہیے آپ کسی پر بوجھ تو نہیں ''طلحہ نے خلوص سے مشورہ دیا۔
''مسئلہ کچھ اور ہے '' وہ جھجکتے ہوئے بولی۔
''اول تو پروفیسر حمدان کی بیٹی ہونا میرا بہت بڑا جرم ہے اور دوسرے انکل کی خواہش ہے کہ میری شادی عامر بھائی سے ہو اس وجہ سے آنٹی مجھ سے سخت نفرت کرنے لگی ہیں۔ خاص طور پر عامر بھائی والی بات '' وہ بھرائی ہوئے آواز میں بولی۔
''کیا عامر آپ کو پسند کرتا ہے اور خود آپ؟'' طلحہ نے دھڑکتے دل سے سوال کیا۔
''نہیں نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے، عامر بھائی مجھے بتا چکے ہیں کہ وہ اپنی کولیگ ڈاکٹر ہانیہ کو پسند کرتے ہیں اور جلدی ہی اپنے والدین کو بتانے والے ہیں۔ میرے لیے تو وہ بھائیوں کی طرح ہیں۔''
''شکر الحمد للہ '' طلحہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا تو عائزہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔
''میرا مطلب ہے اللہ کا شکر کہ اللہ نے آپ کی مشکل خود ہی آسان کر دی۔'' وہ گھبرا کر بولا۔
''ایک اور اہم بات '' اس کے لہجے میں شوخی تھی۔
''شمزا کے لیے آنٹی آپ کو پسند کر چکی ہیں جس کے لیے انکل اور عامر بھائی بھی راضی ہیں۔''
''دماغ خراب نہیں ہو گیا ان سب کا ... وہ مجھے پسند کرنے والے ہوتے کون ہیں، میری رائے اور میری مرضی کی کوئی حیثیت نہیں اور میں کیا کوئی لاوارث ہوں کہ جس کی مرضی آئے جو چاہے فیصلہ کرے.....'' طلحہ کو ایک دم غصہ آ گیا۔

''دیکھیے طلحہ صاحب اگر آپ راضی ہو گئے تو شاید آنٹی کا غصہ مجھ پر سے کم ہو جائے ویسے بھی شمزا بہت اچھی لڑکی ہے، آنٹی سے بالکل مختلف، اکلوتی بیٹی ہے آنٹی نے اس کے نام سے ڈیفنس میں گھر بھی لے رکھا ہے جس سے بھی شادی ہوگی، وہ اپنی قسمت پر رشک کرے گا پھر آپ کیوں نہیں '' عائزہ نے خلوص سے مشورہ دیا تو طلحہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
''اپنا مشورہ اپنے پاس رکھیں، آپ کو کیا پتا میں کسی لڑکی کو پسند کرتا ہوں تو '' طلحہ نے بے رخی سے کہا تو عائزہ شپٹا گئی۔
''معاف کیجیے گا میں کچھ زیادہ ہی بول گئی، میری دعا ہے کہ آپ کو آپ کی پسند کی لڑکی ضرور ملے، میری باتوں سے ناراض مت ہو یئے گا اور پلیز یہ سب اپنے تک ہی محدود رکھیے گا۔''
''اس کا مطلب آپ ڈرتی ہیں کہ میں کسی کو بتا دوں ....؟'' طلحہ نے مسکرا کر پوچھا تو عائزہ اکڑ کر بولی۔
''ڈرتی تو میں صرف اللہ سے ہوں مگر مجھے آپ پر پورا بھروسا ہے کیونکہ آپ ایک اچھے انسان ہیں۔'' عائزہ نے جس طرح اس پر اعتماد کا اظہار کیا تھا طلحہ کی روح تک سرشار ہو گئی۔
''شکریہ عائزہ اس اعتماد کا..... آپ نے مجھ پر بھروسا کر کے کوئی غلطی نہیں کی اب میرا ایک مشورہ بھی مان لیں، یونیورسٹی میں داخلہ لے لیں آدھے سے زیادہ دن سکون میں گزر جائے گا۔ دوسرے یہ کہ آنٹی کی باتیں اس ... کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا کریں آخر یہ دوسرا کان ہوتا کس لیے ہے؟'' طلحہ کی بات پر عائزہ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

☆☆☆

بہر حال اس کا ایڈمیشن ہو چکا تھا اور عائزہ کا آدھا دن بڑے سکون سے یونیورسٹی میں گزرنے لگا۔ طلحہ کی امی وقتاً فوقتاً آتی رہتی تھیں، انہیں عائزہ سے ہمدردی کے ساتھ محبت بھی تھی ... یہ سادہ اور معصوم لڑکی انہیں بے حد پسند آئی تھی جو ذردانہ کو بری طرح کھٹکتا تھا۔ جب سے طلحہ نے شمزا سے متعلق ان کی نیت کے بارے میں سنا تھا اس نے بالکل وہاں جانا چھوڑ دیا تھا مگر طلحہ کی امی کے آگے وہ بھی پہنچی جاتی تھیں آخر ایک دن انہوں نے خود ہی شمزا کے رشتے کی پیش کش کر دی۔
''بہن شمزا میری اکلوتی بیٹی ہے سب کچھ دونوں بہنیں بھائیوں کا ہے۔ مجھے آپ کا بیٹا طلحہ بہت پسند ہے وہ چاہتی تو اور رشتے داری میں بدل دیں '' پہلے تو طلحہ کی امی سن کر سنانے میں آ گئیں جیسے ان پر سکتہ طاری ہو گیا ہو پھر شائستگی سے بولیں۔
''بہن شمزا بہت اچھی لڑکی ہے خوش نصیب ہو گا وہ گھرانا جہاں وہ بیاہ کر جائے گی مگر میں معذرت خواہ ہوں۔ میرا بیٹا کسی اور کو پسند کرتا ہے؟'' ذردانہ تلملا کر رہ گئیں۔
''کون ہے وہ لڑکی ..؟'' انہوں نے غصہ دباتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔
''نہ میں نے پوچھا نہ اس نے بتایا کیونکہ فی الحال اس کا شادی کا کوئی ارادہ نہیں جب وقت آئے گا تو پوچھ لوں گی، آپ بتائیے عامر کی شادی آپ کب کر رہی ہیں؟''
''میں تو آج کر دوں اس کی پسند سے۔'' وہ منہ بنا کر بولیں۔
''مگر اس کے ابا اس کلموہی عائزہ کو بہو بنانے پر تلے ہیں جو میری زندگی میں تو ناممکن ہے۔ بھلا بتاؤ جو لڑکی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی اسے بہو بنالوں لیکن بہت جلد میں عائزہ کی شادی اپنے ایک دور پار کے بھتیجے سے کر دوں گی تا کہ عامر کے ابا اسے بہو بنانے کا خیال دل سے نکال دیں۔ اسے لوکیا دنیا بھر کے یتیموں کا ٹھیکا صرف میں نے لیا ہوا ہے یہ کافی نہیں کہ عزت سے اس گھر میں رہ رہی ہے اور خرچہ بھی ہم اٹھاتے ہیں۔ رضوان میرا رشتے کا بھتیجا KE میں ملازم ہے، تنخواہ کے علاوہ اوپر کی آمدنی بھی ہے، عیش سے رہے گی۔'' طلحہ کی امی کے تو جیسے پیروں تلے زمین نکل گئی وہ رضوان سے مل چکی تھیں معمولی شکل کا اوباش سا لڑکا جو منہ میں پان دبائے زیادہ تر گلیوں میں پایا جاتا تھا۔ سفارش سے نوکری تو ہو گئی تھی مگر جاتا بہت کم تھا۔

☆☆☆

دوسرے دن پارک میں طلحہ کو عائزہ کو چھیڑنے کا موقع مل گیا۔
''سنا ہے آپ بہت اونچی اڑان بھرنے والی ہیں.....'' اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

''میں نہیں نہیں...'' وہ حیرانی سے بولی۔
''امی بتا رہی تھیں آنٹی اپنے بھتیجے رضوان سے آپ کی شادی کی تیاری کر رہی ہیں '' یہ سن کر عائزہ کا چہرہ فق ہو گیا۔
''سن تو میں بھی رہی ہوں مگر سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں، عامر بھائی کسی کام سے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں ورنہ ان پر مجھے بہنوں والا مان ہے شمزا کی اپنی مصروفیات ہیں اور انکل کو تو شاید پتا ہی نہیں اس سب کا... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں.....''
''میں کچھ مدد کروں آپ کی.....؟'' طلحہ جلدی سے بولا۔
''آپ کیا کریں گے، کیا کر سکتے ہیں شمزا سے شادی سے انکار کی وجہ سے ویسے ہی آنٹی آپ سے خار کھانے لگی ہیں، وہ تو شکر ہے کہ وہ آپ کی اور میری ملاقات سے لاعلم ہیں ورنہ شاید پارک آنے پر بھی پابندی لگ جاتی.....'' عائزہ بے حد مایوس دکھائی دے رہی تھی اور طلحہ کو بے چینی ہونے لگی۔
''آپ بالغ، پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہیں آپ کا شرعی حق ہے کہ رشتے سے صاف انکار کر دیں.....'' وہ جلدی سے بولا۔
''کیسے کر سکتی ہوں، باپ نہ بھائی نہ کوئی والی وارث بے یارو مددگار ان کے گھر کی روٹیاں توڑ رہی ہوں، انکار کرنے کی ہمت کہاں سے لاؤں.....'' وہ آنسو چھپاتے ہوئے کھڑی ہو گئی اور گھر کی راہ لی۔

☆☆☆

پھر اچانک عائزہ نے سنا طلحہ اپنی امی کو لے کر امریکا چلا گیا اسے دکھ ہوا۔ آنٹی کتنا اس سے پیار کرتی تھیں اور طلحہ بھی ہمدرد اور مخلص لگتا تھا۔ وہ اسے دکھی کر گیا تھا پھر اس نے خود کو تسلی دی اور پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔ یونیورسٹی میں وقت اچھا گزرتا تھا پھر گھر آ کر آنٹی کی باتیں اتنی گراں نہیں گزرتی تھیں۔ اس نے طلحہ کی باتوں پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ رات بے چینی کے ساتھ کروٹیں بدلتے، بدلتے گزر جاتی اور

تکیہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔ وہ روز بروز زود رنج ہوتی جا رہی تھی۔ اِدھر رضوان کی آمد اور اس کی غلیظ نظریں تیر کی طرح دل میں چبھتی تھیں۔ پھر اس نے سنا شزا کے لیے ایک اچھا رشتہ آیا ہے جس میں شزا کی پسند بھی شامل ہے انکل بھی ڈاکٹر ہانیہ کے لیے راضی ہوگئے تھے ..... اس لیے آنٹی کا رویّہ بھی عائزہ کے ساتھ کچھ بہتر ہوگیا تھا۔ عائزہ ان کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہی تھی اور عامر کی شادی سے اس سے جان چھوٹنے والی تھی پھر رضوان تو تھا ہی ان کے ساتھ عائزہ نے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی تھی کہ اللہ اس کے ساتھ ہے تو اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہوگا۔ اس نے خود پر بے حسی کا خول چڑھا لیا تھا دُردانہ بیگم کی تو وہی مثال تھی چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ وہ وقتاً فوقتاً اس کے کانوں میں زہر اگلتی رہتیں۔

''میں نے رضوان سے تمہاری شادی کا فیصلہ کرلیا ہے اس لیے اپنے انکل کے سامنے زیادہ ستی ساوتری اور معصوم بننے کی کوشش نہ کرنا، تم جیسی لڑکیوں کو یہ رشتہ بھی مل رہا ہے تو غنیمت سمجھو......''

''تم جیسی سے کیا مطلب ہے آپ کا......؟''
عائزہ برداشت نہ کرسکی۔

''ہاں تو جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو لاوارث، بے یارو مددگار، کون پوچھتا ہے ایسی لڑکیوں کو...... آج کل تو اچھی شکل صورت، پڑھی لکھی اور اچھے خاندان کی لڑکیاں گھر کی دہلیز پر بوڑھی ہو رہی ہیں...... تم تو بی بی خوش نصیب ہو جو گھر بیٹھے اتنا اچھا رشتہ مل رہا ہے، یاد کرو گی اور دعائیں دو گی مجھے......'' انہوں نے تن کر کہا تو عائزہ سے آنسو ضبط کرنا مشکل ہوگیا اور وہ کمرے میں آکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆
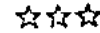
آج کل گھر کا ماحول بڑا پُراسرار سا ہوگیا تھا آنٹی کی غیر موجودگی میں وہ تینوں کمرا بند کرکے بیٹھ جاتے اگر غلطی سے عائزہ کمرے میں چلی جائے تو سب کو سانپ سونگھ جاتا تھا۔ آج کل دُردانہ لاہور جانے کی تیاری میں تھیں ان کی کسی دوست کی بیٹی کی شادی تھی اور عائزہ کی اکیلے پن کے احساس سے راتوں کی نیند اڑ گئی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ آنٹی کی غیر موجودگی میں انکل کو رضوان کے بارے میں ضرور بتائے گی لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ آنٹی گھر میں نہیں تھیں جب انکل نے اسے اپنے کمرے میں بلایا اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا، عائزہ کی جان پر بن آئی۔

''بٹیا، میں ایک ہفتے کے لیے دبئی جا رہا ہوں تم میرے ساتھ چلو گی......''

''انکل میں......!'' عائزہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''کیوں کیا مجھ پر بھروسا نہیں ویسے عامر اور شزا بھی ہمراہ ہوں گے۔''

''لیکن آنٹی کیا کہیں گی......؟'' وہ گھبرا کر بولی۔

''کچھ نہیں کہیں گی، وہ دس دن کے لیے اپنی دوست کی بیٹی کی شادی میں لاہور جا رہی ہیں، تم تیاری کرلو، ان دونوں کے ساتھ تم بھی شادی کی شاپنگ کرلینا......'' عائزہ کی جان میں جان آگئی۔ ان دونوں بہن، بھائیوں کی شادی بھی تو ہونے والی تھی۔ وہ خوشی خوشی تیاری میں لگ گئی۔

☆☆☆

دُردانہ، لاہور روانہ ہوئیں اور اگلے دن گھر لاک کرکے چوکیدار کو سمجھا کر باقی سب دبئی چلے گئے۔

دو دن تو شاپنگ اور گھومنے پھرنے میں نکل گئے پھر تیسرے دن صبح، صبح عامر اور شزا کی موجودگی میں انکل نے دھماکا کردیا۔

''بیٹا کل ہم تمہاری منگنی کررہے ہیں۔'' عائزہ کو لگا اس سے کچھ سننے میں غلطی ہوئی ہے لیکن جب شزا اور عامر نے بھی تصدیق کی تو اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔ انکل اس کے ساتھ ایسا کیسے کرسکتے ہیں سارے احسانوں کا بدلہ ایک جھٹکے میں لے لیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کہیں بھاگ جائے لیکن کہاں، عامر اور شزا سے پوچھنا چاہا تو انہوں نے لال جھنڈی دکھا دی۔ ایک مرتبہ پھر اسے طلحہ شدت سے یاد آیا۔ کاش وہ ہوتا تو کچھ مدد کردیتا پتا نہیں اس کی قسمت میں کیا لکھا تھا۔ پوری رات اس کی روتے ہوئے گزر گئی ..... دوسرے دن اس کے منع کرنے کے باوجود شزا نے اسے اچھی طرح تیار کیا اور پھر اسے چھوٹے سے ہال میں لاکر بٹھا دیا جہاں منگنی کا اہتمام کیا گیا تھا وہ خود میں اتنی گم صم تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کون اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

''بیٹا عائزہ ہاتھ آگے بڑھاؤ......'' انکل کی آواز پر اس نے نظر اٹھائی اور اپنے بائیں جانب دیکھا تو...... بے ساختہ چیخ ہی نکل گئی۔ طلحہ اس کا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی پہنا رہا تھا جب انکل کی دی ہوئی انگوٹھی اس نے طلحہ کو پہنائی تو وہ شرارت سے بولا۔

''کیسا رہا سرپرائز...... تم یقیناً ناراض ہوگی لیکن ذرا تقریب ختم ہوجائے تو پھر تفصیل بتاؤں گا......''

''یہ فاؤل ہے طلحہ بھائی ابھی صرف منگنی ہوئی ہے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں......'' ایک دم شزا بولی۔ پھر طلحہ کی امی نے اسے پیار سے گلے لگایا تو روتے، روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ یہ خوشی کے آنسو تھے۔

''بس بیٹا بہت رولیں اب خوشیوں کے دن آنے والے ہیں بلکہ آج سے شروع ہوچکے ہیں۔'' بعد میں طلحہ نے اسے بتایا۔ ''میں اول دن سے تمہیں پسند کر بیٹھا تھا اور امی میری ہمنوا تھیں مگر اظہار کرکے تمہاری مشکلوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے عامر اور انکل کو اعتماد میں لیا۔ امریکا جاکر امی کے لیے گرین کارڈ کے لیے اپلائی کیا جوں ہی گرین کارڈ ملا سارا پروگرام عامر اور انکل سے سیٹ کرلیا۔ اب تم بے فکر ہوکر پاکستان جاؤ، تم میری ہو اور ہمیشہ میری ہی رہو گی اب اپنے دل میں کسی بدگمانی کو جگہ نہ دینا۔'' عائزہ کو لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی سنہرا خواب دیکھ رہی ہو اور آنکھ کھلتے ہی سپنا ٹوٹ جائے گا۔ اب نہ اسے رضوان کی غلیظ آواز اور مکروہ نظریں تنگ کرتی تھیں اور نہ ہی آنٹی کی تلخ و ترش باتیں جس پر وہ بھی کافی حیران تھیں۔

☆☆☆

اس کے ایم ایس سی کے فائنل پیپرز ہورہے تھے جب اچانک ایک دن انکل یونیورسٹی پہنچ گئے۔

''تمہارا ویزا آگیا ہے بٹیا اور چھ مہینے کے اندر، اندر تمہیں یہ ملک چھوڑ دینا ہے۔'' عائزہ سن کر پریشان ہوگئی اور گھبرا کر بولی۔

''انکل میں اکیلی......''

''پریشان نہ ہو، پڑھی لکھی ہو امریکا میں منگیتروں کو بہ آسانی آنے کی اجازت جلدی مل جاتی ہے لیکن بیویوں کے کاغذات بننے میں ٹائم لگتا ہے۔ تمہاری میں سیٹ بک کرا رہا ہوں تمہیں نیویارک ائرپورٹ پر لینے میرا ایک دوست مع فیملی کے موجود ہوگا جو تمہارے ابو کا بھی بیسٹ فرینڈ ہے تم وہاں بے فکر ہوکر رہنا...... ایک ہفتے کے اندر، اندر عامر اور میں بھی پہنچ جائیں گے اور اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے رخصت کریں گے تب تک طلحہ کے دونوں بھائی بھی اپنی فیملیوں کے ساتھ وہیں اکٹھے ہوجائیں گے۔ میں نے حمدان سے جو وعدہ کیا تھا شکر الحمدللہ وہ پورا کرنے کا وقت آگیا۔ ان شاء اللہ قیامت کے دن میں اپنے دوست کے سامنے سرخرو رہوں گا میں نے کوشش تو پوری کی ہے تمہیں تمہاری خوشیاں مل جائیں بس ہوسکے تو اپنی آنٹی کو معاف کردینا۔''

آنسو انکل کے بھی بہہ رہے تھے اور ان کے کندھے پر سر رکھے عائزہ بھی نیر بہا رہی تھی جو خوشی کے تھے۔

نیویارک ائرپورٹ پر اس کے ابو کی دوست کی فیملی کے علاوہ طلحہ اور اس کی امی بھی موجود تھے۔ سب محبت اور گرمجوشی سے ملے اس محبت پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اپنی خوش بختی پر جتنا بھی نازاں ہوتی کم تھا۔ جس محبت کو اس نے اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر رکھا تھا وہ اسے طلحہ کی شکل میں مل گئی تھی کیونکہ اس کا اللہ اس کے ساتھ تھا۔ جس نے خوشیوں کی نوید سنا دی تھی کسی نے صحیح کہا ہے۔ ''مایوسی کفر ہے۔'' اور وہ اپنے رب سے مایوس ہرگز نہیں تھی۔

❁❁❁

منی ناول

قصۂ دل

شبینہ گل

تیسرا حصہ

میری تھم، تھم جاوے سانس پیا
میری آنکھ کو ساون راس پیا
تجھے سن، سن دل میں ہوک اٹھے
تیرا لہجہ بہت اداس پیا
تو ظاہر بھی تو باطن بھی
تیرا ہر جانب احساس پیا
تیری نگری کتنی دور سجن
میری جندڑی بہت اداس پیا
میں جاکر تیرا ازلوں سے
تو افضل خاص الخاص پیا
تیرے سارے درد قبول سجن
مجھے تیری ہستی راس پیا

☆☆☆

وہ پانچ بھائیوں کی اکلوتی اور سب سے چھوٹی

بہن تھی مگر لاڈلی کسی کی بھی نہیں تھی۔ بھائی سارے اس سے عمر میں کافی بڑے تھے، اسے والدین کی بڑھاپے کی اولاد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ پھر ہوتا یوں ہے کہ بڑھاپے کی اولاد والدین کے لیے اولاد سے زیادہ شرمندگی کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ وہ اس سے لاڈ پیار کرنے میں بھی جھجک محسوس کرتے ہیں۔ نتیجتاً وہ یہاں وہاں رُل کر جوان ہو جاتی ہے۔ افشاں کا بھی یہی مسئلہ تھا۔ اسے ماں، باپ کی توجہ ملی تھی نہ بھائیوں کا پیار۔ وہ برسات کے بعد اگنے والی کھمبی کی طرح خود ہی بڑھتی چلی گئی۔ لاڈ پیار تو دور کی بات، اس کی تو تربیت کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بس اسے جو دکھائی دیتا وہ وہی کرتی، جو عادت اس کی سمجھ میں سماتی، وہ اسے اپنا لیتی۔

اس کے ماں باپ کے نزدیک یہی ان کا لاڈ پیار تھا کہ وہ اس پر کسی قسم کی روک ٹوک نہیں کرتے تھے اور بھائیوں کے نزدیک یہی تربیت تھی کہ اٹھتے بیٹھتے اسے ہر بات، ہر حرکت پر ٹوکنا، ڈانٹنا اور مارنا اپنا فرض سمجھتے۔ ان دو انتہاؤں کے بیچ وہ ایک متذبذب شخصیت لیے بڑی ہوتی گئی۔ گھر میں کوئی بچہ نہ تھا، سبھی بڑے تھے اور ایک بچے کی نفسیات کو سمجھ کر اس کے حساب سے بات کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ گھر میں جس قسم کی بھی بات چیت ہوتی، خواہ وہ بیرونی مسائل کی ہوتی یا خاندانی جھگڑوں کی، ہر طرح کی بات اس کے سامنے کر لی جاتی، بنا احتیاط کے، بنا لاگ لپٹ کے ہر طرح کی زبان استعمال کر لی جاتی، یہ سوچے بنا کہ یہ تمام الفاظ اس کی لغت میں جمع ہوتے جا رہے ہیں اور تمام جملے اس کی تربیت کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ کوئی بچہ بڑوں کی طرح بات کرے تو جب بہت تعجب ہوتا ہے مگر وہ یہ نہیں سمجھنا چاہتے کہ یہ لہجہ یہ الفاظ خود اُن کے ہی عطا کیے ہوئے ہیں خیر بڑوں کے اس گھرانے میں اس بچی کو بھی بچپن سے ہی بڑا سمجھ لیا گیا تھا اور وہ خاموشی سے سب کچھ سنتی اور جذب کرتی چلی گئی۔

اس کی شخصیت کی بناوٹ میں بہت سے خطرناک عوامل کا بھی دخل رہا۔ اس کا باپ غلط قسم کا مواد دیکھنے کا عادی تھا اور اس کی خواہش ہوتی کہ اس کی بیوی یعنی افشاں کی ماں اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہے۔ جب تک وہ چھوٹی تھی ماں باپ کے ساتھ ہی سوتی تھی۔ دیگر والدین کی طرح وہ بھی نصف شب اسے سویا ہوا سمجھ کر پلیئر پر کوئی سی ڈی لگا لیتے۔ صرف ایک بار ایسا ہوا کہ کسی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی لیکن باپ کے خوف سے وہ ہلی نہیں اور پھر جو مناظر اس کی معصوم بصارت نے دیکھے وہ اس کے کچے ذہن کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے۔ ماں باپ کو کچھ خبر نہ تھی کہ ان کی پشت پر لیٹی وہ بچی نہ صرف جاگ چکی ہے بلکہ اب ہمیشہ کے لیے اپنی پُرسکون نیند بھی کھو چکی ہے۔ وہ اپنی تفریح میں مگن تھے۔ اس کے بعد ہر روز نصف شب کے اوقات میں افشاں کی نیند ٹوٹ جاتی اور وہ ماں باپ کے ساتھ تیسری ناظر بن کر سب کچھ دیکھتی رہتی۔ آتش فشاں میں لاوا صرف جمع نہیں ہوتا رہتا بلکہ ابل کر پھٹتا بھی ہے۔ وہ بچی تھی، اس کے ذہن کے لیے یہ لاوا ہی تھا جس کے پکنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔

لاوا پک، پک کر بخار کی صورت اختیار کر گیا جو کسی صورت اتر کر نہیں دے رہا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ ان کے خاندان میں لڑکے بہت زیادہ تھے، اس کے کزنز میں اس کی عمر کی کوئی بھی لڑکی نہیں تھی اور جو ذرا بڑی بچیاں تھیں وہ نہ جانے کیوں اسے منہ ہی نہ لگاتیں۔ پہلی کزن دوستی کا تجربہ اس کا رشیدہ پھپو کے بیٹے عباس سے ہوا جو اس سے محض دو برس بڑا تھا۔ وہ دونوں ہی بچے تھے، ہر بات، ہر تفریق اور ہر نزاکت سے انجان۔ ان دونوں کی دوستی بڑھتی گئی۔ رشیدہ پھپو کا گھر بھی ان کے محلے میں ہی تھا۔ وہ اکثر وہاں چلی جاتی اور کافی وقت گزارتی۔ پھپو بھی اس سے پیار کرتی تھیں اور عباس اس کے ساتھ کھیلتا تھا، اس لیے اسے وہاں رہنا اچھا لگتا تھا۔ وہ دونوں اس وقت بالترتیب آٹھ اور دس برس کے تھے۔ عباس کے علاوہ پھپو کی ایک بیٹی تھی جو محض سال بھر کی تھی۔ پھپو اسی کے ساتھ مصروف رہتیں اور افشاں اور عباس آرام سے کھیلتے۔ بخار کی وجہ سے کئی روز وہ پھپو کے گھر نہ جا سکی تو عباس خود چلا آیا۔ اختر بیگم نے اسے اپنے کمرے میں بھیج دیا کہ اس کا دل بہل

جائے تو شاید طبیعت میں کچھ بہتری آجائے۔ وہ اسے دیکھ کر واقعی کھل اٹھی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دونوں اپنے، اپنے اسکول کی باتیں کر رہے تھے جب افشاں کا بڑا بھائی افراسیاب کسی کام سے وہاں آیا اور عباس کو کمرے میں بیٹھا دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا۔ نہ جانے وہ باہر کسی کا کوئی قصہ سن کر آرہا تھا اور اس کے زیر اثر تھا یا کوئی اور بات تھی۔ اس نے یہ نہ سوچا کہ وہ دونوں بچے ہیں، وہ عباس پر پل پڑا اور ساتھ ہی افشاں کو بھی دو چار تھپڑ رسید کر دیے۔ اختر بیگم حواس باختہ سی آئیں اور بمشکل لمبے چوڑے افراسیاب کو قابو کیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟ رشیدہ کو کون جواب دے گا کہ اس کے اکلوتے لاڈلے بیٹے کا یہ حال کس نے اور کیوں کیا؟'' تب افراسیاب کچھ دھیما پڑا اور اسے گھر سے نکل جانے کو کہا۔ اختر بیگم نے اسے پیار کر کے بہلا پھسلا کر ماں کو کچھ بھی بتانے سے منع کیا اور گھر بھیج دیا۔

''اپنی اس بیٹی کو لگام دو اور اپنی آنکھیں کھلی رکھو ماں، ورنہ یہ ضرور کوئی چاند چڑھائے گی۔ تمہیں تو کوئی ہوش ہی نہیں۔'' افشاں کم سن تھی، ان باتوں کے مفہوم سے ناآشنا لیکن بڑوں کی محفل میں اس طرح کے قصے اور القابات اس نے بارہا سنے تھے اور بس اتنا جانتی تھی کہ ''چاند چڑھانے'' کا الزام بہت شرمناک ہوتا ہے۔ اس کا دل ٹوٹ کر کرچی، کرچی ہو گیا۔ اس پر ستم یہ کہ اختر بیگم نے بھی بیٹے کی بات کو اہم جانا اور اس پر اعتبار کیا کہ اگر اس نے ایسا ردِعمل دیا ہے تو کچھ تو دیکھا ہی ہوگا۔ اسے خونخوار نظروں سے گھورتی وہ کمرے سے نکل گئیں۔ بھائی کی بات پر تو دل ٹوٹا ہی تھا لیکن ماں کی نظروں کی بے اعتباری نے اسے اندر سے مار ڈالا۔ پھر اس کا بخار بڑھتا گیا، کئی دن تک نہ ٹوٹا مگر جب ٹوٹا تو ساتھ اور بہت کچھ ٹوٹ چکا تھا۔ اس کا بچپن، اس کی معصومیت اور گھر والوں سے محبت، سب کچھ اس بخار کے ساتھ ہی ٹوٹ کر بکھر گیا۔ پھر یہ بات بس یہیں ختم نہیں ہوئی، ختم ہو جاتی تو شاید افشاں بھی بھول بھال کر نارمل زندگی کا حصہ بن جاتی۔ لیکن مزید ستم یہ ہوا کہ اس کے بھائی نے اپنی بیوی یعنی اس کی بھابی ثروت کو ساری بات بتا کر اس پر کڑی نظر رکھنے کی ڈیوٹی سونپی۔ نند بھابی کا جاہلانہ رواج تھا، جب ثروت نے اس بات پر بے حد خوشی محسوس کی اور اس بات کو اپنی طرف سے اضافہ کر کے آگے خاندان میں پھیلا دیا۔ اختر بیگم بھی اس پر نظر رکھنے لگیں اور نظر وہی دکھاتی ہے جو انسان نے گمان کر رکھا ہوتا ہے۔ ان سب کے دلوں میں اس پر شک تو پیدا ہو ہی چکا تھا۔ پھر اس کی ہر حرکت ہی انہیں مشکوک لگنے لگی۔ اس رویے پر افشاں دکھی تو بہت ہوتی لیکن اپنی صفائی پیش کر کے ان کے شکوک دور کرنا اسے آتا نہ تھا۔ یوں بات بگڑتی چلی گئی۔ اس پر ستم یہ کہ ایک روز نصف شب اسے جاگے ہوئے اختر بیگم نے دیکھ لیا اور اگلے ہی دن اس کا کمرا الگ کر دیا۔ لاوا مزید پکنے لگا۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ افشاں کیا اور کتنا دیکھ چکی ہے لیکن افشاں اس سب کی عادی ہو گئی تھی اور جب نشہ ٹوٹے تو عادی شخص کی حالت خراب ہونے لگتی ہے۔ افشاں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس کے اندر غصے کے ابال اٹھنے لگے جو اس کے اندر دبی بغاوت کو ابھارنے کے لیے کافی تھے۔

جب وہ چھوٹی تھی تب اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا سلیقہ نہ تھا لیکن جب سلیقہ آیا تب تک بغاوت کا مادہ اس قدر حاوی ہو چکا تھا کہ اس نے صفائی دینے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ بڑی ہوئی تو لوگوں کے رویوں کو بھی پہچاننے لگی۔ تب اس نے جانا کہ بچپن کی اس معمولی سی بات کو لے کر بھائی نے جو شک سب کے دلوں میں بٹھا دیا تھا، بھابی ثروت نے اسے ہوا دے کر پورے خاندان میں یقین کی صورت پھیلا کر اس کے کردار کا حصہ بنا دیا ہے۔ اس کی کردار کشی نے دو طرح کے نتائج برآمد کیے۔ عورتوں کے لیے وہ ناپسندیدہ ترین اور مردوں کے لیے پسندیدہ ترین بن گئی۔ اس کے نتیجے میں بھائیوں کا اس پر شک بڑھتا چلا گیا اور ماں نے اعتبار کرنا بالکل ترک کر دیا۔ کزنز کے درمیان وہ مذاق بن کر رہ گئی۔ بھائی کسی بھی بات پر بے دریغ ہاتھ اٹھا لیتے اور اس وقت ماں اس سے منہ موڑ لیتی۔ ایسے میں فرحان اس کے لیے روزن ثابت ہوا۔

فرحان اس کی سب سے بڑی پھوپی فضیلت کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور بچپن سے ہی اسے پسند کرتا تھا البتہ اظہار بھی نہ کیا۔ وہ اپنی عادات و مزاج کی وجہ سے خاندان بھر کا چہیتا تھا۔ سب سے زیادہ ذہین، محنتی، نرم خُو ...سلجھا ہوا اور فرمانبردار۔ وہ سب کا آئیڈیل تھا۔

پورے خاندان کی شدید ناپسندیدگی کے باوجود وہ واحد شخص تھا جس نے افشاں کو کبھی غلط نہیں سمجھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے ہر بات پر یقین کرنے کے بجائے افشاں سے براہ راست بات کر کے اس کا موقف جاننے کی خواہش ظاہر کی لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ افشاں کے اندر کی باغی لڑکی پوری طرح بیدار ہو چکی تھی جسے اب سب سے انتقام لینا تھا خواہ اس کے لیے وہ خود بھی داؤ پر لگ جاتی۔ وہ اب خلوص کو بھی منفی نظر سے دیکھتی اور کسی کا سچا التفات بھی اسے موم کرنے میں ناکام ہی رہتا۔ اس سب کے باوجود اس نے رو رو کر فرحان کی حمایت حاصل کی اور اسے اپنے دام میں کر لیا کیونکہ وہ اس کے انتقام میں بے حد معاون ثابت ہو سکتا تھا۔ فرحان بیوقوفی کی حد تک نرم دل تھا۔ جو فیصلہ وہ چند سال بعد کرتا، افشاں کے آنسو دیکھ کر اس نے لمحوں میں کر لیا اور اپنے والدین سے افشاں کے رشتے کی بات کر ڈالی۔ پورے خاندان میں بھونچال آ گیا۔

”اگر وہ بد کردار ہے اور کسی کے ساتھ وفادار نہیں تب بھی میں ذمے دار ہوں گا۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔“ زندگی میں پہلی بار خاندان والوں نے فرحان کو ضد کرتے دیکھا، وہ بھی ایسی عجیب بات پر۔ کئی ماہ کے مسلسل جھگڑوں اور مذاکرات کے بعد وہ افشاں سے منگنی کروانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ منگنی کی تقریب میں اس نے پورے خاندان کو مخاطب کر کے ایک عجیب سا اعلان کیا۔

”آج کے بعد افشاں پر انگلی اٹھانے سے پہلے ہر شخص یہ سوچ لے کہ اب اس پر اٹھنے والی ہر انگلی توڑ دی جائے گی اور توڑنے والا فرحان ہوگا۔“ اٹھنے والی ساری انگلیاں اس اعلان کو سن کر لوگوں نے دانتوں تلے دبا لیں اور افشاں کی برسوں کی جھکی ہوئی گردن تن گئی۔ اسے اس کا نجات دہندہ مل گیا تھا جس نے اس پر انگلی اٹھانے والوں کے سر جھکا دیے۔ اسے خوش ہو جانا چاہیے تھا لیکن اس کے دل میں ان جھکی نظروں اور بندلیوں سے انتقام لینے کی خواہش اب بھی وہیں تھی۔ سب کا رویہ اس سے کچھ بہتر ہونے لگا۔ پھوپی فضیلت نے بھی اس فیصلے سے سمجھوتا کر کے اسے بہو مان لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا انتقامی لائحہ عمل طے کرنا شروع کیا۔ اس کے اندر کی اچھی لڑکی مر چکی تھی۔ فرحان اس کی محبت نہیں تھا، نہ کبھی بن سکتا تھا۔ اسے محبت سے نفرت تھی۔ وہ اس کے لیے صرف ایک مہرہ تھا...... انتقام لینے کے لیے۔

پھر جب افشاں نے کالج میں داخلہ لیا تو ایک اور مشکل درپیش ہوئی کہ وہ کس لڑکی کو اپنی دوست بنائے۔ کئی دن اس نے صرف خاموش رہ کر سب لڑکیوں کا مشاہدہ کرنے میں گزارے۔ وہ اپنی عمر سے دس گنا بڑھ کر شاطر اور موقع پرست تھی۔ جو کچھ اس نے اپنی زندگی کے حوالے سے سوچ رکھا تھا اس کے لیے اسے دوستی بھی ایسی لڑکی سے کرنی تھی جو فرحان کی طرح اس کے لیے ایک ایسا مہرہ ثابت ہو جو اسے دنیا کا چہرہ بھی دکھائے اور اس دنیا سے انتقام لینے میں اس کی مددگار بھی ثابت ہو۔ کچھ ہی دنوں میں اسے اندازہ ہوا کہ ماہین بہترین انتخاب ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ ماڈرن تھی، نئے طور طریقے جانتی تھی، بولڈ تھی ہر طرح کا کام ہر طرح کی بات بلا جھجک کر لیا کرتی تھی اور یہی سب افشاں کو خود میں پیدا کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے باقاعدہ ڈراما کھیلا۔ وہ روز بریک میں کلاس میں ہی بیٹھی رہتی، باقی سب لڑکیاں لان یا کینٹین میں وقت گزارتیں۔ اس نے نوٹ کیا کہ ماہین اپنے بیگ میں واک مین چھپا کر لاتی تھی اور بریک میں کرسیاں جوڑ کر ٹانگیں پھیلا کر سکون سے میوزک سننے کی عادی تھی۔ اس روز جب سب لڑکیاں کلاس سے نکل گئیں تو افشاں ڈیسک پر سر رکھ کر رونے لگی، کچھ دیر تو ماہین نے نوٹ نہیں کیا اور گانے سنتی رہی لیکن کچھ دیر بعد اسے لگا

کہ اس سے اگلی قطار میں بیٹھی یہ تنہا سی لڑکی جھٹکے کھا رہی ہے، تب اسے احساس ہوا کہ شاید وہ رو رہی تھی۔ اس نے واک مین بند کر کے بیگ میں ڈالا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ افشاں کو اس کے بیٹھنے کا احساس ہوا مگر اس نے سر نہیں اٹھایا۔ کچھ دیر وہ اس کی کمر سہلاتی رہی اس سے رونے کی وجہ پوچھتی رہی مگر افشاں کچھ نہیں بولی۔ جب رو، رو کر تھک گئی تو سر اٹھایا، ماہین نے اسے اپنی بوتل سے پانی پلایا، ٹشو سے اس کے آنسو پونچھے اور دوبارہ اس سے رونے کی وجہ جاننے کی کوشش کی مگر افشاں محض مسکرا کر ٹال گئی۔ پھر روز یہی ہونے لگا، بریک میں وہ رونے کا شغل پورا کرتی اور ماہین اس کی دلجوئی کرتی۔ جب اسے لگا کہ ماہین اب اس سے اتنی ہمدردی کرنے لگی ہے کہ اب اس کی ہر بات پر اعتبار کر سکتی ہے تو اس نے اپنے گھر والوں اور خاندان والوں کے مظالم اور اپنی مظلومیت کے وہی قصے اسے سنا دیے جو وہ فرحان کو سناتی رہی تھی۔ اس کی توقع کے عین مطابق ماہین جیسی لبرل لڑکی کو اس جیسی گھٹے ماحول کی خوب صورت لڑکی پر پیار آیا اور وہ اس کی ہمدردی کو محبت جان کر اس سے دوستی کر بیٹھی۔ اس نے اسے زندگی جینے کے گر سکھائے، خوش رہنے کے طریقے بتائے، دنیا اور خصوصاً گھر والوں کو جوتی کی نوک پر رکھنے کی تلقین کی اور اسے اپنے رنگ میں رنگنے کے سارے حربے آزما ڈالے۔ یہ ماہین ہی تھی جس نے اسے خود کو خوش اور مصروف رکھنے کے لیے انٹرنیٹ کے استعمال کی ترغیب دی جس کے بعد اس نے فرحان سے کہہ کر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کنکشن منگوا لیا اور اس کے بعد اس کی دوستیاں بڑھنے لگیں۔ اپنے سب دوستوں کے بارے میں وہ ماہین کو ضرور بتاتی تھی جو اسے ان سے ملاقات پر اکساتی۔ ماہین بدکردار نہیں تھی، بس سطحی سی رومینٹک سوچ کی حامل لڑکی تھی جس کی دنیا انڈین موویز سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہو جاتی تھی۔ ہر گزرتے لڑکے میں وہ اپنا ہیرو ڈھونڈتی اور پہروں اپنے خیالوں میں اس ہیرو کو اپنے ساتھ محبت کے اعتراف کرتا دیکھتی۔ اس کے لیے دنیا ہر شے سے لطف اٹھانے کی جگہ تھی جہاں لڑکوں سے دوستی کرنا بہت ہی اچھی بات تھی اور اگر وہ دوستی محبت میں بدل جائے تو وہ اور بھی اچھی بات تھی۔

ان ساری باتوں میں اس کا اپنا قصور کم تھا، زیادہ قصور اس کی ماں کا تھا جنہوں نے بیٹیوں کو ہر طرح کی آزادی دے کر یہ فرض کر لیا تھا کہ یہی درست عمل ہے۔ انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ماہین کہاں جاتی ہے کس سے ملتی ہے اور کب گھر آتی ہے۔ انہیں لگتا تھا کہ یہ ان کی محبت کا اظہار ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں پر کوئی پابندی نہیں لگائی اور وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے میں بالکل آزاد ہیں۔ وہ سارا دن صرف کیبل پر ڈرامے دیکھتی رہتیں یا رشتے داروں سے میل جول میں مصروف رہتیں۔ ماہین کے والد بھی کم و بیش اسی فطرت کے تھے، ان کے نزدیک وہ ایک لبرل انسان تھے جو اپنی بیٹیوں کو بیٹوں جیسا سمجھتے تھے اسی لیے آزادی دے رکھی تھی۔ گھر میں کوئی کزن آ کر ٹھہرتے تو راتوں کو سب مل کر ہلڑ بازی کرتے، دیر تک سڑکوں پر گھومتے پھر ہوٹلنگ کرتے، گھر آ کر گیمز کرتے اور ماہین کے والدین سکون سے کمرے میں سوئے رہتے۔ بچے کیا کر رہے ہیں، کوئی غلط حرکت تو نہیں کر رہے، ان کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ اپنی اولاد پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ جب مڈل کلاس کے لوگ پیسہ آ جانے پر اپر کلاس کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں تو وہ سب سے پہلے اسی بے مہار آزادی کو گھر کا رستہ دکھاتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ اولاد کو بے مہار چھوڑ کر، لڑکیوں کو جینز پہنا کر وہ ماڈرن اور ایلیٹ کلاس میں شمار کیے جانے لگیں گے لیکن یہ ان کی بھول ہوتی ہے۔ ایسے لوگ پھر نہ مڈل کلاس کے رہتے ہیں نہ ہی اپر کلاس انہیں اپنے پاس بیٹھنے کی جگہ دیتی ہے اور ایک دن یہ سر پکڑ کر روتے ہیں۔

☆☆☆

بعد کی کہانی صاف اور سیدھی تھی۔ ثمینہ ایک بار پھر طلاق کا تحفہ لیے عالی شان حق مہر کے ہمراہ باپ کی دہلیز پر آ بیٹھی۔ کیا کرتی وہ اس ڈھیروں ڈھیر زیور... نقدی اور جائداد کا جو اس کے حق مہر کے طور پر اسے

شرافت سے ادا کر کے رخصت کر دیا گیا تھا۔ لوگ ڈھیروں ڈھیر حق مہر لکھوا کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کی زندگی محفوظ کر لی۔ جب تعلق ہی ٹوٹ گیا، بدنامی کا دھبا لگ گیا تو زر، زمین کیا کر پائے گی اس کی دلجوئی کے لیے۔ اتنا پیسہ، اتنا زیور، اتنی جائداد کوئی بھی چیز اسے خوشی دے سکی تھی نہ سکون۔ جس کیفیت سے وہ گزر رہی تھی اسے رتی برابر بھی مال و زر سے دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی پہلی طلاق کا قصہ چھپا کر جس طرح وہ لوگ وقتی طور پر بدنامی سے بچ گئے تھے، دوسری طلاق نے وہ کہانی بھی کھول کر دنیا کے سامنے رکھ دی۔ حشمت خان کس، کس کا منہ بند کرواتا۔ اس کی سیاسی و سماجی ساکھ کو بری طرح دھچکا پہنچا تھا۔ وہ اور رحمت خان حریف نہیں تھے، یک جان تھے لیکن رحمت خان کی اس حرکت نے اسے از خود اس کا حریف بنا دیا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی عزت خان کے ساتھ مل گیا۔ لوگ ان دونوں پر اعتبار کرنے لگے۔ قدرتی طور پر کرسی حشمت خان کے ہاتھوں سے نکل کر خود بخود رحمت خان کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔ پارٹی لیڈر کے طور پر رحمت خان ابھر کر سامنے آیا اور حشمت خان کو تو یوں بھی پس منظر میں جانا ہی تھا۔ اس ایک حرکت سے صرف اس کے حسد کے جذبے کو تسکین نہیں پہنچی تھی بلکہ باقی محاذوں پر بھی اس نے حشمت خان کو پچھاڑ دیا تھا۔ اسے قومی اسمبلی کی رکنیت بھی چھوڑنی پڑی۔ معاملات اور حالات ایسے عجب رخ پر چل نکلے کہ حشمت خان کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں رہا۔ وہ سوال کر سکتا تھا نہ بدلہ لے سکتا تھا۔ اس لیے وہ منہ چھپا کر بیٹھ گیا کیونکہ یہی اس کے حق میں بہتر تھا۔ گھر بیٹھ کر بھی وہ لوگوں کے طعنے سنتا، خاندان والے اس پر تھو، تھو کرتے اور وہ سب سہنے پر مجبور تھا۔

ثمینہ ایک بار پھر قید کر دی گئی۔ گھر کا ہر فرد چھلنی دل لیے پھر رہا تھا۔ رحمت خان اور ان کے پورشن کا درمیانی دروازہ مقفل ہو گیا۔ بھائی، بھائی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہ رہے۔ ماوئی کی بھابی جمیلہ جو ثمینہ کی بڑی بہن تھی، اس کی زندگی مشکل ہو گئی۔ سسر کے اقدام پر نفرت محسوس کرنے کے باوجود نہ وہ کچھ کہہ سکتی تھی نہ اپنے گھر والوں کا ساتھ دے سکتی تھی۔ وہ بھی اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں سے قطع تعلق پر مجبور ہو گئی۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ اسے طلاق نہیں دلوائی گئی۔ یہ تھی ان کے خاندان میں عورت کی حقیقت اور حیثیت...... ویک اینڈ پر ماوئی گھر آئی تو فضا میں پھیلی کشیدگی واضح طور پر محسوس کی۔ وہ عادتاً تایا کے پورشن کی طرف گئی تو دروازہ مقفل دیکھ کر ٹھن رہ گئی۔ ماں سے سوال کیا تو وہ معمول کے مطابق جھڑک نہ پائی، بس خاموشی سے اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ بھابی جمیلہ سے پوچھا تو اس کی سرخ سوجی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور وہ تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ جب اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کس سے پوچھے تو اس نے تایا کے گھر کا فون نمبر ملا دیا۔ تائی نے اس کی آواز سنتے ہی اتنا کہہ کر فون پٹخ دیا کہ ”تم اور تمہارے گھر والے ہمارے لیے مر گئے۔“

وہ اپنی واپسی تک اس قطع تعلقی کی ممکنہ وجوہات ہی سوچتی رہ گئی لیکن کسی سے دوبارہ پوچھنے کی اس میں ہمت نہ ہوئی۔ جو ہو چکا تھا وہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اسے یہی لگا کہ شاید بھائی بھابی کے کسی ذاتی مسئلے کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ یہی سوچ لیے وہ ہاسٹل واپس آ گئی۔ اس رات اس نے ثمینہ کو خواب میں دیکھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی اور اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ جاگی تو اس کے دل کی حالت عجیب سی تھی۔ نیم شب ہی اس کی آنکھ اس پریشان کن خواب سے کھلی تھی تو پھر وہ ساری رات سو نہ پائی۔ منزہ کے خاندان میں کوئی قریبی عزیز فوت ہو گیا تھا جس کی بنا پر ان سب کو شہر سے باہر جانا پڑا اسی لیے اس نے اس روز چھٹی کر لی۔ میم انجم نے ٹیکسٹائل ڈیزائنز چیک کروانے کی ڈیڈ لائن دے دی تھی اور وہ ذہنی طور پر یکسو نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس روز فرصت دیکھ کر وہ اسکیچ بک اور بیگ لیے ایڈمن بلاک کی پچھلی طرف بنے لان میں چلی آئی۔ وہاں لڑکیاں کم ہی بیٹھتی تھیں اس لیے وہ سکون سے کام کر سکتی تھی۔ لان کا

آخری کنارہ پیچھے بنے یونیورسٹی گرلز ہاسٹل سے جڑا ہوا تھا جس کی حد بندی کے لیے لوہے کا جنگلا لگایا گیا تھا۔ گراؤنڈ فلور پر رہنے والی طالبات آتی جاتی، خوش گپیاں کرتی، پڑھتی یا دھلے کپڑے جنگلے میں پھنساتی صاف نظر آیا کرتی تھیں۔ وہ بھی وہیں کونے میں بیٹھ کر اسکیچ بک میں ڈیزائنز بنانے لگی۔ ذہنی یکسوئی ملی تو کافی سارے اچھے ڈیزائن جیسے خود بخود بنتے چلے گئے۔ بالآخر وہ مطمئن ہو گئی کہ اب کی بار اس کے ڈیزائن میم انجم کو ضرور پسند آئیں گے۔ ان ڈیزائنز کی خاطر اس نے اپنی بریک کی بھی قربانی دے دی تھی لیکن دس منٹ بچ گئے تھے، وہ آرام سے جا کر لنچ کر سکتی تھی۔ یہی سوچ کر اس نے سامان سمیٹا اور اٹھنے لگی تو جنگلے کے پار دھوپ سینکتی صفیہ پر نظر پڑی۔ وہ ثمینہ کی خالہ زاد تھی اور پشاور یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کی طالبہ تھی۔ چند لمحے وہ یونہی خالی، خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی پھر ایک خیال کوندے کی صورت لپکا تو وہ اٹھ کر جنگلے کی طرف بھاگی اور اسے آواز لگائی۔

”صفیہ......“ کسی سوچ میں گم سر جھکائے بیٹھی صفیہ نے چونک کر سر اٹھایا پھر اسے دیکھ کر اس کے تاثرات بدل گئے۔ ماوئی کو حیرت ہوئی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو صفیہ نے یوں ہاتھ ملایا جیسے زبردستی ملا رہی ہو۔ رسمی جملوں کے تبادلے کے ماوئی مطلب کی بات پر آ گئی۔

”صفیہ...... وہ...... ثمینہ کیسی ہے؟“ اس سوال پر صفیہ کا چہرہ کھنچ گیا، عضلات تن گئے۔ وہ سرد لہجے میں بولی۔

”اب کیوں پوچھتی ہو؟ کیا سننا چاہتی ہو؟“ اس کے لہجے کی سرد مہری اور الفاظ کی کاٹ پر ماوئی متعجب ہوئی۔

”کیا مطلب؟ کیا ہوا ہے صفیہ؟“

”تم واقعی نہیں جانتی یا میرے آگے بھولی بننے کا ڈراما کر رہی ہو؟“ صفیہ نے اسے کینہ توز نگاہوں سے گھورا۔ ماوئی روہانسی ہو گئی۔

”میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا صفیہ کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں واقعی سمجھ نہیں پا رہی ہوں کہ ہوا کیا ہے۔ اس ویک اینڈ پر گھر گئی تو پتا چلا کہ تایا جی سے تعلق ختم ہو گیا ہے اور میرے لاکھ پوچھنے پر بھی کسی نے مجھے وجہ نہیں بتائی۔ کل رات میں نے ثمینہ کو خواب میں پریشان دیکھا، وہ بہت رو رہی تھی۔ میں پریشانی سے ساری رات سو نہیں پائی۔ ابھی تمہیں دیکھا تو سوچا کہ تم سے پوچھ لوں۔ اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟ ثمینہ خوش تو ہے ناں جاوید لالہ کے ساتھ؟“ صفیہ کے چہرے پر ترحم اتر آیا۔ اسے ماوئی کی معصومیت پر اعتبار کرنا ہی پڑا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

”تمہارے باپ نے بہت ظلم کمایا ہے ماوئی، تم بہت معصوم ہو، میری دعا ہے اپنے باپ کا کیا تمہیں نہ بھگتنا پڑے۔“ حیرت اور خوف سے ماوئی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”میرے بابا...... کیا مطلب صفیہ...... پلیز مجھے کھل کر بتاؤ ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔ کیا، کیا ہے میرے بابا نے؟“ اسی لمحے تیز گھنٹی نے بریک ختم ہونے کا اعلان کیا تو ماوئی نے بے بسی سے پیچھے مڑ کر کلاسوں کی طرف بھاگتی لڑکیوں کو دیکھا۔ بریک کے بعد اس کی نیوٹریشن کی کلاس تھی اور میم ثانیہ کلاس حاضری کے معاملے میں خاصی سخت تھیں۔ وہ ٹیچر پراکٹر بھی تھیں اور کلاس سے غیر حاضر ہونے والوں کو جرمانہ کرنے میں لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرتی تھیں لیکن یہاں بھی ماوئی کی جان پر بنی تھی۔ اس نے لمحوں میں کلاس چھوڑنے کا خطرناک فیصلہ کیا اور صفیہ کی طرف مڑی۔

”جلدی بتاؤ...... پلیز......!“ اور پھر جو کچھ صفیہ نے بتایا، اس نے ماوئی کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ بات سننے کے بعد کلاس میں جا پاتی۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کا باپ اس قدر سفاک بھی ہو سکتا ہے، وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے آنسو لڑیوں کی صورت اس کے گالوں کو بھگوتے جا رہے تھے اور وہ اس قدر گنگ تھی کہ آنسو پونچھنے کے لیے ہاتھ تک نہیں ہلا پا رہی تھی۔ صفیہ کو اس کی حالت پر دکھ ہوا۔

”اب ایک اور کڑوی حقیقت بھی سن لو کیونکہ وہ بھی شاید تمہیں کوئی نہ بتائے۔“ ماوئی چونکی۔

''ثمینہ کے بابا نے لوگوں کے دن رات کے طعنوں سے تنگ آ کر اس کی ایک بار پھر شادی طے کر دی ہے اور اس بار طلاق کا کوئی چانس نہیں۔ اس بار اس کا گھر تا دمِ مرگ بسا رہے گا کیونکہ وہ شخص پچاس سالہ شادی شدہ اور تین عدد جوان ہوتے بچوں کا باپ ہے اور اس کی بیوی بیمار رہتی ہے۔ اسے گھر، پہلی بیوی اور بچے سنبھالنے کے لیے ایک عورت چاہیے اور اسے ساری حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ وہ پنجاب کے کسی دور دراز گاؤں کا رہائشی ہے۔ خالو جی کے ڈرائیور نبی داد نے اس کے بارے میں انہیں بتایا تھا۔ اگلے ہفتے وہ خاموشی سے ثمینہ سے نکاح کر کے اس شرط پر اسے اپنے ساتھ لے جائے گا کہ وہ دوبارہ کبھی خاندان والوں کو اپنی شکل نہیں دکھائے گی۔ تم ثمینہ کی آئندہ زندگی کا نقشہ سوچ سکتی ہو۔ خالو جی نے اسے اپنے ہاتھ سے گولی نہیں ماری بس زندہ درگور کر دیا ہے۔'' صفیہ یہ سب کہتے ہوئے خود بھی رو پڑی۔ ماوی نے بے اختیار اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

''صفیہ مجھ پر ایک احسان کر دو۔ ثمینہ کو اپنی گواہی دے کر میری معافی پہنچا دینا کہ میں نے ہاتھ جوڑ کر اپنے باپ کی جانب سے اس سے معافی مانگی ہے۔ اس سے کہنا کہ مجھے بد دعا نہ دے۔ اس میں میرا کوئی دوش نہیں بلکہ اس انکشاف نے تو مجھے یتیم کر ڈالا ہے، مجھ سے میرا باپ چھین لیا ہے۔'' وہ بری طرح سسکتی ہوئی پلٹی اور بیگ کندھے پر لٹکائے بھاگتی چلی گئی۔ صفیہ جنگلے کی سلاخیں تھامے دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ ایڈمن بلاک کی سیڑھیاں چڑھ کر دیوار کے پیچھے اوجھل ہوئی تو صفیہ تھکے قدموں واپس کرسی پر جا بیٹھی۔ دوسری جانب ماوی جب کلاس تک پہنچی تو وقت ختم ہونے میں محض دس منٹ باقی تھے۔ اس وقت کلاس میں جانا بیوقوفی ہوتی، اس کا تماشا بن جاتا۔ اس نے کلائی موڑ کر گھڑی دیکھی اور کلاس کے باہر ہی برآمدے کی سیڑھی پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔ پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میم ثانیہ نے کلاس سے باہر نکلتے ہی اسے کڑی نظروں سے گھورا تو اس نے سر جھکا لیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ اس کا چہرہ قدرے سرخ اور آنکھیں متورم تھیں۔ ان کے تاثرات بدل گئے۔ آگے بڑھ کر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے سر اٹھایا۔ انہیں محسوس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔

''کیا ہوا ماوی؟ کوئی مسئلہ ہے بیٹا؟'' اس کی آنکھوں کے کٹورے پھر سے لبریز ہونے لگے۔

''میم کہانی بہت لمبی اور ناقابلِ بیان ہے۔ بس اتنا کہوں گی کہ اگر آپ اعتبار کر سکیں تو کر لیں کہ میں نے جان بوجھ کر کلاس نہیں چھوڑی۔ پھر بھی اگر آپ چاہیں تو جرمانہ کر سکتی ہیں کیونکہ غلطی تو بہرحال مجھ سے ہوئی ہے لیکن قصداً نہیں ہوئی۔'' میم ثانیہ محبت سے مسکرائیں پھر اس کا گال تھپتھپایا۔

''کوئی بات نہیں، سکون رکھو۔ میں جانتی ہوں کہ ماوی خان بلاوجہ کلاس سے غیر حاضر ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔ کلاس سے غیر حاضر ہونے والے سامنے آ کر وجہ بیان کرنے کی ہمت نہیں کرتے اور اتنی پہچان ہمیں بھی ہے۔'' اسے حوصلہ ہوا تو آنسو پونچھ کر مسکرا دی۔

''شکریہ میم......''

''یو آر ویلکم...... ہر پریشانی کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے بس بعض اوقات ہمیں وقت پر سمجھ نہیں آتا، اس لیے ایسی صورت میں مایوس ہونے کے بجائے اوپر والے سے رجوع کیا کرو۔'' ایک دلکش مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر وہ آگے بڑھ گئیں۔ ماوی تشکر سے انہیں جاتا دیکھتی رہی پھر لان کا رخ کیا۔ یہ لائبریری پیریڈ تھا اور پہلی بار اس کا لائبریری جانے کا موڈ نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر غم منانا چاہتی تھی۔ سر پر لیا اسکارف آدھے چہرے پر ڈھلکا کر وہ لان میں یوں بیٹھ گئی گویا چہرے کو دھوپ سے بچانا مقصود ہو، درحقیقت چہرے کو بچانا ہی مقصود تھا مگر دھوپ سے نہیں دنیا والوں سے اور ان کے سوالوں سے۔ لان میں لڑکیاں جا بہ جا ٹولیوں کی صورت دھوپ سینکنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ کسی کو اس کے دل کی خبر نہ تھی لیکن اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا وہ بھرے بازار میں رسوا ہو گئی ہو۔ عجب......

بے سروسامانی کی سی کیفیت تھی۔ وہ جیسا بھی تھا اس کا باپ تھا اور اولاد چاہے اپنے باپ کے ہزار عیبوں سے بھی واقف ہو پھر بھی کسی غیر کے منہ سے اس کے متعلق کوئی گری ہوئی بات سن کر برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے لیے بھی سہنا مشکل ہو رہا تھا اور اپنے بے اختیار بہتے آنسوؤں پر قابو پانا اس سے بھی مشکل۔

☆☆☆

فرحان کو بخوبی اندازہ تھا کہ سب کے منفی رویوں کے باعث افشاں کے مزاج میں سرکشی اتر آئی ہے۔ وہ اسے ہر طرح سے اپنی ذمے داری سمجھنے لگا تھا۔ افشاں نے گویا اپنا دل کھول کر اسے بچپن کی تمام محرومیاں دکھا دی تھیں۔ اس سے اپنے دل کی ہر بات کہہ کر اسے اپنے رازوں کا امین بنا کر اپنی مٹھی میں کر لیا تھا۔ وہ ہر دوسرے دن اس کے گھر چکر لگاتا، اس کے ساتھ وقت گزارتا، اچھی اور مثبت باتیں کرتا تاکہ وہ پرسکون رہے۔ شروع شروع میں افشاں کے بھائیوں نے اس کے آنے جانے پر بھی اعتراض کیا لیکن اختر بیگم اور باطور خان نے انہیں خاموش کرا دیا۔ انہوں نے فرحان کو اسی لیے کھلی چھوٹ دے دی کیونکہ اس سے منگنی کے بعد اس کے مزاج میں واضح خوشگوار تبدیلیاں آئی تھیں۔ یہ سب فرحان کی بدولت تھا اور سودا برا نہیں تھا۔ ان کے خاندان میں لڑکیوں کو میٹرک سے آگے پڑھانے کا رواج نہیں تھا، کسی لڑکی کو بہت شوق چڑھتا تو وہ پرائیویٹ انٹر کا امتحان دے لیتی اور بس۔ کالج کی شکل دیکھنے والی تو ایک افشاں ہی آسمان سے اتری حور ثابت ہو رہی تھی جس کی باقاعدہ پڑھائی کے لیے فرحان ایک بار پھر سب سے لڑا۔ اسی نے ہوم اکنامکس کالج کا انتخاب کیا اور پھر اس انتخاب پر اس کے ماں باپ خاموش ہو گئے کہ یہ گرلز کالج تھا اور لڑکیوں کی تربیت کے لیے بہترین مانا جاتا تھا۔ یوں وہ کالج آنے جانے لگی اور خاندان کی تمام لڑکیوں کے دلی حسد و رشک کا باعث بن گئی۔ کالج میں اس نے چن کر ماہین جیسی بولڈ لڑکی سے دوستی کی اور دنوں میں اس کا رنگ خود پر چڑھا لیا لیکن بے حد خاموشی اور غیر محسوس انداز سے۔ ماہین نے ہی اس کا انٹرنیٹ کی دنیا سے تعارف کروایا۔ پھر کالج کی اسائنمنٹس اور پریکٹیکلز کا بہانہ بنا کر افشاں نے فرحان سے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کنکشن کا مطالبہ کر دیا۔ وہ خود اس کے لیے کمپیوٹر، میز اور کرسی خرید کر لایا، انٹرنیٹ کنکشن لگوایا اور استعمال کرنا بھی سکھایا۔ اس اقدام پر ایک بار پھر اس کے بھائیوں نے کھل کر احتجاج کیا۔

''اگر تمہیں اتنا ہی اس کا خیال ہے تو بیاہ کر گھر لے جاؤ پھر جو چاہو کرو لیکن ہمارے گھر میں اس قدر آزادی کا کوئی تصور نہیں۔'' فرحان نے ایک جملے میں ان کے اعتراض کو رد کر دیا۔

''مجھے پڑھی لکھی بیوی چاہیے اور شادی کے بعد لڑکی ڈھنگ سے پڑھ نہیں پاتی۔'' سب کے منہ تو بند ہو گئے مگر افشاں کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ اس نے چند دنوں میں انٹرنیٹ پر دوستیاں بڑھائیں اور پھر میل جول تک بات جا پہنچی۔ انتقام کا آغاز ہو گیا تھا۔

☆☆☆

ایک اور یونیورسٹی میں فن فیئر تھا اور اس بار فورتھ ایئر کی لڑکیاں جا رہی تھیں۔

''فرسٹ ایئر کی قسمت میں بس جلنا کڑھنا ہی لکھا ہے۔'' منزہ جل کر بولی تو ماوی ہنس دی۔

''حق نہ ملے تو چھین لینا چاہیے بیوقوفو!'' ماہین نے ٹیچر کی میز پر چڑھ کر بیٹھتے ہوئے نعرہ لگایا تو سبھی لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''کیا مطلب؟ کیسے؟''

''مطلب اگر کالج والے نہیں لے جا رہے تو ہمارے پاؤں ٹوٹ گئے ہیں کیا؟ میں تو کل کالج سے چھٹی کروں گی اور خود چلی جاؤں گی۔ کالج والے تو ایک گھنٹے کے لیے لے کر جاتے ہیں، میں تو پورا دن وہاں گزاروں گی۔'' ماہین نے مزے سے گردن اکڑائی تو بہت سی لڑکیوں کے منہ لٹک گئے۔

''ہائے کتنی خوش قسمت ہے ماہین۔ ہمیں تو گھر سے اجازت ہی نہیں ملے گی اور اگر مل بھی جائے تو لے کر کون جائے۔ تم کیسے جاؤ گی ماہین؟'' منزہ کے پوچھنے پر

ماہین نے ایک ادا سے بھویں اچکا کر کندھے جھٹکے۔
''خود چلی جاؤں گی لوکل ہے۔'' سب لڑکیاں ماہین کی قسمت پر رشک کرنے لگیں جو اتنے لبرل ماحول سے تعلق رکھتی تھی۔ ہادی نے ان سب کو افسوس سے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر پاؤلو کوئلو کا ناول کھول لیا جو وہ اسی وقت لائبریری سے لے کر آئی تھی۔ دوسری طرف ایک نئی بحث چھڑ چکی تھی، چند اور لبرل خاندانوں کی لڑکیاں بھی ماہین کے پروگرام میں شریک ہوگئی تھیں۔

''یار اتنی بڑی یونیورسٹی ہے، ایک سے ایک ہینڈسم لڑکا وہاں ہوگا، کیا پتا مجھے بھی میرا راج کمار مل جائے۔'' ماہین نے جھومتے ہوئے کہا تو سب لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''ہنس کیوں رہی ہو بھئی، کیا ایسا نہیں ہوسکتا؟ یار میرا تو زندگی کا ایک ہی مقصد ہے بس، ایک ہینڈسم سا مالدار لڑکا جو مجھے کہے ماہی میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور پھر وہ مجھے ڈھیر سارے گفٹس اور پھول دیا کرے، مجھے کینڈل لائٹ ڈنرز کرایا کرے، میری برتھ ڈے سیلبریٹ کیا کرے پھر میرے لیے رشتہ بھیجے اور میں سب سے مہنگا ڈریس پہن کر سب سے مہنگے پارلر سے تیار ہو کر اس کے ساتھ رخصت ہو جاؤں۔ اُف یار میرے کیا، کیا خواب ہیں تم لوگ کیا جانو۔'' وہ خیالوں میں گم ایک جذب کے عالم میں بولی اور سب لڑکیاں اس کی دیوانگی پر ہنسنے لگیں۔

''اور پھر تمہاری آنکھ کھل جائے.....'' فروا بولی تو پہلے سے بھی زیادہ زوردار قہقہے بلند ہوئے۔ فروا ہنستے ہوئے بولی۔ ''ویسے ماہی، وہ جو تمہارے آئی ایم ایس سے ایم بی اے کرنے کے خواب تھے وہ کیا ہوئے؟ ہم تو سمجھتے تھے تم بڑی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواب دیکھتی ہو، پر تم تو اعلیٰ لڑکا حاصل کرنے کے خواب دیکھتی ہو۔'' اس کی بات پر ماہین نے بری طرح آنکھیں نکال کر اسے گھورا اور گردن اکڑا کر بولی۔

''آئی ایم ایس سے ایم بی اے کرنا بھی تو اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ناں یار۔ اب دیکھو، یہاں کیا بس لڑکیوں کے بیچ یونیفارم پہنے بچوں کی طرح اسٹڈی کرتے ہیں۔ وہاں ڈپارٹمنٹ میں لڑکے بھی ہوتے ہیں، لڑکیاں تیار شیار ہو کر جاتی ہیں، لڑکوں کو امپریس کرتی ہیں۔ سوچو ناں یار کتنا فنٹاسٹک ماحول ہوتا ہے یار۔ ایسے میں کوئی اچھا سا لڑکا بھی ٹکرا جائے تو کیا مزے میں تو وہاں بھی بس اسی لیے جانا چاہتی تھی مگر یہاں بھیج دی گئی۔ تم لوگ دیکھنا بی ایس سی کے بعد میں وہیں جاؤں گی اور جب ہینڈسم لڑکا ملے گا تو تم سب کو ملواؤں گی۔'' سب لڑکیاں اس کی بڑھکوں پر ہنسنے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتی تھیں۔

''اے، کیا سوچ رہی ہو؟ تم چلو گی فن فیئر پر؟''
ماہین نے افشاں کو ٹہوکا دیا جو گہری سوچ میں غلطاں تھی۔

''نہیں .....'' اس نے سر جھکا لیا۔ ''وہاں فرحان کے دوست بھی ہیں، کیا پتا وہ بھی جائے، ایسی جگہوں پر میں نہیں جاسکتی۔ تم کس کے ساتھ جاؤ گی؟''

''فرمین کا موڈ ہوا تو اسے لے جاؤں گی ورنہ اکیلی چلی جاؤں گی۔ مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں اجازت کا۔ صبیحہ اور نمرہ بھی جانے کا کہہ رہی ہیں۔ دیکھو کل کون، کون ملتا ہے وہاں۔'' ماہین نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔ افشاں نے رشک سے اسے دیکھا۔ اس کے لیے یہ واقعی کوئی بڑی بات نہیں تھی کیونکہ وہ ایک بے حد لبرل خاندان سے تعلق رکھتی تھی جہاں آنے جانے، پہننے اوڑھنے، کسی بھی معاملے میں اس پر کوئی پابندی نہ تھی۔ افشاں کے نزدیک یہ نعمت تھی لیکن درحقیقت.....

☆☆☆

ہلکی سی بیس، کاجل، آئی لائنر، مسکارا اور لپ گلوس۔ یہ تھا اس کا سنگار..... اسٹائلش کپڑے، اسٹائلش سی فلیٹ جوتی اور کندھوں سے نیچے جاتے سیدھے سلکی بال جو کھلے چھوڑے ہوئے تھے، اس کا فیشن ہوا مکمل۔ نہ وہ کیمسٹری بننے پر یقین رکھتی تھی نہ بے تحاشا ساز و سامان خود پر لادتی تھی۔ اس کا اعتماد اس کا سنگار تھا اور چہرے کی بے نیازی اس کا میک اپ۔ جیولری کے نام پر گلے میں ایک اسٹائلش سی مالا اور ہاتھ میں نازک سا بریسلیٹ..... وہ اتنے میں ہی لوگوں کو اپنا

اسیر کر سکتی تھی۔ وہ اپسرا تھی نہ حور پری پھر بھی جہاں جاتی دل دھڑکا دیتی وہ سانولی سلونی حسینہ، جسے معلوم تھا کہ وہ حسین نہیں لیکن اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کا سلونا چہرے بھی کئی لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس کے پورے چہرے کے نقوش میں قابلِ ذکر اس کی پلکیں تھیں، لمبی گھنی اور مڑی ہوئی، یوں لگتا اس نے مسکارا لگا رکھا ہے۔ بس وہی پلکیں اس کے پورے چہرے کی شان تھیں۔ وہ فلرٹ تھی نہ اس کا کوئی بوائے فرینڈ تھا لیکن وہ عام سے خواب دیکھنے والی عام سی لڑکی تھی اور اسے بھی ہر عام لڑکی طرح چاہے جانے کی خواہش تھی۔ ہر عام سی لڑکی کی طرح لو میرج یعنی محبت کی شادی اس کی خواہش تھی۔ یہ اور بات کہ ہزاروں چاہنے والوں کے باوجود اب تک ایسا کوئی نہیں ملا تھا جو اس کے دل کو بھا جاتا لیکن وہ ہمت نہیں ہاری۔ اسے لو میرج کرنا تھی، ہر صورت۔ وہ آئیڈیلسٹ تھی جسے رومانوی فلمیں بھاتی تھیں اور وہ ان میں موجود ہیروز جیسے جیون ساتھی کے خواب دیکھتی تھی۔

وہ یعنی ماہین کریم.....اسی شان سے اس فن فیئر میں شریک ہوئی جہاں جاتے ہی وہ ہمایوں خان آفریدی کے دل کو دھڑکا گئی۔ ہاں وہ ماہین تھی جس کے پنڈال میں داخلے پر ہمایوں، سعد کی طرف جانا بھول گیا اور پھر اس کے قدم خود بخود پھولوں کے سٹال کی طرف بڑھے۔ ساتھ ہی اس کی نظریں ماہین کے قدموں سے لپٹی تھیں جو ترتیب وار اسٹالز دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ہمایوں نے ایک گلاب کی کلی خریدی، وِش کارڈ لے کر اس پر اپنا نام، موبائل نمبر اور ای میل ایڈریس لکھا اور ماہین کے پیچھے چل پڑا۔ ہمایوں کا پچھلا ریکارڈ ٹوٹنے جا رہا تھا۔ پہلی بار لڑکی آگے تھی اور وہ پیچھے۔ پہلی بار اس نے اپنے تمام اصول بھلا کر اس لڑکی کا پیچھا کیا اور جیولری اسٹال پہ اسے جالیا۔

''ایکسکیوزمی .....'' ہمایوں نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اسے پکارا۔ وہ اپنی ازلی بے نیازی سے مڑی، سوالیہ نگاہوں نے اس کے چہرے سے ہاتھ میں موجود کارڈ تک کا سفر طے کیا، چند لمحے سوچا پھر کارڈ

غزل

درد سینے میں ضم کرو
ابھی جگہ ہے تم اور ستم کرو

یہ کس نے کہا تم سے
میری بربادی کا ماتم کرو

تم ہی نے فاصلے بڑھائے تھے
تم ہی یہ فاصلے کم کرو

جلے ہیں اشکوں کے دیے
لو چراغوں کی مدھم کرو

مجھے بلانے سے پہلے ذرا تم
گزرے دنوں کا ماتم کرو

سنگ رہنے کا کیا تھا جو وعدہ
اِک بار پھر میرے صنم کرو

شبِ غم منتظر ہے آؤ
دل توڑنے کی رسم کرو

کلام: فصیحہ آصف خان، ملتان

اور کلی لے لی، بنا مسکرائے، بنا کوئی تاثر دیے۔ اور یوں آگے بڑھ گئی جیسے وہ رکی ہی نہ ہو۔ ہمایوں ساکت کھڑا رہ گیا، پھر سر جھٹک کر چہرے پر ہاتھ پھیرا اور واپس مڑا تو سعد، راشد، حسان اور جنید کو ایک دوسرے کے کندھوں پر ہاتھ رکھے حیرت زدہ کھڑے پایا۔ وہ کچھ خجل سا ہو گیا۔

''اگر میری گناہ گار آنکھوں نے غلط نہیں دیکھا تو، تو نے.....یعنی ہمایوں خان آفریدی نے کسی لڑکی کو پھول اور کارڈ دیا۔ مطلب، پتھر میں جونک لگ گئی؟'' سعد ڈرامائی انداز میں بولا۔ باقی تینوں کے منہ بھی کھلے ہوئے تھے۔ ہمایوں کھسیا کر بالوں میں انگلیاں چلاتا دائیں بائیں دیکھنے لگا..... نہ تائید، نہ تردید۔

''ابے کچھ تو بول!'' حسان نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑا تو وہ سکون سے مسکرا دیا۔

''اس میں ایسی انہونی کیا ہے؟ اچھی معقول لڑکی تھی بس دے دیا کارڈ اور پھول۔'' اس نے بے نیازی کا خول لپیٹنے کی ناکام کوشش کی اور اپنی اس کوشش کی

ناکامی پر خود بھی کوفت کا شکار ہوا۔

''چل بچے... بھابی مل گئی... بھابی مل گئی...'' راشد نے تان لگائی تو باقی تینوں بھی لہکنے لگے۔ ہمایوں نے ناگواری سے ان چاروں کو دیکھا۔

''اسٹاپ اٹ یار! یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ اگر میں نے کسی لڑکی کی طرف پیش قدمی کر دی تو وہ بھابی ہو گئی۔ وہ بھی تتلی ہی ہے بس ذرا انداز مختلف ہے۔ چند روز میں کھل کر سامنے آ جائے گی۔ لگا لو شرط...'' جنید نے اس کی بات پر ناگواری سے پہلو بدلا لیکن وہ ہمایوں سے بحث کر سکتا تھا نہ ہی اس کی مخالفت مول لے سکتا تھا۔ ایسی کوشش وہ پہلے ایک بار کر چکا تھا اور اسے باقی چاروں کے بھی منفی ردعمل کا شکار ہونا پڑا تھا۔ اس لیے اب وہ خاموش ہی رہتا تھا۔ اسے بذات خود ہمایوں کا لڑکیوں کو استعمال کر کے چھوڑ دینا سخت برا لگتا تھا۔ اس کی دوستی بچپن سے تھی اور وہ اس کے ساتھ سنجیدہ تھا نہ وہ فلرٹ کا قائل تھا اور نہ وقت گزاری کا۔

''نہیں یار! مجھے وہ لڑکی مختلف لگی، وہ فلرٹ کے لیے نہیں ہے۔'' سعد سنجیدہ ہوا تو ہمایوں نے طنز سے سر جھٹکا۔

''دیکھ لیں گے۔ تمہارا مشاہدہ درست ثابت ہوتا ہے یا میرا تجربہ...''

☆☆☆

بھیگا فروری رخصت ہو رہا تھا، دھوپ بھی نرم تھی۔ لان میں جگہ جگہ لڑکیاں ٹولیوں کی صورت میں بیٹھی پڑھائی میں مگن تھیں۔ کچھ ٹیچرز اپنی کلاس کو ہی لان میں لیے بیٹھی تھیں اور ایسا صرف اس لیے تھا کہ لڑکیاں دھوپ بھی سینک لیں اور آنے والے اختتامی امتحانات کے لیے پڑھائی بھی کر لیں۔ اکثر ان دنوں میں ٹیچرز اپنا پیریڈ فارغ دے دیا کرتی تھیں، اس وعدے کے ساتھ کہ کالج میں بدنظمی پھیلتی دکھائی نہ دے اور طالبات جہاں بھی نظر آئیں صرف پڑھائی کرتی نظر آئیں۔ ان سب پریشانیوں کے باوجود بھی، کچھ من چلی لڑکیاں ایسی تھیں جو موج مستی میں مگن تھیں۔ کوئی سالگرہ منا رہی تھی تو کوئی کسی دوست سے ٹریٹ لے رہی تھی، کہیں خوش گپیاں چل رہی تھیں تو کہیں کسی کی منگنی شادی کی البم دیکھی جا رہی تھی۔ ماوی اور منزہ نے بھی آپس میں نوٹس بنانے کا کام بانٹ رکھا تھا اور وہ اپنا، اپنا کام نمٹا رہی تھیں۔ منزہ کام کے بیچ میں چٹکلے چھوڑتی رہتی تھی۔ اس وقت بھی لکھتے، لکھتے اچانک اس نے سر اٹھایا اور سوال داغ دیا۔

''ماوی امتحان کے لیے گھر جاؤ گی یا ہاسٹل میں رہ کر ہی تیاری کرو گی؟'' وہ جو ہوم مینجمنٹ کی موٹی سی کتاب سے تیزی سے پوائنٹس کاغذات پر اتار رہی تھی، لمحہ بھر کو چونکی مگر پھر سر اٹھائے بنا ہی بے تاثر لہجے میں بولی۔

''نہیں یار، ہاسٹل میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔ کوئی بات سمجھ نہ آئی یا کسی مضمون میں مسئلہ ہوا تو مدد کے لیے دوست تو موجود ہوں گی ناں۔ گھر چلی گئی تو مسئلہ ہونے کی صورت میں کس سے مدد لوں گی؟ ہمارے تو مضامین بھی ماورائی قسم کے ہیں۔'' مصروف انداز میں کہتی وہ آخر میں ہلکا سا ہنس دی۔ منزہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر بال پوائنٹ کا پچھلا سرا ٹھوڑی پر ٹکا کر بولی۔

''تم میرے گھر کیوں نہیں چلتیں، مل کر پڑھائی کریں گے تو زیادہ اچھی تیاری ہو جائے گی اور گھر کی توجہ بھی ملے گی، ورنہ ہاسٹل میں تو اپنے کام کاج کے لیے بھی ہزار بار اٹھنا پڑتا ہے، پڑھائی متاثر ہوتی ہے۔'' ماوی کا تیزی سے چلتا ہاتھ رکا اور چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔

''نہیں منزہ! پلیز برا مت ماننا تمہارے گھر پڑھ نہیں پاؤں گی میں۔ تمہاری پیشکش کا شکریہ۔'' اس کے صاف انکار پر منزہ کا چہرہ اتر گیا۔

''تم بھائی کی وجہ سے کہہ رہی ہو ناں؟'' منزہ کی صاف گوئی پر ماوی ساکت رہ گئی۔ اب پڑھنا لکھنا ناممکن تھا، اس نے پین کا ڈھکن لگا کر اسے بیگ میں رکھا اور تمام کاغذات سمیٹ کر کتاب کے درمیان رکھ کر کتاب بند کر دی۔ پھر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر پوری طرح منزہ کی طرف متوجہ ہو کر بولنا شروع ہوئی۔

''منزہ! بڑے بوڑھے کہتے ہیں جس گاؤں جانا نہیں اس کے کوس کیا گننے؟'' پھر ذرا کی ذرا رک کر بولی۔ ''ہاں میں تمہارے بھائی کی وجہ سے منع کر رہی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ ہمارا بار، بار سامنا ہو اور کسی کمزور لمحے کی اسیری مجھے بھی اس راہ پر لے جائے جس پر ثمینہ چلی اور گمنام ہو گئی۔ کیا کرنا ہے ایسی محبت کا جس کا آغاز اندیشے اور انجام ہولناک ہو۔'' اس کے لہجے میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں تھیں، ان کی چبھن تھی، درد کے نوحے تھے۔ وہ خود اندر سے مسلسل شکست و ریخت کا شکار تھی۔

''ایسا کیوں سوچتی ہو ماوی! ہمارا آدھا خاندان پولیس میں ہے۔ بابا بھی ریٹائرڈ ڈی آئی جی ہیں۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم سے ٹکر لینا تمہارے خاندان کے لیے اتنا بھی آسان ثابت نہیں ہوگا۔''

ماوی اس کی بات پر استہزائیہ ہنسی۔

''فرید بھی کسی گرے پڑے خاندان کا نہیں تھا منزہ... لیکن ہار گیا ناں۔ تم میرے خاندان کے بارے میں ابھی کچھ جانتی نہیں ہو۔''

''تو کیا تم بھائی اور ہم سب کی محبتوں کو فراموش کر دو گی؟ ایسے جی لو گی کیا؟'' اور بس... ماوی کی برداشت ختم ہو گئی۔ اس نے سختی سے لب بھینچ لیے۔ آنسو اختیار سے باہر ہوئے تو وہ گھٹنوں میں سر دے کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ منزہ نے اسے رونے دیا، اس کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ وہ بہت دیر تک روتی رہی پھر جب بوجھ قدرے کم ہوا تو ہتھیلیوں سے آنسو رگڑ ڈالے۔ منزہ نے بیگ سے منرل واٹر کی بوتل نکالی اور اس کے آگے کر دی۔ اس نے چند گھونٹ پیے اور تھوڑا پانی ہتھیلی میں بھر کر چہرے پر چھپاکے مارے، پھر سکون سے بیٹھ گئی۔ دونوں کے بیچ خاموشی در آئی، پھر منزہ نے ہی خاموشی کا قفل توڑا۔

''ماوی تمہاری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہیں ہو گا۔ لیکن زندگی میں جب بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کا موقع ملے تو میرے بھائی کی طرف ضرور دیکھنا۔ وہ وعدہ کر چکا ہے کہ اس کی زندگی تمہارے نام ہے اور اس زندگی میں کسی اور کو شامل نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ تمہیں ہمیشہ وہیں کھڑا ملے گا جہاں اس نے پہلی بار تم سے پیمان باندھا تھا۔'' ماوی چہرہ جھکائے گھاس کے تنکے نوچ رہی تھی۔ مقابل سے فرار کے لیے یہ بہترین مشغلہ ہوتا ہے۔ مفرور کو شغل مل جاتا ہے اور معصوم تنکوں کی شامت آ جاتی ہے۔

''میں نے صرف مشترکہ پڑھائی کی غرض سے کہا تھا، تم بالکل بے فکر رہو بھائی تمہارے سامنے نہیں آئے گا۔ باقی سب بھی دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔ بس تم میری خاطر امتحان کے یہ دو ہفتے میرے گھر گزار لو ماوی پلیز۔'' منزہ کا انداز ملتجی ہو گیا۔ ماوی ان سب کی ڈھیروں بے لوث محبتوں کی مقروض تھی، اس کی نمی کو نمی کب آئی تھی۔ پھر محبتوں سے دامن چھڑانا آسان کب ہوتا ہے۔ اپنے تئیں تو ماوی محبت پر بند باندھ چکی تھی لیکن بند کو توڑنے کے لیے تو ایک سوتا ہی کافی ہوتا ہے۔

☆☆☆

بے کلی بھرے دن اور بے سکونی بھری راتیں، ایک مسلسل کشمکش... وہ کتابیں اور نوٹس بکھرا کر بیٹھتی اور ایک لفظ بھی نہ پڑھ پاتی۔ ہر لفظ پر احمر لکھا نظر آتا، ہر صفحے پر اس کی تصویر نظر آتی۔ جاؤں... نہ جاؤں... یہی تکرار دماغ کو الجھائے رکھتی۔ احمر کی محبت، اس کے گھر والوں کی انمول چاہت، ہاسٹل گیٹ پر کہے اس کے وہ آخری الفاظ... اور وہ خاص وعدہ... کوئی لمحہ ان جملوں کی بازگشت سے خالی نہ جاتا۔

''تمہارا فیصلہ جو بھی ہوا، تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ کھڑا پاؤ گی۔ خواہ تمہارا فیصلہ ہزار بار بدلے، میں تمہیں ہمیشہ اسی جگہ کھڑا ملوں گا... ہر بار۔'' بس یہ چند جملے اس کے گرد آکٹوپس کی طرح لپٹ گئے تھے۔ وہ ان لمحات کے فسوں سے باہر نکل ہی نہیں پا رہی تھی، جیسے کسی فولادی حصار میں ہو۔ عجب بات یہ تھی کہ یہ فولادی حصار احتشام کی محبت کے حصار جیسا گھٹن زدہ اور تکلیف دہ نہیں لگتا تھا۔ یہ حصار تحفظ اور نرمی کا احساس دیتا تھا۔ جیسے سرد موسم میں کسی نے محبت سے اس کے ٹھٹھرتے وجود کے گرد اونی شال لپیٹ دی ہو،

ایسا ہی نرم گرم سا احساس تھا۔ ایسا ہی باوقار تھا احمر بھی اور اس کی محبت کا اظہار بھی۔ کوئی اوچھی حرکت، نہ ٹھرڈ کلاس جملے، نہ ملاقاتوں کا تقاضا، نہ بے باک ہوتی نگاہیں کچھ بھی تو قابل گرفت نہ تھا۔ اس کی محبت کے اظہار میں بھی اس کے گھر والے امین بنے، سفیر بنے۔ کہاں ملتا تھا ایسا اعلیٰ خاندان، ایسا باپ جو باپ سے بڑھ کر چاہنے والا سسر بنے، ایسی ساس جو ماں سے بڑھ کر لاڈ پیار دے، ایسی نندیں اور دیور جو اس کے تمام جذباتی خلا پُر کر دیں۔ وہ جتنا سوچتی اس کا دل منزہ کے گھر کی طرف مائل ہوتا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس کے مائل ہونے میں احمر کی محبت سے زیادہ اس کی اپنی ازلی محرومیوں کا زیادہ عمل دخل تھا۔ جسے گھر سے محبت نہ ملے وہ اس کی تلاش میں گھر سے باہر جھانکتا ہی ہے۔

نہ وہ بھی علیحدگی میں احمر سے ملی، نہ بات چیت ہوئی، نہ تن وہ اس کی عادات اور مزاج سے بخوبی واقف تھی جو اس کی اسیر ہو جاتی۔ یہ تو اس کے گھر والوں کی محبتیں اور ان کے گھر کا خوب صورت ماحول تھا جو ماوئی کو اس محبت کی حوصلہ افزائی پر اکسا رہا تھا۔ بالآخر وہ ہار گئی۔ اس کشمکش کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور امتحانات کے لیے منزہ کے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن یوں بار بار وہاں جانا اسے ان کا مزید عادی بنا رہا تھا اور اسے پُرخطر راہوں پر قدم رکھنے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ وہ خطرات کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوتی جا رہی تھی اور ستم تو یہ تھا کہ اس حقیقت سے بے خبر بھی تھی۔ ویک اینڈ پر وہ تمام کتابیں، نوٹس، یونیفارم اور دیگر ضروری سامان سمیت منزہ کے گھر پر تھی۔ وہاں کا ماحول وہی تھا...... محبتیں اور چاہتیں...... بس ایک کمی تھی، حسب وعدہ احمر نظر نہیں آتا تھا۔ ایک آدھ جھلک نظر آئی بھی تو بس آتے یا جاتے ہوئے۔ منزہ کے ممی بابا نے بھی ایسی کوئی بات نہ کی جس سے وہ ذہنی طور پر پریشان ہوتی لیکن وہ پھر بھی پریشان ہو رہی تھی۔ پڑھائی میں دل لگانا مشکل لگ رہا تھا لیکن منزہ زبردستی اسے پڑھائی کی طرف مائل کر ہی لیتی۔ اب جب کہ کوئی بھی احمر کا تذکرہ نہیں کرتا تھا تو اس کا دل کرنے لگا کہ سب اسی کی بات کریں، اس کا ذکر چھیڑیں، منزہ پھر سے اپنے بھائی کی وکالت کرے، ممی بار، بار اس سے اپنی محبت کے پیچھے چھپی خواہش کا تذکرہ کریں، نائمہ اسے چھیڑے...... لیکن سب صرف پڑھائی کی بات کرتے۔ منزہ بھی پڑھائی کے علاوہ کوئی فالتو بات نہ کرتی۔ اس ذہنی حالت کے ساتھ وہ ہاسٹل میں رہتی تو واقعی فیل ہو جاتی۔ اسے یہاں آ جانے کا اپنا فیصلہ درست لگا کیونکہ جیسے تیسے ہی سہی منزہ اسے پڑھائی میں الجھانے میں کامیاب ہو ہی جاتی تھی کیونکہ وہ اس کی ذہنی کشمکش کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اچھے دوست بھی نعمتِ خداوندی ہوتے ہیں۔ ممی نے بھی ان دونوں کا بے حد خیال رکھا حتیٰ کہ امتحانات بخیر و خوبی ختم ہو گئے۔

دونوں کے پیپرز بہت اچھے ہوئے تھے۔ امتحانات کے بعد کالج کی طرف سے ایک ہفتے کی چھٹی کا اعلان ہوا تو منزہ ایک بار پھر اس کے سر ہو گئی کہ وہ ان کے گھر ہی رہے۔ اس کے اپنے اندر مخالفت دم توڑتی جا رہی تھی، وہ نرم پڑتی جا رہی تھی۔ گھر فون کر کے اس نے پریکٹیکلز اور پراجیکٹس کا بتایا اور ہاسٹل سے مزید کپڑے اور ضروری سامان اٹھا لائی۔ اس کے گھر والوں کو تو ویسے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا لیکن اس کے لیے وہ ایک ہفتہ یادگار ترین ثابت ہوا۔ اس نے ایک خاندان کے فرد کی طرح اس گھر میں زندگی کے تمام رنگ دیکھے۔ احمر پھر سے گھر میں نظر آنے لگا کیونکہ ان کے امتحان ختم ہو چکے تھے اس لیے وہ بھی ہر وعدے سے آزاد ہو گیا تھا۔

☆☆☆

مارچ کی دوپہریں قدرے لمبی اور کم خنک ہوتی ہیں، دن کے وقت آرام کرنے کے لیے چند گھنٹے مل ہی جاتے ہیں۔ ماوئی کو دن میں سونے کی عادت نہ تھی جبکہ دن کی نیند منزہ کے معمولات میں شامل تھی۔ وہ ماوئی سے باتیں کرتے، کرتے سو گئی تو وہ بور ہونے لگی اور برآمدے میں آ کر ٹی وی آن کر لیا۔ سینٹر ٹیبل پر معمول کے مطابق ڈرائی فروٹس کی ڈش رکھی تھی۔ اس نے مٹھی بھر بادام اٹھا لیے اور چینل تبدیل کرنے کا شغل کرنے لگی۔ منزہ کے ممی بابا کسی رشتے دار کی عیادت کے لیے گئے ہوئے تھے، نائمہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ احمر اور اظفر اپنے کمرے میں تھے۔ برآمدے کی بڑی، بڑی کھڑکیوں پر بھاری پردے پڑے ہوئے تھے، ماحول نرم گرم سا تھا۔ وہ آرام دہ انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے پانچ منٹ ہی گزرے ہوں گے جب احمر کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا۔ ماوئی حواس باختہ سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

''بیٹھی رہو، میں پڑھائی کر رہا تھا تو بس باورچی خانے سے بسکٹ اٹھانے آیا تھا۔'' وہ کچھ متذبذب سی واپس بیٹھ گئی۔ احمر نے باورچی خانے سے کچھ بسکٹ اٹھائے اور پھر اس کے پاس سے گزرتے ہوئے رکا۔

''پیپرز اچھے ہو گئے تمہارے؟'' اس نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ احمر چند لمحے چپ کھڑا رہا جیسے الفاظ ترتیب دے رہا ہو جبکہ ماوئی نے نظریں ٹی وی اسکرین پر یوں گاڑ رکھی تھیں جیسے کوئی خون آشام بلا دیکھ لی ہو۔

''امتحانات میں، میں نے حسب وعدہ تمہیں پریشان نہیں کیا لیکن کیا اب میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے میرے بارے میں کیا سوچا؟'' ماوئی نے سر اتنا جھکا لیا کہ اس کے تاثرات پڑھنا مشکل ہو گیا۔ اس نے بمشکل حلق سے آواز نکالی۔

''آپ سب کی محبتوں اور خلوص کی میں دل سے قدر کرتی ہوں لیکن بہت بزدل بھی ہوں۔ اتنی بڑی جرأت بلکہ بغاوت کرنا آسان بالکل بھی نہیں۔ میرے خاندان میں ایسی جرأت کی مثال عبرت بنی پہلے سے ہی موجود ہے۔'' احمر نے ضبط سے نچلا ہونٹ کچلا۔

''میں تمہیں بغاوت پر نہیں اکسا رہا۔ میں بس بتانا چاہتا ہوں کہ زندگی میں کبھی تمہیں لگے کہ تم ہماری محبتوں کے بغیر جی نہیں پا رہی تو ہم تمہیں مکمل مدد اور تحفظ دیں گے۔ گھٹن کے خلاف آواز اٹھانا جائز ہے، بغاوت نہیں۔ کسی بھی موقع پر خود کو تنہا مت سمجھنا۔ میں تمہاری سوچ کی قدر کرتا ہوں لیکن تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنے کی خواہش اب میری بے بسی بنتی جا رہی ہے۔ تم کہو یا نہ کہو، میں اس وقت تک تمہارا انتظار کروں گا جب تک تمہاری شادی شدہ زندگی کی خوش حالی اور تمہارے دلی سکون کی ضمانت سے مطمئن نہیں ہو جاتا۔'' بات مکمل کر کے وہ مڑا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا، مزید کوئی سوال جواب کیے بنا۔ بیڈ رومز کو جاتے مختصر کاریڈور میں نیم تاریکی سی پھیلی تھی۔ وہ کمرے کے اندر چلا گیا تو اس کی پشت کو دیکھتی ماوئی نے تھک کر سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔ برآمدے کی کھڑکیوں پر پڑے پردوں سے چھن کر آتی نرم سی دھوپ باہر کے موسم کا پتا دے رہی تھی۔ ماوئی کی آنکھوں میں نمی بھرنے لگی تو اس نے آنکھیں موند لیں۔ نہ جانے کس چیز کی نمی تھی، محبت کی، محرومی کی، چاہ کی یا بے بسی کی؟ ہاں شاید بے بسی کی، کیونکہ نہ تو محبت کی چاہ پر اس کا کوئی زور چلتا تھا نہ وہ محرومی دور کرنے پر قادر تھی۔ وہ صرف بے بس تھی۔ ازل سے بے بس......

☆☆☆

شام کو ممی بابا گھر آئے تو احمر اور منزہ نے باربی کیو کا پروگرام بنا لیا۔ ممی نے بہت کہا کہ پروگرام اگلے دن پر رکھو لیکن منزہ نے انہیں باورچی خانے میں دھکیل کر ہی دم لیا۔ انہوں نے ہنستے ہوئے فریزر سے چکن کے پیکٹ نکال کر اوون میں پگھلانے کے لیے منزہ کے حوالے کیے اور مسالا تیار کرنے لگیں۔ نائمہ پھرتی سے اسٹول پر چڑھ کر اوپری کیبنٹ سے انگیٹھی اور سیخیں نکالنے لگی، بابا دری اور چٹائی اٹھائے باہر لان میں بیٹھنے کا انتظام کرنے چل دیے اور احمر کوئلے خریدنے بھاگا۔ صرف ایک اظفر تھا جو مزے سے کارٹون دیکھنے میں مگن تھا۔ ماوئی یونہی ٹوکری میں پڑی سبزیاں الٹ پلٹ کرنے لگی، یکایک اسے ایک خیال آیا۔

''ممی! میں رشین سلاد بنا لوں؟'' ممی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''باربی کیو کے ساتھ رشین سلاد...... جیو ماوئی کیا زبردست مینیو بنایا ہے۔'' مائیکرو ویو سے چکن نکال کر ممی کے سامنے رکھتی منزہ نے نعرہ مارا تو ممی مسکرا دیں۔

''ضرور بناؤ بیٹا...... مگر پہلے ذرا فریج میں مایونیز چیک کر لو۔'' اسی وقت بابا نے باورچی خانے میں

جھانکا اور سنجیدگی سے بولے۔

''اور میٹھا منزہ کے ذمے'' منزہ بری طرح اچھلی۔

''نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا پلیز۔ بھلا باربی کیو کے ساتھ بھی کچھ اور اچھا لگتا ہے؟'' ممی چکن پر مکسچر لگاتے ہوئے معنی خیزی سے مسکرائیں، بابا آنکھیں گھما کر بولے۔

''ہاں! یہ تو بالکل صحیح کہا تم نے منزہ، بھلا باربی کیو کے ساتھ بھی کچھ اور اچھا لگتا ہے؟ رکھو یہ سبزیاں ہادی، کوئی سلاد وولاد نہیں بن رہا۔'' ہادی کھلکھلا کر ہنس دی تو منزہ کا منہ پھول گیا اور بابا ہنستے ہوئے باہر نکل گئے۔

''ممی۔'' منزہ ٹھنکی۔

''جی ممی کی تھکی بچی.....'' ممی کے انداز پر ہادی اور منزہ دونوں ہنس پڑیں پھر ہادی مصالحانہ انداز میں بولی۔

''فکر نہ کریں ممی میٹھا بھی میں بنالوں گی۔''

''تھری چیئرز فار ہادی، ہپ ہپ ہرے.....''

منزہ نے نعرہ لگا کر ہادی کو چوما تو نائمہ معنی خیزی سے بولی۔

''یو آر رونگ آپی..... تھری چیئرز فار بھابی ہونا ہے۔'' ہادی کا چہرہ تیزی سے سرخ ہوا، اس نے سر جھکا لیا۔ منزہ یک دم چپ ہوئی، ممی نے نائمہ کو گھورا تو وہ باہر نکل گئی۔ ہادی سر جھکائے سبزیاں کاٹنے لگی۔ انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

''میٹھے میں کیا بناؤ گی ہادی؟ سامان دیکھ لو اگر کچھ منگوانا ہے تو احمر مارکیٹ گیا ہے کوکلے لینے، اسے کال کر کے بتادیں گے تو وہ لیتا آئے گا۔'' ہادی نارمل ہوگئی۔

''جی ممی میں لسٹ بنا دیتی ہوں، آپ کال پر لکھوا دیجیے گا۔'' کچن رول سے ہاتھ صاف کر کے اس نے میز پر پڑا اچٹ پیڈ اٹھایا اور لسٹ بنانے لگی۔ اس کا مان، استحقاق، اپنائیت اور پھر ممی کہنا ان کا دل لے گیا۔

''میں کافی ڈیلائٹ بنانے کا سوچ رہی ہوں، ایک بار ایک دوست نے ہاسٹل میں بنائی تھی مجھے مزے کی لگی تھی اور بے حد آسان بھی ہے۔'' اس نے لسٹ ممی کو تھماتے ہوئے بتایا۔ عین اسی وقت احمر نے باورچی خانے میں قدم رکھا تو ممی نے سر پر ہاتھ مارا۔

''لو دیکھو ذرا، احمر تو واپس بھی آ گیا۔ اب کیا کریں؟'' ہادی رخ موڑ کر مایونیز پھینٹنے لگی۔

''کیا ہوا ممی؟''

''بیٹا ہادی میٹھا بنانے لگی ہے لیکن اس کا سامان موجود نہیں۔ تم مارکیٹ سے واپس بھی آ گئے ورنہ میں تمہیں کال کر کے بتانے والی تھی۔'' وہ مسالا لگا کر چکن فریج میں رکھتے ہوئے بولیں تو احمر نے ایک گہری نظر سر جھکائے مایونیز پھینٹتی ہادی پر ڈالی۔

''آپ لسٹ دے دیں، میں لا دیتا ہوں کوئی بات نہیں۔'' وہ نرمی سے بولا تو برتن دھوتی منزہ خوامخواہ گلا کھنکھارنے لگی۔ ممی نے بے اختیار آنے والی مسکراہٹ دبا کر اسے پرچی تھمائی تو وہ بری طرح کنفیوز ہوتا باہر نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی منزہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہادی بنا کوئی تاثر دیے انتہائی سنجیدگی سے مایونیز میں دہی اور کریم ملانے لگی۔ ممی نے منزہ کو گھورا تو وہ بھی سنجیدہ ہوگئی۔ اور پھر وہ رات ہادی کی زندگی کی انمول راتوں میں سے ایک شمار ہوگئی۔ روشنیوں سے جگمگاتے لان میں انگیٹھی سلگائے، ممی مسالا لگا کر چکن سیخوں میں پرو پرو کر بابا اور احمر کو دے رہی تھیں اور وہ تکے بناتے جا رہے تھے۔ فضا میں کوئلوں کے جلنے اور تکوں کے پکنے کی اشتہا انگیز خوشبو ماحول کو گرما رہی تھی۔ ساتھ ساتھ کولڈ ڈرنک کا دور چل رہا تھا اور وہ سب مل کر تکوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ رشین سلاد بھی درمیان میں کھایا جاتا رہا۔ منزہ مسلسل ہینڈی کیم سے تصاویر بنا رہی تھی۔ سب کی آپس میں نوک جھونک بھی جاری تھی۔ ہادی مسکراتے مسکراتے سنجیدہ ہو جاتی، ہنستے ہنستے آنکھوں میں موتی بھر لاتی۔ اس کا چہرہ احمر کی توجہ کا مرکز تھا۔ ان چند گھنٹوں میں اس نے ہادی کے چہرے پر کائنات کے ہزاروں رنگ دیکھ ڈالے۔ ہادی کی نظریں اس کی نظروں سے ملتیں تو وہ سر جھکا لیتا۔ وہ رات انہیں محبت کے جال میں جکڑ گئی۔ اس رات کے امر ہو جانے کی آرزو ہر فرد کے دل میں سرایت کر کر جڑ پکڑتی جا رہی تھی۔ باربی کیو کا پھیلاوا سمیٹ کر سب برآمدے میں آئے تب ہادی کی بنائی کافی ڈیلائٹ کا دور چلا اور وہ معدے کے راستے بھی احمر کے دل میں اترتی چلی گئی۔ اس کے لیے احمر کے دل تک جانے والا ہر راستہ کھلا تھا، وہ کوشش نہ بھی کرتی تو سیدھی دل میں ہی جا اترتی۔

☆☆☆

دو روز بعد معمول کے مطابق احمر یونیورسٹی، نائمہ اور اظفر اسکول روانہ ہو گئے اور چھٹیوں سے لطف اندوز ہوتی ہادی اور منزہ برآمدے میں بابا کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو گئیں۔ ممی اٹھ کر باورچی خانے میں گئیں تب بابا نے یک دم ہادی کو مخاطب کیا۔

''بھئی ہادی بیٹا! سلاد اور میٹھا تو تم نے لاجواب بنائے تھے، یہ بتاؤ کہ اب ہمیں اپنے ہاتھ کا کھانا کب کھلا رہی ہو؟'' ہادی کے ہاتھوں کے طوطے گویا سب اڑ گئے۔

''وہ..... انکل..... مجھے تو کوکنگ آتی ہی نہیں۔ یہ دو چیزیں بھی ایک دوست نے میرے سامنے بنائی تھیں تو میں نے سیکھ لیں۔ گھر میں سب کام نوکر کرتے ہیں اور کوکنگ بے بے یا بھابی کرتی ہیں۔ میرے کہنے کے باوجود بھی انہوں نے کبھی مجھے کوکنگ سکھانے میں دلچسپی نہیں لی۔'' اس کے انداز میں اس قدر شرمندگی تھی کہ منزہ کو ہنسی آ گئی لیکن بابا کی اگلی بات پر اس کی ہنسی کو بے اختیار بریک لگ گئے۔

''لیکن کوکنگ تو تمہیں سیکھنی پڑے گی کیونکہ احمر تو بہت خوش خوراک ہے۔'' ہادی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ روانی میں منہ سے نکلے جملے کی گہرائی کا احساس خود بابا کو بھی دیر سے ہوا۔ وہ خفت مٹانے کو فوراً اخبار میز پر رکھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔ منزہ کا ریموٹ پر چینل تلاش کرتا ہاتھ ایک انتہائی بور قسم کی ڈاکیومنٹری پر ساکت ہو چکا تھا۔ ہادی بھی بے حس و حرکت بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

ایس ٹی سی کیفے ٹیریا کے باہر کھلے آسمان تلے لگائی گئی کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ لڑکیاں ایک طرف بنے ہال روم میں جا کر بیٹھ رہی تھیں جو خاص طور پر خواتین کے لیے ہی بنا تھا البتہ کچھ بولڈ لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ باہر ہی بیٹھی تھیں۔ سڑک کے رخ پر رکھی میز کے گرد وہ پانچوں بیٹھے اپنے آرڈر کا انتظار کر رہے تھے۔

''کوئی لڑکی، بے حد عام سی لڑکی، ہمایوں خان آفریدی کو نظر انداز کر جائے..... یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟'' ہمایوں کی خود پسند فطرت کو ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھا۔ فن فیئر والے واقعے کو ایک ہفتہ گزر گیا تھا اور ماہین نے اس سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔

''ایک بات تو طے ہے بیٹا۔ وہ اگر کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو اب تک ہمایوں کے گلے میں جھول رہی ہوتی۔ اب تو مان لے کہ کچھ تو خاص ہے اس لڑکی میں۔'' راشد نے ویٹر کی لائی پلیٹوں میں سے ایک اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا تو ہمایوں کے چہرے پر ناقابل فہم تاثرات بکھر گئے۔ وہ اس کڑوی حقیقت کو کسی بھی طرح قبول نہیں کر پا رہا تھا کہ کوئی لڑکی ایسی بھی اس دنیا میں تھی جو اسے نظر انداز کر گئی تھی۔ سعد، راشد، جنید اور حنان اپنی اپنی قیاس آرائیوں میں مگن تھے۔

''یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ لڑکی آئی کہاں سے تھی۔ دیکھنے میں تو کالج گرل لگ رہی تھی لیکن یونیفارم میں ہوتی تو کچھ پتا چلتا۔'' جنید کی بات پر ہمایوں نے اکتا کر سر جھٹکا۔

''دفع کرو یار۔ ایک لڑکی ہی تو تھی، تم لوگ کیا اسے ملکۂ حسن بنا کر پوجنا شروع کر دو گے؟ وہ دنیا کی آخری لڑکی نہیں کہ ہم ہر وقت اسی کو موضوع بنائے رکھیں۔ بعض دفعہ عام سی لڑکیوں میں بھی بلا کا غرور ہوتا ہے۔ وہ بھی ایسی ہی ہوگی، اس لیے اب اس موضوع کو بند ہو جانا چاہیے۔'' اس نے قطعیت سے کہہ کر کولڈ ڈرنک کی بوتل منہ سے لگا لی تو باقی چاروں نے بھی سر ہلا کر اپنی اپنی پلیٹوں کی طرف توجہ مرکوز کر دی۔ اس روز کے بعد ان لوگوں نے دوبارہ اس موضوع کو نہیں چھیڑا لیکن ہمایوں اپنی ہتک بھلا نہیں پا رہا تھا۔ نظر انداز ہونے کا احساس اسے کچوکے لگاتا اور لاشعوری طور پر وہ ہر فنکشن میں اسے کھوجتا لیکن وہ تو جیسے غائب ہی ہو گئی تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا کیونکہ اس جیسے سطحی لڑکے محبت کے م سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ بس وہ مغرور لڑکی اس کے لیے

جیسے ایک [illegible] بن گئی تھی اور وہ دل سے متنفر تھا [illegible] سے سر من ہو جائے۔

[illegible]

اپریل کا مہینہ ہوم اکنامکس کالج کی بی ایس سی پر بڑا بھاری ہوتا۔ ٹیچرز بقایا کورس مکمل کروانے، ڈبہرائی کرانے، اسائنمنٹس اور پریکٹیکلز دینے میں مصروف اور طالبات ان سب کاموں کو وقت پر مکمل کرنے کی فکر میں ہلکان۔ ہر طرف ایک افراتفری کا سا سماں ہوتا۔ ستر فیصد طالبات تو کام ہی اس وقت کرتی تھیں جب ڈیڈ لائن سر پر آ جاتی۔ اس پر ستم یہ کہ ہر مضمون کے کل نمبروں میں سے پندرہ نمبر کالج ٹیچرز کے ہاتھ میں ہوتے جس کی بنا پر لڑکیاں ٹیچرز سے پنگے لینے سے گریز کرتیں کہ مبادا وہ فیل ہی کروا دیں۔ مئی کا مہینہ امتحان کی تیاری کے طور پر دیا جاتا، اس وجہ سے بھی اپریل خاصا مشکل مہینہ ہوتا۔ سارا سال ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی لڑکیاں اپریل میں نوٹس فوٹو کاپی کروا کروا کر پاگل ہونے لگتیں۔ اس سارے منظر میں ایم ایس سی بڑے آرام سے نظر آتی کیونکہ ان کی تیاری جولائی اور امتحان اگست میں ہوتے، اس لحاظ سے ان کے بھاری مہینے جون، جولائی کے ہوتے۔ ہوم اکنامکس کالج کے غم، غم عشق کو بھی دور بھگا دیتے ہیں اسی لیے ماوی بھی اپنا عشق بھلائے پریکٹیکلز میں مگن تھی اور منزہ اپنے دل کی خواہش بھلائے اس کی مدد میں مگن۔ ماہین بھی فن قصیر میں ملنے والے کارڈ اور کلی کا فسوں بھلائے سال بھر کے چھوڑے ادھورے کام نمٹانے میں گھن چکر بن گئی۔ زنیرا اور فارحہ نے بھی چند ماہ کے لیے اکیڈمی چھوڑ دی اور مزید کوئی بھی کورس سالانہ امتحانات کے بعد کے لیے اٹھا رکھا۔

ہاسٹل میں رہائش پذیر بہت سی طالبات مشترکہ پڑھائی کے فوائد کے پیش نظر چھٹیوں میں بھی گھر نہ جاتیں اور ہاسٹل میں ہی گروپس بنا کر پڑھتیں۔ کالج میں ٹیچرز بھی ہر وقت موجود ہوتی تھیں اس لیے کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا تو لڑکیاں اسی وقت کالج جا کر ٹیچر سے مشورہ کر لیتی تھیں۔ سالانہ امتحانات کے لیے ماوی نے بھی ہاسٹل میں رہنے کو ترجیح دی البتہ صرف ویک اینڈ تھوڑا آرام کرنے کے لیے منزہ کی طرف چلی جاتی۔ فروری کے امتحانات میں اس کے گھر گزارا وقت [illegible] کے لیے یادگار تھا۔ بیچ میں آئے مارچ اور اپریل کے مہینے جیسے پر لگا کر اڑ گئے اور مئی کی چھٹیاں شروع ہو گئیں۔ فرسٹ ایئر پلک جھپکنے جیسی کیفیات میں گزر جانے کو تھا، گزرتے وقت نے کسی کے دامن میں پھول بھرے اور کسی کے کانٹے۔ یہ اور بات کہ کسی نے پھولوں کو کانٹے سمجھ کر جھٹک دیا اور کسی نے کانٹوں کو پھول سمجھ کر گلے کا ہار بنا ڈالا۔

☆☆☆

کالج کی بسیں ایم ایس سی کی طالبات کو لینے چھوڑنے کے لیے چھٹیوں میں بھی چلتی تھیں، ایسے میں ایس سی کی کسی طالبہ کو پڑھائی میں کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ [illegible] میں آنا جانا کر لیتی۔ بی ایس سی کی طالبات عموماً [illegible] مسائل، پڑھائی یا پریکٹیکلز کی خاطر تین میں سے [illegible] دن تو کالج آتی ہی رہتیں۔ اسی سہولت کا فائدہ افشاں نے خوب اٹھایا۔ وہ ہر دوسرے تیسرے دن کسی نہ کسی [illegible] میں مدد کا بہانہ کر کے کالج آتی اور آدھا پون گھنٹا گزرنے کے بعد اس کے لیے گیٹ پر کوئی گاڑی آ جاتی اور وہ [illegible] میں بیٹھ کر چلی جاتی۔ چھٹی سے کچھ دیر قبل گاڑی [illegible] واپس چھوڑ دیتی اور وہ کالج بس میں گھر واپس چلی جاتی۔ پہلی بار جب وہ اس طرح کالج سے نکلی تو اس کا دل [illegible] طرح دھڑک رہا تھا۔ ہر غلط کام پر دل شروع شروع میں ایسے ہی دھڑک کر خبردار کرتا ہے لیکن بالآخر مر جاتا ہے، نہیں دھڑکتا۔ گھر والوں کو دھوکا دے کر، کالج والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یوں ڈیٹ مارنے کی ابتدا، امتحانات کی تیاریوں کے لیے ملنے والی چھٹیوں میں ہوئی۔ ضمیر ملامت کرتا رہتا ہے تا عمر...... لیکن مسلسل [illegible] کرتے رہنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ ضمیر اب مر گیا، عادی ہو گیا ہے، اب نہیں بولے گا...... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ضمیر خاموش ہوتا ہے نہ مرتا ہے، بس گناہوں کے ملبے تلے اتنا دب جاتا ہے کہ اس کی آواز ہم تک [illegible] پاتی۔ انٹرنیٹ چیٹ میں وقت طے ہوتا، ملاقات [illegible]

تعین ہوتا اور وہ ماں کو مطلع کر دیتی۔
''آرٹ کا پراجیکٹ جمع کروانا ہے، کل آخری تاریخ ہے۔''
''نیوٹریشن کے ایک چیپٹر کے نوٹس نہیں ہیں، ٹیچر سے لینے ہیں۔''
''سائیکالوجی کا ایک موضوع سمجھ نہیں آرہا، ٹیچر سے ملنا ہے۔''
''فزیالوجی کا پریکٹیکل جرنل چیک کروا کر نمبر لگوانے ہیں۔''
اختر بیگم کیا جانیں یہ چونچلے۔ فرحان بھی اس کی مٹھی میں تھا۔ وہ گناہوں کے بھنور میں لپٹتی جا رہی تھی۔ اس کے نزدیک یہ سب ٹھیک تھا۔ وہ انتقام لے رہی تھی۔ اپنی ناتمام آرزوؤں کو پورا کر رہی تھی۔ آرزوئیں بڑھ جائیں تو سرحد پار کر کے ہوس کی چار دیواری میں داخل ہو جاتی ہیں اور ہوس کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ ہوس پھر ہر طرف پھیلتی ہے اور پھیلتی ہی چلی جاتی ہے۔ پیسے کی ہوس...... چیزوں کی ہوس...... اور چاہے جانے کی ہوس...... جس کا انت تباہی ہے۔

☆☆☆

آج وہ شیر زمان خان کے ساتھ تھی۔ وہ اس کے تیت فرینڈز میں سب سے زیادہ دریا دل تھا کیونکہ وہ سب سے زیادہ اس کی اداؤں کا دیوانہ تھا۔ بلاشبہ افشاں ہر ایک کی پیش کش قبول کر لیتی تھی لیکن پھر بھی بے نیازی اور غرور کا ملمع خود پر یوں چڑھائے رکھتی کہ اگلا گھائل ہو جاتا۔ وہ جانتی تھی کہ مرد کو عورت کی...... بے نیازی اور غرور ہی متاثر کرتا ہے، ہر اس عورت کا جو اس کی بیوی نہ ہو، خواہ اور کوئی بھی ہو۔ اتنی کم عمری میں اتنا تجربہ کچھ انٹرنیٹ کی بدولت تھا تو کچھ خاندان میں بنائی گئی اس کی خراب ساکھ کی وجہ سے بھی تھا۔ انٹرنیٹ پر اس کی دوستی اگر مردوں سے تھی تو اس کے ساتھ ساتھ ...دی عمر کی لڑکیوں اور عورتوں سے بھی تھی۔ اس کا حلقۂ ...تاب ہی کچھ ایسا بن گیا تھا کہ اس میں موجود کوئی بھی ...ی سیدھی سادی اور شریف نہ تھی۔ شیر زمان خان ...ر میں پڑھائی کی غرض سے مقیم تھا۔ وہ ایک ایسے مال دار اور بااثر خاندان سے تعلق رکھتا تھا جہاں مرد پیدا ہی عیاشی کے لیے ہوتا ہے۔ پشاور میں وہ ایک ...خوب صورت بنگلے میں رہائش پزیر تھا جہاں موجود ملازمین بھی اس کے رازدار تھے۔ اس کے دوست بھی اس کا بنگلا بوقت ضرورت استعمال کیا کرتے تھے اور اس کے بنگلے کے ساتھ ساتھ اس کی گرل فرینڈز کو بھی...... شیر زمان خان ہر بار پہلے اسے جی بھر کر شاپنگ کرواتا اور پھر بنگلے پر لے جاتا۔ کبھی وہ اکیلا ہوتا، کبھی دوست بھی ہوتے۔ دونوں صورتوں میں افشاں کو کبھی اعتراض ہوا نہ کوئی فرق پڑا۔ وہ خود اپنی ذات سے مخلص نہیں تھی تو کسی اور سے کیا شکوہ۔ اس روز بھی ڈھیروں شاپنگ کے بعد وہ ایک کولڈ سپاٹ پر رکا۔ گرمی بے تحاشا تھی، وہ آئس کریم لینے اترا ابھی آکر... کریم پارلر سے اس نے فرحان کو نکلتے دیکھا...... بے اختیار اس نے نقاب درست کیا اسکارف ماتھے سے کھینچ کر آنکھوں کے قریب کر لیا اور قدرے رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ کسی کے ساتھ کہیں بھی جاتی تو برقع میں جاتی، مکمل نقاب کے ساتھ۔ اس جیسی لڑکیوں کی وجہ سے ہی تو برقع بدنام ہوا ہے، جن مردوں کا ایسی بدکار برقع پوش لڑکیوں سے واسطہ پڑا ہو وہی اپنی بیویوں کو برقع پہننے سے روک دیتے ہیں۔ فرحان کار پر سرسری سی نگاہ ڈالتا دوست کے ساتھ باتیں کرتا آگے بڑھ گیا۔ افشاں نے دھیرے سے گردن گھما کر دیکھا تو وہ موٹر سائیکل پر بیٹھ رہا تھا۔ پھر موٹر سائیکل اسٹارٹ ہوئی اور دھول اڑاتی آگے بڑھ گئی۔ بے اختیار اس نے ایک سکون بھری سانس خارج کی۔
''یوں پبلک میں زیادہ پھرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ مجھے رہائش گاہوں تک ہی محدود رہنا چاہیے۔'' وہ لائحہ عمل طے کرنے لگی۔ اسے فرحان کی نظروں میں نہیں آنا تھا۔ وہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی پھر بھی اس کی نظروں میں گر جانے سے خوفزدہ تھی۔

☆☆☆

جون میں امتحان ہوئے اور لڑکیاں روتی دھوتی ایک دوسرے سے رخصت ہو گئیں، جن میں سرفہرست منزہ اور ماوی تھیں۔ ان کی دوستی اس الوداعی ملاقات کے ساتھ پورے کالج میں مشہور ہو گئی۔ وہ دونوں اس قدر ٹوٹ کے روئیں کہ باقی لڑکیوں کو بھی رُلا دیا۔ وہ چھٹیوں میں ایک دوسرے کے گھر آنے جانے کا رسک بھی نہیں لے سکتی تھیں، منزہ تو ملنے پر بضد تھی لیکن ماوی کسی صورت اپنے گھر والوں کو اس کا تعارف نہیں دینا چاہتی تھی۔ شاید اس کے دل میں چور تھا اور شاید وہ چور مستقبل میں اسے کسی چوری پر آمادہ کرنے والا تھا۔ شاید وہ اپنے دل کے اس چور سے باخبر تھی اسی لیے کوئی سراغ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی...... لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ چور جتنا بھی ماہر اور ذہین ہو، پھر بھی کوئی نہ کوئی سراغ چھوڑ ہی جاتا ہے۔ گرمیوں کی چھٹیاں منزہ اور ماوی پر بہت بھاری گزریں۔ اسی طرح افشاں پر بھی۔ کیونکہ اب نہ کالج تھا نہ کالج جانے کا بہانہ۔ ہر صورت ستمبر کا انتظار کرنا ہی تھا۔ زنیرا اور فارحہ نے اکیڈمی میں فارسی زبان میں داخلہ لے لیا جبکہ ماہین دن چڑھے تک سوتی رہتی، دوپہر سے شام تک فلمیں دیکھتی اور شام میں کہیں باہر نکل جاتی...... کبھی آؤٹنگ، کبھی ہوٹلنگ اور رات میں دیر تک انٹرنیٹ سے چپکی رہتی۔ منزہ نے بوریت سے بچنے کے لیے ممی کے کہنے پر سلائی سنٹر میں داخلہ لے لیا، وہ بھی مصروف ہو گئی۔ ہاسٹل میں رہنے والی لڑکیاں جو لمبے عرصے کے بعد گھر گئی تھیں، ان کے لیے کسی کورس کسی مشغلے میں کوئی کشش نہ تھی سوائے ماؤں سے لاڈ اٹھوانے کے۔ ان سب لڑکیوں نے صرف اپنی پسند کے پکوان پکوائے، آؤٹنگ کی، بہن بھائیوں سے جھگڑے کیے... ماؤں کی گود میں سر رکھ کر کالج اور ہاسٹل کے قصے سنائے اور رج کے نیندیں پوری کیں۔

رہ گئی ماوی...... تو اسے جو چھٹیوں کے دو ماہ سے وحشت ہو رہی تھی وہ ساری اڑن چھو ہو گئی۔ بھابی جمیلہ نے نہایت خوب صورت سے بیٹے کو جنم دیا۔ خوشی کے ساتھ ساتھ دکھ بھی حاوی تھا کہ ثمینہ کے معاملے کی وجہ سے جمیلہ اپنے ماں باپ سے نہیں مل سکتی تھی، نہ وہ اپنا نواسا دیکھنے آسکتے تھے۔ کیسی زندگی تھی ان کے کنبے کی عورتوں کی۔ وہ سارا سارا دن ننھے شہباز کو اٹھائے پھرتی، بھابی سے باتیں کرتی اور ان کی خدمت کرتی۔ جمیلہ قدرے بہل گئی اور نند بھابی کے بیچ اٹھی ہوئی دیوار بھی گر گئی۔ اس نے اپنا خاندان کھو دیا تو ساری محبتیں ماوی کے وجود سے منسوب کر کے اس سے دل لگا لیا۔

☆☆☆

''حشر تو دیکھو اپنے کمرے کا ماہین، کچھ شرم کرو، جوان ہو گئی ہو اور چھوٹے بچوں کے کمرے جیسا حال بنا رکھا ہے۔ مجھ میں اب اتنی ہمت نہیں ہے کہ اوپر آکر تم لوگوں کے کمرے بھی ٹھیک کروں۔ کبھی خود بھی ہاتھ پیر ہلا لیا کرو۔ شائستہ بی بی سے میں یہ کام کروانا نہیں چاہتی ورنہ کب کا کروا لیتی۔ کتنی ہی قیمتی چیزیں تمہارے کمرے میں یہاں وہاں بکھری ہوتی ہیں نوکروں کا بھلا کیا بھروسا۔'' انڈین گانوں پر سر دھنتی ماہین نے بدمزہ ہو کر کانوں سے ہیڈ فون ہٹائے اور ماں کو دیکھا۔
''امی پلیز، کر لوں گی ناں۔ ابھی گانے سننے دیں۔'' نعیمہ بیگم نے اسے غصے سے گھورنا چاہا لیکن انہیں غصہ آتا ہی کب تھا۔
''اسپیکر پر لگا لو، گانے سننے سے کس نے منع کیا ہے لیکن کمرے کی حالت ٹھیک کرو چندا۔'' انہوں نے پیار سے پچکارا تو وہ بادلِ ناخواستہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہیڈ فون ہٹا کر اسپیکر کا بٹن آن کیا اور ماؤس کلک سے سارے گانے پلے لسٹ میں ڈال کر چلا دیے۔ آواز آخری حدوں تک بلند کر کے وہ تھرکتی ہوئی کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ نعیمہ بیگم مسکراتی ہوئی واپس چلی گئیں۔ بالی ووڈ متاثرہ نسل ایسی ہی ہوتی ہے، بالی ووڈ میوزک پر تھرک، تھرک کر کام کرنے والی۔ اس نے کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور اس کا دماغ صحیح معنوں میں گھوم گیا۔ کوئی بھی چیز اپنی درست جگہ پر نہ تھی۔ ایک دو مرتبہ کے پہنے ہوئے کپڑے کھونٹی کے بجائے صوفے کی پشت پر ڈھیر تھے، سینڈلز ریک کے بجائے فرش پر لڑھکی ہوئی تھیں، ڈریسنگ ٹیبل مختلف اشیا سے بھری پڑی تھی، اسٹڈی ٹیبل پر فرسٹ ایئر کی ساری کتابیں اور نوٹس یوں لدے پڑے تھے کہ ایک انگلی لگانے کی

دیر تھی سب کچھ دھڑام سے نیچے جا گرتا، کتابوں کی الماری خالی تھی اور ساری کتابیں میز پر موجود تھیں۔ وارڈ روب کھولی تو اس کا نقشہ بھی کم و بیش ایسا ہی تھا۔ دھلے ہوئے سوٹ گولا بنے ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ اس نے ایک سوٹ ہلایا تو چھ، سات سوٹ اس کے سلیقے کو سلامی دینے کے لیے زمین بوس ہو گئے۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کر کے کندھے اچکائے اور عادتاً خود کلامی کی۔

”ماہین! تم بہت ہی پھوہڑ ہو یار۔ چلو...... ہو جاؤ شروع......“ دوپٹا اتار کر پرے پھینکا اور شروع ہو گئی۔ میلے کپڑے اٹھا کر ڈریسنگ روم میں رکھے لانڈری بیگ میں ڈالے، جو دوبارہ پہننے کے قابل تھے وہ کھونٹی پر لٹکائے، الماری سے سب کپڑے نیچے گرا کر سلیقے سے تہ کر کے جمائے۔ ڈریسنگ ٹیبل کا حلیہ درست کیا اور سب سے آخر میں وہ سب سے مشکل پراجیکٹ کی طرف آئی۔ یعنی کہ اسٹڈی ٹیبل۔ اس میں ایک بری عادت تھی۔ کتابوں اور رجسٹرز کے بیچ میں چیزیں رکھ کر بھول جاتی تھی مگر پھر بھی چیزیں رکھنا نہیں چھوڑتی تھی۔ یہی مشکل کام تھا کہ اب تمام ضروری نوٹس اور کتابیں جو کارٹن میں پیک کرنی ہیں یا جو ردی میں دینی تھیں انہیں پہلے کھول، کھول کر چیک کرنا ہوتا کہ مبادا کوئی اہم چیز ضائع ہو جائے۔ ایک کتاب میں سے افشاں کا دیا ہوا سالگرہ کا کارڈ نکلا، ایک میں سے سو کا نوٹ نکلا، ایک اور کتاب میں سے اسٹوڈنٹ رجسٹریشن کارڈ نکلا جو کھو جاتا تو دوبارہ بنوانا پڑتا۔ ایک رجسٹر میں سے ایک مقابلے میں حصہ لینے پر ملنے والا سرٹیفکیٹ بھی نکلا۔ اس نے سر پکڑ لیا۔

”اُف یار ماہین! ایسی چیزیں تو پلاسٹک کوٹنگ کروا کے سنبھال کے رکھنے کی ہوتی ہیں۔“ اسے خود کلامی کی عادت تھی، خود کو خود ہی کوستی رہتی، نصیحتیں کرتی رہتی۔ کان پھاڑ دینے کی حد تک اونچی آواز میں گانے لگے ہوئے تھے...... دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے صفائی شروع کی تھی اور اس کے بعد اس نے گھڑی دیکھی نہ اسے وقت کا کوئی ہوش تھا۔ مسجد سے عصر کی اذانیں گونج رہی تھیں اور ان کے گھر میں کانوں کے شور [illegible] کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ سب سے آخر میں [illegible] رجسٹر ہاتھ میں آ گیا جس میں عموماً وہ پچھلی سیٹ پر [illegible] افشاں سے لکھ کر بات چیت کرتی تھی تا کہ لیکچرر [illegible] پائے اور یہ وتیرہ بیشتر اسٹوڈنٹس کا ہوتا ہے۔ اس [illegible] مسکرا کر وہ رجسٹر کھولا اور باتیں پڑھنے لگی۔ وہ رجسٹر [illegible] یادوں کی پٹاری تھا اور اس میں اس کے اور افشاں [illegible] بہت سے راز بھی دفن تھے۔ اس لیے وہ ردی میں [illegible] کا ارادہ ترک کر کے اس نے الماری میں سب سے [illegible] رکھنے کی خاطر اٹھایا تو ایک کارڈ پھسل کر نیچے جا گرا [illegible] نے کارڈ اٹھا کر کھولا اور پھر جیسے یادداشت واپس آ گئی [illegible] ایک منظر ذہن میں تازہ ہو گیا۔

ہمایوں خان آفریدی...... نیچے اس کا نمبر اور [illegible] میل ایڈریس وغیرہ درج تھا۔ اس کے لبوں پر خو[illegible] صورت مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ آنکھوں میں جوش کا کوئی [illegible] اور اس نے جھٹ رجسٹر الماری میں رکھا اور باقی چیز[illegible] جلدی، جلدی سمیٹیں۔ اس کے انداز میں واضح [illegible] تھی۔ دو ماہ کی بوریت دور کرنے کا آئیڈیا ہاتھ آ [illegible] تھا۔ صفائی مکمل کر کے اس نے شاور لیا اور فریش ہو [illegible] کمپیوٹر کے آگے آ بیٹھی۔

☆☆☆

اس کی نگاہیں کمپیوٹر اسکرین پر جمی تھیں اور لبوں [illegible] پر محظوظ کن مسکراہٹ۔ اس کی انا کو ٹھیس لگی تھی [illegible] ٹوٹنے سے بچ گئی تھی۔ اس کا سابقہ ریکارڈ قائم رہا [illegible] رائے مزید مضبوط ہو گئی، گردن کا سریا مزید اکڑ گیا [illegible] ایک سرشاری کے عالم میں اس نے بازو ہوا میں [illegible] کر کے لمبی سی انگڑائی لی، بالوں میں انگلیاں چلا [illegible] سر کو دائیں بائیں جھٹکے دے کر گردن کو آرام دیا اور [illegible] کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا۔ ماہین کریم نے با[illegible] ای میل کا ذریعہ استعمال کر کے اپنے تعارف کے سا[illegible] ہمایوں خان آفریدی سے رابطہ کر لیا تھا۔ وہ جتنا خو[illegible] ہوتا کم تھا۔ ثابت ہو گیا کہ وہ بھی کوئی خاص [illegible] اور لڑکی نہیں تھی، بس اپنے امتحانات میں مصروف تھی۔

☆☆☆

وہ کالے رنگ کی دیوانی تھی، جنون کی حد تک۔ شیفون کا بے حد اسٹائلش کالے رنگ کا فراک پہنے، کالے رنگ کی پنسل ہیل اور پرس لیے، آنکھوں میں صرف کاجل اور لائنر لگائے مزید کوئی بھی میک اپ استعمال کیے بنا، گلے میں کالے موتیوں کی مالا پہنے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی تھی۔ خود پر پرفیوم چھڑک کر اس نے اپنے سیدھے سلکی بالوں میں آخری بار برش پھیرا اور مطمئن ہو کر باہر نکلی۔ نیچے برآمدے میں نعیمہ بیگم چائے کا مگ تھامے ٹی وی پروگرام دیکھنے میں مگن تھیں، فرحین موبائل پر گیم کھیل رہی تھی اور پاپا دفتر سے لوٹے نہیں تھے۔ وہ نزاکت سے سیڑھیاں اتری برآمدے میں ان کے سامنے آئی تو نعیمہ بیگم نے ستائشی مسکراہٹ سے اسے دیکھا، فرحین کے ہونٹ بے اختیار گول ہوئے۔

”واؤ......“ وہ فخر سے مسکرائی پھر بالوں کو جھٹکا دیا۔

”امی میں دوستوں کے ساتھ چیف جا رہی ہوں۔“ انہوں نے محض مسکرا کر سر کو ہلکا سا خم دیا اور وہ باہر نکل گئی۔ شام سے اکیلی وہ ریسٹورنٹ کیوں اور کیسے جا رہی تھی؟ واپس کب آئے گی؟ انہوں نے کچھ نہ پوچھا۔ مڈل کلاس سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کے اطوار امیروں جیسے تھے۔ ایسے اطوار تو امیروں کو بھی راس نہیں آتے وہ تو پھر عام سے لوگ تھے۔ ہاں ہو کر [illegible] کی بے خبری طوفانوں کو دعوت دیتی ہے لیکن انہیں پروا نہیں تھی۔ انہیں اپنی بیٹیوں پر حد درجہ اعتماد تھا لیکن انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ ان کی بیٹیاں ابھی نوجوان ہیں، معصوم اور بیوقوف۔ خرانٹ عورتیں نہیں تھیں۔ ماہین نے چیف برگر کے ہال میں قدم رکھا تو عین سامنے میز پر وہ اپنی پوری شان کے ساتھ براجمان تھا، وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ ہمایوں کے چہرے پر خیر مقدمی مسکراہٹ ابھری اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بلاشبہ اس سے کارڈ اور نمبر لیتے وقت ماہین نے خاص دھیان نہیں دیا تھا، پھر اس سے رابطہ کرتے وقت بھی محض وقت گزاری ہی اولین مقصد تھا لیکن یونہی بلا ارادہ طے کی گئی اس پہلی ملاقات میں ہمایوں نے اسے اپنی شخصیت کے سحر میں بری طرح جکڑ لیا۔ اس کی باتیں، اس کے دیکھنے کا انداز، نشست و برخاست کے انداز، اس کا اعتماد اور اس کا خاندانی پس منظر...... کچھ بھی تو نظر انداز کرنے والا نہ تھا۔ گو کہ وہ ایک عام سے نقوش والا لڑکا تھا لیکن اس کا طور طریقہ، اس کی کسرتی جسامت، اس کی ڈریس سینس اور اس کا اعتماد دل کے اسے دس خوب صورت لڑکوں پر حاوی کر دیتے تھے۔ ماہین کا گھائل ہونا بے جا نہ تھا۔ وہ تو یوں بھی آئیڈیلسٹ لڑکی تھی، وہ لمحوں اور گھنٹوں میں ہمایوں کی دیوانی ہو گئی۔ ان دو ماہ میں وہ تیزی سے ہمایوں کے قریب آ گئی اور ہمایوں نے بھی اسے قریب آنے دیا۔

ایک بات ماننے والی تھی کہ ہمایوں کی اس وقت تک جتنی بھی لڑکیوں سے دوستی ہوئی تھی وہ سب تیز طرار اور از خود فلرٹ تھیں۔ ماہین جذباتی اور سطحی ضرور تھی مگر بیوقوف اور بھولی بھی تھی۔ اس کے انداز کا بے ساختہ پن ہمایوں کو متوجہ رکھتا کیونکہ اس میں بناوٹ نہیں تھی۔ وہ دیگر لڑکیوں کی طرح پیسے اور تحائف کی بھوکی نہیں تھی، ان دو ماہ میں اگر اس نے کوئی فرمائش کی تھی تو صرف آئس کریم کی۔ جبکہ اس کی سابقہ ساری گرل فرینڈز اسے جی بھر کر لوٹتی تھیں۔ ہزاروں کی شاپنگ کرتی تھیں اور وہ جان بوجھ کر لٹتا تھا کیونکہ پیسہ اس کا مسئلہ کبھی نہیں رہا تھا۔ ماہین کو اس نے بارہا خود بھی پیش کش کی لیکن اس نے ہمیشہ شاپنگ سے انکار ہی کیا۔ وہ جان گیا کہ وہ ایک مخلص دوست تھی اور بس، وہ فلرٹ نہیں تھی اور وہ شاپنگ بھی صرف اپنے پاپا کے پیسوں سے ہی کرنا پسند کرتی تھی۔ اسے انتظار تھا اکتوبر کے ماہ کا۔ اکتوبر میں ماہین کی سالگرہ ہوتی تھی اور وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی سالگرہ پر اس سے کیا توقع رکھتی ہے اور کیا تقاضا کرتی ہے۔

”وہ واقعی باقی لڑکیوں سے مختلف ہے، وہ بہت پیاری لڑکی ہے، مخلص اور بھولی بھالی، آئیڈیلسٹ سی۔“ ہمایوں نے دوستوں کے سامنے اعتراف کیا۔

☆☆☆

سیکنڈ ایئر کا آغاز ہوا، ستمبر کا مہینہ شروع ہوا۔ کالج

بچوں میں پڑھنے کی عادات کو نمایاں کرنا

بچوں کے لیے مطالعہ لازمی ہے کیونکہ یہ انہیں تفریح، معلومات اور ذہنی تجربات کے ساتھ، ساتھ حقیقت اور شخصیت سازی میں مدد دیتا ہے۔ پڑھائی انہیں کچھ ایسے آپشنز اور متبادل طریقے مہیا کرتی ہے جو انہوں نے نہیں دیکھے ہوتے۔ ایک بچہ روز مرہ کی زندگی میں بہت کچھ سیکھتا ہے۔ وہ قدرت کی بنائی ہوئی اس خوب صورتی کے چھپے ہوئے رازوں کو جاننے کی کوشش کرتا ہے اور لوگوں سے رابطے کے ذریعے سیکھتا ہے۔ بچے میں جستجو کا عنصر بہت پایا جاتا ہے۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ ایک مضبوط مستقبل کی بنیادیں فراہم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود بچوں میں مطالعے کی عادت کو پروان چڑھانے کے لیے بہت کم کام کیا گیا ہے۔

غربت، ناخواندگی، اچھے لٹریچر کی کمی، بہت زیادہ ہوم ورک اور والدین کے اندر اس جذبے کی کمی کے ساتھ ہمارے اساتذہ کا بچوں کے اندر پڑھنے کی عادت کو پروان نہ چڑھانا اہم وجوہات ہیں۔ کتابوں کی بڑھتی قیمتیں بھی اس کی ایک اور اہم وجہ ہیں کیونکہ اکثر متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے والدین کے لیے ان کو خریدنا بس سے باہر ہوتا ہے۔

بچوں کے لیے اچھے لٹریچر کی کمی ہی ان کی پڑھنے کی عادت میں کمی کی ایک بڑی وجہ ہے اور دیگر وجوہ میں ہمارے پبلشرز کا بچوں کی کتابوں میں کم دلچسپی لینا ہے کیونکہ یہ نسبتاً کم منافع بخش کام ہے۔ تیسرا یہ کہ بہت زیادہ کاموں اور بے انتہا ہوم ورک کی وجہ سے بچوں کے پاس دوسری کتابیں پڑھنے کے لیے شاید ہی کوئی وقت بچتا ہے۔ مزید ٹی وی دیکھنے میں ان کا کافی وقت صرف ہو جاتا ہے۔ غیر نصابی کتابیں نہ پڑھنے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ غیر دلچسپ اور غیر تصوراتی کتابیں بچوں کی دلچسپی ختم کر دیتی ہیں۔ ہماری مارکیٹ میں بچوں کے لیے ملنے والی اکثر کتابوں سے غیر [illegible]

بات درست ہے۔ اور آج کل موبائل نے مطالعے کی عادت کو ختم کر دیا ہے۔

والدین اور اساتذہ ہی بچوں کے اندر اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈال سکتے ہیں۔ جو انہیں ذمے دار اور بامقصد بنائیں لیکن ایسی خواہش کہ بچے صرف کورس ہی کی کتابیں پڑھیں اکثر والدین بچوں کو غیر نصابی کتابیں پڑھنے سے منع کر دیتے ہیں اور انہیں صرف اسکولوں کی کتابوں تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ ہمارا نمبروں کی جستجو میں مصروف رکھنے والا نظام تعلیم ہے۔ بچوں کی لائبریریوں کی کمی، کتابوں کی نمائش اور کتابوں کے میلوں کا انعقاد نہ ہونا بھی بچوں کے اندر مطالعے کی کمی ہونے کی بڑی وجوہات ہیں۔

بچوں کے اندر پڑھنے کی خواہش پیدا کرنا والدین اور اساتذہ دونوں کا کام ہے۔ والدین کو بچوں کے بڑے ہونے کا انتظار کرنے کے بجائے چھوٹی عمر سے انہیں کتابوں کی پہچان کروانی شروع کر دینی چاہیے۔ کیونکہ بڑے ہونے کے بعد ان کے اندر اس خواہش کو دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں والدین بچوں کو کہانیاں سنانے کے قدیم طریقۂ کار سے آغاز کر سکتے ہیں۔ انہیں پرانی طویل کہانیاں اور قصے سنانے کے بجائے چھوٹے، چھوٹے واقعات اور مشاہدات بتانے چاہئیں۔ جس میں الفاظ کے اتار چڑھاؤ اور حرکات و سکنات کے ذریعے بچوں کی دلچسپی اور تجسس کو بڑھاوا ملے۔

کتاب کو بلند آواز سے پڑھنا بھی بچوں کے اندر دلچسپی پیدا کرنے کا ایک موثر طریقہ ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کو متعلقہ زبان پر عبور حاصل ہو...... پڑھنے والا پڑھتے وقت چیزوں کا تصور بھی کرے تاکہ سننے والے کے ذہن میں بھی اس کی تصویر ابھرے...... ایک دفعہ کی نشست میں ایک مکمل کہانی پڑھنی چاہیے۔

از: نگہت، اسلام آباد

کا منظر ایک بار پھر وہی تھا۔ فرسٹ ایئر فریشرز کے سہمے چہرے، سینئرز کی بے وقوف بنانے کی کوششیں اور فرسٹ ایئر کی بدحواسیاں۔ سیکنڈ ایئر میں ترقی ہو جانے سے ان سب کو اپنا آپ اب قدرے معتبر لگ رہا تھا، گو کہ ابھی تک رزلٹ نہیں آیا تھا لیکن کلاسز شروع ہو جاتی تھیں۔ ماوئی اور منزہ بھاگ کر ایک دوسرے کے گلے لگ کر خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے ملی تھیں۔ ان سے زیادہ کوئی بھی پرجوش نہ تھا کیونکہ باقی سب یا تو آپس میں فون پر رابطے میں رہیں یا ملتی جلتی رہیں۔ صرف وہ دونوں تھیں جو ماوئی کی احتیاط پسند طبیعت کی وجہ سے پورے دو ماہ نہ مل پائی تھیں نہ فون پر بات کر پائی تھیں۔ البتہ منزہ کے پاس اسے بتانے کو سلائی کورس کی باتیں تھیں اور ماوئی کے پاس ننھے شہباز کی ننھی حرکتیں۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کم گو سی ماوئی پورا دن بولتی رہی اور باتونی سی منزہ خاموشی اور محبت سے اسے سنتی رہی۔ ان دونوں کے علاوہ اگر کوئی اور خوش نظر آ رہا تھا تو وہ افشاں تھی، کیونکہ اس کے بہت سے منصوبے چھٹیاں ختم ہونے سے مشروط تھے۔

طالبات سوسائٹیز کے عہدے از خود تحلیل ہو گئے اب نئے سرے سے انٹرویوز ہونے تھے۔ اس [illegible] ویلکم پارٹی کی تیاری کی جاتی۔ نئی نویلی سیکنڈ ایئر [illegible] کہ اب پارٹی انہوں نے دینی ہے۔ کالج میں ایک [illegible] گزار کر بہت سی لڑکیوں میں بہت سی تبدیلیاں [illegible] تھیں۔ مسز سعیدہ نظام کی صحبت میں وقت گزار [illegible] نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اس سال وہ ضرور اردو سو[illegible] سی آر کے لیے درخواست دے گی۔ جبکہ ماوئی [illegible] کری ایٹو آرٹ سوسائٹی کے لیے ٹیسٹ اور انٹرو[illegible] کا سوچ لیا تھا۔ فنکشنز میں کری ایٹو آرٹ سوسا[illegible] ڈیزائن کردہ سٹیج بیک گراؤنڈز دیکھ دیکھ کر اس [illegible] دماغ بہت سے نئے خیالات دیتا تھا۔ اس نے [illegible] کہ جینا ہے تو جتنا بھی وقت ہے پوری شان [illegible] ہے۔ منزہ کا ارادہ پراکٹرشپ کے لیے تھا۔ نیا تعلیمی [illegible] نئے ارادوں اور ولولوں کو جنم دیتا ہوا طلوع ہوا تھا۔

☆☆☆

اس روز پہلا پیریڈ ٹیکسٹائل کا تھا، میم شہ[illegible] [illegible] ہونے پر کلاس سے نکلیں تو افشاں بھی تیزی سے باہر [illegible] نکلی، یوں جیسے ٹیچر سے کوئی بات کرنا چاہتی ہو۔ میم [illegible] تہمینہ آگے بڑھ گئیں تو اس نے کلاسز سے باہر لگے لاکرز [illegible] میں سے اپنا لاکر کھول کر ایک شاپر باہر نکالا اور لاکر دوبارہ بند کر دیا۔ دائیں بائیں احتیاط سے دیکھا اور [illegible] واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ دور سے اسے کیمسٹری کی میم سعدیہ آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے واش روم میں جا کر شاپر سے نکالا فینسی سوٹ پہنا اور یونیفارم کو سلیقے سے تہ لگا کر شاپر میں ڈالا، سوٹ کے دوپٹے سے خود کو اچھی طرح ڈھانپ کر چہرے پر نقاب لگایا اور باہر نکل آئی۔ دو متجسس آنکھوں نے اسے آتے بھی دیکھا تھا اور جاتے بھی۔ اس نے یونیفارم والا شاپر لاکر میں رکھا اور آگے بڑھی، کن انکھیوں سے دیکھا، میم سعدیہ حاضری لگا رہی تھیں۔ اس کا دل بری طرح دھڑکا۔ کئی ماہ بعد وہ دوبارہ یہ حرکت کر رہی تھی، دل پھر سے بے قابو تھا۔ ان دو متجسس آنکھوں نے قدموں کو زحمت دی اور اس کا پیچھا کیا، اب وہ گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ گیٹ تک پہنچ کر اس کی چال لڑکھڑائی، چوکیدار نے اس پر سرسری نظر ڈالی اور بس ڈرائیور سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ اسے کوئی مہمان سمجھا اس لیے روکا نہیں۔ کالج گیٹ سے نکل کر چوک پر آ جانے تک اس کا دل دہلتا رہا۔ پیچھے آنے والا ہر شخص کالج کا بندہ لگتا رہا۔ چوک پر پہنچ کر اس نے بیگ سے موبائل نکالا، ایک مسڈ کال اور ایک پیغام تھا، پیغام پڑھ کر وہ مسکرائی اور چوک سے بائیں ہاتھ مڑ گئی۔ ایریا اسٹڈی سینٹر کی طرف بنے یونیورسٹی کے بیرونی گیٹ کے باہر ایک چمکتی دمکتی میرون کلٹس میں 'کوئی' محو انتظار تھا...... وقت رات کی 'چیٹ' میں طے ہوا تھا اور مقام طے کرنا 'اس' کا کام تھا۔ وہ وہی تھی جو وہ بچپن سے اپنے لیے سنتی آئی تھی۔ بڑوں کے الفاظ، بچوں کے مستقبل کا تعین کرتے ہیں اور اس کے مستقبل کا تعین تو بہت پہلے ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اس کے پیچھے ماہین نے اس کی غیر حاضری کو

جس طرح سنبھالا، وہی جانتی تھی۔ ٹیچرز کو غیر حاضر کہا اور ساتھیوں کو بیمار بتایا۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کوئی پراکٹر ریسٹ روم جا کر چیک نہ کر لے۔ سارا دن اس نے جیسے سولی پر کاٹا۔ آخری دو پیریڈز میں ٹیکسٹائل کا پریکٹیکل تھا، وہ جلدی جلدی کام نمٹا کر چھٹی سے آدھا گھنٹہ پہلے لیب سے نکل آئی۔ کلاسز دیکھیں، افشاں کہیں نہیں تھی۔ اس نے اپنا اور افشاں کا مشترکہ لاکر کھولا تو بیگ وہیں موجود تھا، اس نے وہ باہر نکالا اور گیٹ کے پاس جا کر بنچ پر بیٹھ گئی۔ اس کا دل ہول رہا تھا۔ کبھی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھتی تو کبھی گیٹ کو۔ چھٹی میں تین منٹ باقی تھے جب افشاں اسے اندر آتی دکھائی دی۔ دو متجسس آنکھوں نے ان دونوں کے قدموں کا تعاقب کیا، وہ دونوں واش روم کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ متجسس آنکھوں میں شاطرانہ چمک لہرائی اور وہ فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

انگلش کمپوزیشن کا پیریڈ تھا، میم صالحہ گروپ رائٹنگ کروا رہی تھیں۔ چار، چار لڑکیوں کے ہر گروپ کو ٹیچر نے الگ، الگ موضوع دے رکھا تھا۔ کلاس میں مکمل خاموشی تھی۔ بیچ، بیچ میں ایک دوسرے سے ڈسکشن کرتی لڑکیوں کی آوازیں بھن، بھن کی صورت بلند ہوتیں۔ کلاس کے بند دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی پھر دروازہ کھلا۔ میم صالحہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور مسکرائیں۔ ایم ایس سی فائنل کی ثوبیہ نذیر جو کلاس پراکٹر ہونے کے ساتھ یونیورسٹی پراکٹر بھی تھی، مسکراتی ہوئی اندر آئی اور اونچی آواز میں بولی۔

"میم، افشاں خان اس سیکشن میں ہیں؟"

افشاں نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ سراسیمہ نظریں ثوبیہ نذیر پر جمی تھیں۔

"میم انہیں میم ثمرانہ نے اپنے دفتر میں بلایا ہے۔" اس نے چیف پراکٹر کا نام لیا تو افشاں نے... بے اختیار تھوک نگلا۔ میم صالحہ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا، میم ثمرانہ یوں کلاس کے بیچ سے کم ہی کسی کو بلاتی تھیں۔

"خیریت ثوبیہ؟" انہوں نے آہستہ سے سوال کیا تو ثوبیہ ان کی میز کے قریب ہو کر جھکی۔

"میم... سنجیدہ مسئلہ ہے۔" انہوں نے نگاہوں سے افشاں کو دیکھا اور جانے کا اشارہ دیا۔ ماتین کا دل بری طرح دھڑکا۔ دل انہونی کی خبر دے رہا تھا۔ وہ ثوبیہ نذیر کے ہمراہ میم ثمرانہ کے آفس کی طرف چل دی۔ ثوبیہ کی خاموشی اسے دہلا رہی تھی۔ وہ آفس میں داخل ہوئی تو اندر میم شازیہ بھی بیٹھی تھیں۔ دونوں نے انتہائی کڑی نظروں سے اسے دیکھا، اس کا رنگ سفید پڑ گیا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہوئی ہے مگر کہاں سے؟

"بیٹھیے پلیز۔" میم ثمرانہ نے سامنے پڑی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ ان میں یہ خوبی تھی کہ وہ غصے میں بھی اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔ وہ غیر آرام دہ انداز میں کرسی کے کنارے پر ٹک گئی اور سراسیمہ نگاہیں ان کے چہرے پر جما دیں۔ وہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"کہاں رہتی ہیں آپ افشاں؟" اسے اس سوال پر حیرت ہوئی۔

"میم... یونیورسٹی ٹاؤن۔"

"کالج کیسے آتی جاتی ہیں؟"

"بس سے... کالج بس سے۔"

"کل کالج آئی تھیں آپ؟" وہ چپ ہو گئی کہ... ہاں یا ناں... پھر اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

"جی آپ کی بس کی حاضری بتاتی ہے کہ آپ آئی بھی تھیں اور گئی بھی تھیں بس میں۔ تو درمیان میں کالج سے کہاں گئی تھیں؟" افشاں کا حلق کانٹا ہو گیا۔

"میم میں کالج میں تھی لیکن میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے..." وہ ہکلائی تو میم ثمرانہ نے اس کی بات کاٹی۔

"شاکنگ پنک سوٹ پہن کر دوسری لڑکی کے ساتھ آپ کالج سے نکل کر کہاں اور کیوں گئی تھیں؟" آواز بلند اور لہجہ سخت ہوا تو افشاں کی سانس رک گئی۔

(باقی...)

گرہستی

دردانہ نثاری

"تم جیسی عورتیں گھر نہیں بسا سکتیں۔ اٹھاؤ اپنا سامان اور جاؤ اپنے ابا کے گھر۔" اسد غصے میں چنگھاڑا تھا۔

سنبل تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں رہو اپنے اس عالیشان گھر میں اکیلے... میں جا رہی ہوں اپنے بچوں کو لے کر۔"

پانچ مرلے کے گھر کو خفگی سے دیکھتے ہوئے سنبل ننھی علینہ کو گود میں لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ پانچ سالہ زین حیرانی سے ماں، باپ کو بری طرح لڑتے جھگڑتے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں، ہاں جاؤ... جب سے میری زندگی میں آئی ہو زندگی سے سکون ہی چلا گیا ہے۔ بدتمیز..."

بدزبان عورت''
''اسد ہمیشہ کا بدلحاظ تھا اور لڑائی میں تو
بالکل ہی آؤٹ ہو جاتا تھا۔
''قسمت تو میری پھوٹی ہے ناں... ہائے
میرے ابا نے کچھ دیکھا نہ بھالا اور بیاہ دیا ان جنگلی
لوگوں میں'' الماری سے کھینچ کھینچ کر کپڑے نکالتی
دوپٹے سے آنسو پونچھتی سنبل مسلسل بول رہی تھی۔
''بچے کیوں لے کر جا رہی ہو... خود جانا
چاہو تو جاؤ'' اسد نے آگے بڑھ کر زین کو اس کے
پاس سے کھینچنا چاہا تھا۔
''ہاتھ مت لگانا میرے بچوں کو....'' وہ بھوکی
شیرنی کی طرح لپکی تھی اور زین کو باہر کھینچ لے گئی تھی۔
''ایسے کیسے میرے بچے..... جاہل
عورت...'' اسد نے سنبل کو بالوں سے پکڑ کر بیڈ پر پٹخا
تھا اور ننھی علینہ کو گود میں لیے اور زین کا ہاتھ پکڑے
تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ سنبل سر پر ہاتھ
رکھے بیڈ پر گری رو رہی تھی کہ بچوں کے بغیر وہ کچھ نہیں
تھی۔ اس کی اونچی آواز میں رونے پر زین نے....
بے اختیار مڑ کر دیکھا تھا اور باپ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ
چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر اسد کے سر پر تو جیسے جنون
سوار تھا۔
''خبردار چلو میرے ساتھ دادی کے کمرے
میں...'' وہ بچوں کو گھسیٹتا اپنی ماں کے کمرے کی طرف
بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

اسد اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور کماؤ پوت
بھی...... بہنیں تو تھیں مگر وہ ایک ہی اولادِ نرینہ
تھا۔ جہاں گھر بھر کی توجہ کا مرکز تھا وہاں ماں کو ہمیشہ اس
کے بدل جانے کا خوف بھی تھا۔ شادی میں جتنی تاخیر
ہو سکتی تھی کی گئی تھی۔ مگر جب عمر 35 سے تجاوز کرنے لگی
تو خاندان بھر کی باتوں سے تنگ آ کر بالآخر سنبل کو بیاہ
لایا گیا۔
اسد فطری طور پر شادی سے خوش تھا اور کچھ سنبل
کی خوب صورتی اور کم عمری اسے مزید شوخ بنانے لگی
تھی۔ ماں، بہنوں نے کچھ تو برداشت کیا
ہونے لگا جو پاکستان کے اسی فیصد گھرانوں
ہے۔ اسد کے آفس سے آتے ہی کوئی نہ کوئی
ہوتا۔ ماں، بہنوں کو ہر وقت کوئی شکایت
اسد کو کمرے میں جانے سے پہلے نہایت
میں لگائی جاتی۔ آخر میں بات رفع دفع کر
درس کے ساتھ اپنی اچھائی کا ڈھول بھی بجایا
لوگ تو ان باتوں پر بہوؤں کو گھر سے نکال دیتے
مگر ایک وہ ہیں جو بیٹے کا گھر بسا رہتا دیکھنا چاہتی
ہیں...... بات کے اختتام پر اماں آبدیدہ ہو جاتیں
اور بہنوں کے ساتھ اسد کے ہاتھ پاؤں بھی پھول
جاتے۔ سب اماں کے ہاتھ پاؤں ملتے اسے
احساس ہی نہیں رہتا۔
اکثر تو کھانا بھی اماں کے کمرے میں
جاتا۔ سنبل نئی، نئی شادی کے خوش کن خیالات
گھری اس کا انتظار کرتے، کرتے تھکنے لگی تھی۔
اسد کا رویہ بھی روز بروز بیزار کن ہونے لگا تھا۔
ہار سنگار کر کے اس کی طرف بڑھتی تو ماں، بہنوں
باتیں اس کے ذہن میں چکرانے لگتیں۔ وہ یقین
بے یقینی کے درمیان جھولنے لگتا۔ کبھی تو وہ
طرف مائل ہو جاتا اور کبھی حد درجہ بدظن ہو کر
سے ہی نکل جاتا۔
سنبل آئے روز چھوٹی، چھوٹی باتوں کی صفائی
دیتے، دیتے تلخ ہونے لگی تھی۔ وہ کتنی ہی کوشش
کرتی کہ ساس، نندوں کو اس سے کوئی شکایت نہ ہو مگر وہ
نہ کوئی بات نکال ہی لیا کرتیں۔
اسی کشمکش میں شادی کا پہلا سال گزر گیا اور
زین اس کی گود میں آ گیا۔ بیٹے کی آمد بھی ان
رشتے کو مضبوط نہ کر سکی کیونکہ جہاں اسد مزاج کا
تھا وہاں سنبل میں بھی برداشت کی کمی تھی۔ اسد کی
فہیموں کا نرمی سے جواب دینے کے بجائے وہ اب
دوبدو مقابلہ کرنے لگی تھی۔ سخت لہجے میں کی گئی
بات بھی سمجھ میں نہیں آتی یہ تو پھر شکایات کا ایک سلسلہ

تھا جو دونوں طرف ... برابر جاری تھا۔ سنبل کو بھی اب
اختر بیگم (ساس) ... کی باتیں ... لگی تھیں۔ ... ہا
بیٹوں کی حمایت اسے ... طرح کھلنے لگی تھی۔ کچھ بھلا
ہو ہمارے خواتین کے سوشل گروپس کا جہاں آج کل
خواتین کو ہر بات میں مردوں سے مقابلے کا درس دیا
جاتا ہے۔ سنبل بھی انہی خواتین کے افکار سے متاثر
تھی۔ خواتین کے حقوق کی بات کرتے، کرتے ان
خواتین کو احساس ہی نہیں رہتا کہ خواتین کے کچھ
فرائض بھی ہوتے ہیں جن میں سرفہرست گھر بنانے کے
ساتھ، ساتھ گھر میں سکون قائم رکھنا بھی ہے۔ یہ نہیں تھا
کہ سنبل کی ساس، نندوں کی غلطی نہیں ہوتی تھی مگر ان کی
غلطی کی سزا خود کو دینا کہاں کی عقلمندی تھی۔ عورت کو اللہ
نے ایسی خوبی سے نوازا ہے کہ وہ بحیثیت بیوی اپنی نرمی
اور محبت سے میاں، بیوی کے کمزور رشتے کو چٹان سے
زیادہ مضبوط بنا سکتی ہے۔
اب یہاں اسد، ماں، بہنوں کی ہزار شکایتوں
کے باوجود سنبل کی طرف ملتفت تھا۔ وہ کبھی ان
اختلافات کا ذکر نہیں بھی کرنا چاہتا تو سنبل اپنی شکایت
کا دفتر کھول لیتی۔ ایک طرف ماں اور دوسری طرف
بیوی سے سخت سنتے، سنتے وہ گھر آنے سے ہی بیزار
رہنے لگا تھا۔ گھر کا ماحول رفتہ، رفتہ خراب ہوتا چلا گیا
اور اب تو اسد اور سنبل کو کسی کا لحاظ باقی نہیں رہ گیا تھا۔
وہ دونوں ہی ٹکر کی لڑائی کرتے اور آخر میں تو بات مار
کٹائی تک بھی پہنچ جاتی۔ اب تو ساس، نندوں کو
لڑوانے کی کوئی بھی بات نہ کرنا پڑتی کہ معمولی سے
اختلاف پر وہ دونوں خود ہی پرانی باتیں دُہرا، دُہرا کر نئی
لڑائی کیا کرتے۔ اسی کشمکش میں ننھی علینہ ان کی زندگی
کا حصہ بن گئی۔
اللہ مسلسل اپنی نعمتوں سے نواز رہا تھا مگر اسد کی
پیشانی پر ہر وقت شکوؤں کا جال بُنا رہتا اور سنبل
نصیبوں کو کوستی نظر آتی۔ زندگی سے دونوں ہی بیزار
تھے مگر کہیں نہ کہیں کچھ محبت اب بھی باقی تھی جو دونوں
ایک دوسرے کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ اور اس سب
میں اُنہیں احساس ہی نہ تھا [illegible]
طرح [illegible]
بھول گیا تھا کوئی شرارت اور نہ کوئی ضد [illegible]
خاموش ... بس ٹی وی دیکھتا [illegible]
لوٹ کر دیکھا کرتا۔
سنبل کی اب ساس سے بھی ... ماری ہو گئی
تھی آخر کہاں تک برداشت کرتی۔ ... رشتوں
میں لحاظ اور مروت ... پیچھے کچھ باقی نہیں
رہتا۔ میاں، بیوی کی محبت اور بڑوں کی عزت اس گھر
میں قصۂ پارینہ بن چلی تھی۔ بچوں کی تربیت کا کسی کو
خیال نہ رہا تھا بلکہ ننھا زین تو اکثر ماں کے غصے کا
نشانہ بن جایا کرتا۔ یہ نہیں تھا کہ دونوں کو بچوں سے
محبت نہیں تھی۔ سنبل تو ماں تھی ہی مگر اسد بھی بچوں کو
بے تحاشا پیار کرتا تھا۔ ہاں غصہ آتا تو انہیں بری طرح
جھڑک بھی دیتا۔ ڈھیروں کھلونے لا کر دیتا۔ کھانے
پینے کا، چیزوں کا ہر چیز کا خیال کرتا مگر یہ بھول جاتا کہ
صرف ایک پُرسکون ماں ہی بچوں کی بہترین تربیت
کر سکتی ہے۔
گزرتے سالوں میں تینوں نندیں بیاہی
گئیں...... ساس، بڑھاپے کے ساتھ جوڑوں کے درد
میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ اس لیے گھر سے ان کا اثر رسوخ
جاتا رہا تھا۔ کچھ نہیں بدلا تھا تو وہ اسد اور سنبل کا مزاج
تھا۔ ننھی علینہ اب پورے گھر میں بھاگی پھرتی تھی اور
زین سنِ بلوغت کو چھونے لگا تھا۔ جسم میں اور مزاج
میں آتی تبدیلیاں فطری تھیں مگر طبیعت کا دبو پن اور
اعتماد کا فقدان اب نمایاں ہونے لگا تھا۔ قد کاٹھ سا
ہونے لگا مگر کندھے جھکے، جھکے سے رہتے۔ کوئی بات
کرتا تو پسینے چھوٹ جاتے، پیشانی پر چمکتے قطرے اور
چہرے کی ازلی بوکھلاہٹ..... اس کے دوست اس کی
ہنسی اڑاتے تھے۔ اور پھر اس کی حالت پر ٹھٹھے بھی لگایا
کرتے...... حد تو یہ تھی کہ اب وہ ہکلانے بھی لگا
تھا۔ پہلی دفعہ جب باپ نے چھٹی کلاس کے سہ ماہی
امتحان میں فیل ہونے پر اسے ڈانٹا اور وجہ پوچھی تو

نکلتے نہ تھے۔ اسد کو اس خوف کے مارے الفاظ منہ سے نکلتے نہ تھے۔ اسد کو اس میں بھی ہٹ دھرمی نظر آئی اور وہ اسے پیٹنے لگا۔ تب زین کو کھانسی کا ایسا دورہ پڑا کہ آنکھیں ابل کر باہر آگئیں۔ بیٹے کو سسکتے اس کی حالت دیکھ کر اسد بھی پریشان ہوگیا اور لگا سنبل کو آوازیں دینے۔

سنبل نے آکر زین کو سنبھالا تھا۔ جس کی رو، رو کر ہچکی بندھ چکی تھی۔ وہ عموماً باپ اور بیٹے کے معاملے میں کم ہی پڑتی تھی کہ وہ اولاد کے لیے سختی کے رویے کی قائل تھی مگر آج بے اختیار اس پر چیخی تھی۔ اور اسے زین کو ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے کہا تھا۔

اگلے دن وہ زین کو ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ زرد چہرہ اور آنکھوں کے گرد گہرے حلقے... ڈاکٹر نے تفصیل سے معائنہ کیا تھا۔ اور پھر غور سے ان دونوں کی شکل دیکھی تھیں۔

''کب سے یہ حالت ہے بچے کی؟'' ڈاکٹر نے پوچھا تھا اور دونوں نے ہونق انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ ٹھیک ٹھاک تو تھا زین...... وہ تو اس کی کمزوری کو اس کے بڑھتے ہوئے قد سے منسوب کرتے تھے کہ قد بڑھے تو اس عمر میں سارے ہی بچے کمزور ہو جایا کرتے ہیں لیکن سب نہیں...... اس کی تند رستی کا بتا بھی تو تھا۔ چہرے سے ہی صحت چھلکتی تھی۔ قد تو اس کا بھی ماشاءاللہ اچھا خاصا تھا۔ سنبل بے توجہی سے سوچ گئی۔

''میرا مطلب بچے کی کھانسی سے ہے۔'' ڈاکٹر ان کو خاموش دیکھ کر وضاحت کرتے بولا تھا۔

کھانسی، کھانسی تو بچوں کو ہو ہی جاتی ہے ڈاکٹر صاحب...... بدلتا موسم ہے۔'' اب کی دفعہ اسد بولا تھا۔

''اس قدر کھانسی کو آپ معمولی سمجھ رہے ہیں، آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ بچے کی سانس کھانستے ہوئے کس قدر پھول رہی ہے۔ ویسے بھی بچے کی رنگت اور صحت کچھ اچھا اشارہ نہیں دے رہی۔ میں کچھ ٹیسٹ لکھ کر دے رہا ہوں، آپ کروا کر رپورٹ لا کر مجھے دکھائیں۔'' ڈاکٹر نے معروف انداز میں پرچے پر ٹیسٹ لکھتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب...... کوئی پریشانی کی تو نہیں......؟'' سنبل کا تو ڈاکٹر کی باتیں سنتے [illegible] بیٹھ گیا۔

''جی...... یہ تو ٹیسٹ کی رپورٹ سے [illegible] گا۔ آپ دعا کریں......'' ڈاکٹر پروفیشنل انداز [illegible] بولا تھا۔

اور وہ دونوں میاں، بیوی پژمردہ قدموں [illegible] باہر آگئے تھے۔ گاڑی میں سوار گھر کی طرف [illegible] دونوں بالکل خاموش تھے۔ ساری رات کے [illegible] زین پر اب غنودگی طاری تھی۔

گاڑی جھٹکے سے گھر کے دروازے پر رکی [illegible] نے ہڑبڑا کر اسد کی طرف دیکھا۔ جواباً اسد نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا۔

''پریشان نہیں ہو سنبل...... اللہ سب بہتر [illegible] گا۔'' اور سنبل کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔ وہ [illegible] اٹھانے لگا تھا۔

اگلے دو دن تیز رفتاری سے گزرے تھے [illegible] ٹیسٹوں کے لیے لیب کے چکر کاٹتے، اسد مسلسل [illegible] تھا کہ ٹیسٹ کی رپورٹ کلیئر ہو...... اُدھر سنبل بالکل [illegible] تھی۔ خاموشی سے سارے کام نپٹاتی اور بچوں [illegible] پاس جا بیٹھتی۔ بچے اس کی اتنی توجہ سے بھی بہت [illegible] تھے۔ پہلی دفعہ سنبل کو اندازہ ہوا کہ بچے اسے کس [illegible] مس کرتے ہیں اور کتنی ہی باتیں ہیں ان کے پاس [illegible] وہ اسے بتانا چاہتے ہیں۔ ان کی اسکول کی [illegible] باتیں سننے سے اس کے لبوں پر تبسم بکھر جاتا اور [illegible] خود میں بھینچ لیتی۔

''یا اللہ ہمیں اس آزمائش سے نکال دے [illegible] ہمیشہ تیرے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے۔'' [illegible] مانگتے جانے کہاں سے وہ سب لمحے نگاہوں کے [illegible] آن کھڑے ہوئے جب سب نعمتوں کے ہوتے [illegible] وہ ناشکری کی مرتکب ہوئی تھی۔ بچوں کو بے [illegible]

اور شوہر کو ایک کی چار سناتی سر پر دوپٹا باندھ کر سارا دن بستر پر گزار دیتی...... کس بری طرح اپنے بچوں کو نظر انداز کرتی رہی تھی۔

''یارب...... میرے خدا یہ کیا کر دیا میں نے۔'' دونوں ہاتھوں سے سر کو دبائے وہ بڑبڑائی تھی۔

''بس ایک بار معافی...... میرے رب...... بس ایک بار......'' اس کا دل کچھ فریاد کر رہا تھا۔

آزمائش کیا ہوتی ہے یہ اب اس نے جانا تھا۔ پہلے کے سب شکوے شکایات...... اب اسے کھوکھلے محسوس ہوئے...... کیا ہوا جو ساس، نندیں اس کے کاموں کی تعریف نہیں کرتی تھیں۔ ان سے کون سا اس کا خون کا رشتہ تھا۔ یہاں تو خونی رشتے بھی اپنے مفاد کے پیچھے نہیں دیکھتے...... وہ تو پھر مہر میں ملے وہ رشتے تھے جو مانو تو بہت اپنے اور نہ مانو تو بہت پرائے تھے۔

شوہر اگر ماں کی بات مانتا تھا تو کیا ہوا اس کی ماں تھی اور پھر اس کے حقوق میں بھی تو کچھ کمی نہیں کرتا تھا۔ ماں کی ہاں میں ہاں ملانا اس کی ماں کا حق تھا۔ وہ کیوں ہر وقت حق اور سچ کی علمبردار بنی رہی۔ کیوں ہر وقت اسے کٹہرے میں کھڑا رکھا یہ جانے بغیر کہ کمی تو اس میں بھی تھی۔ میاں، بیوی ایک دوسرے کا پردہ ایک دوسرے کا لباس ہیں پھر کیوں ان دونوں نے اپنا پردہ بچوں تک کے سامنے نہ رکھا۔ بچوں کے ذہن اور دل پر ان کے جھگڑے کیا اثر چھوڑیں گے۔ انہیں اس بات کا کبھی احساس تک نہ ہوا...... کیسے ماں، باپ تھے وہ جو صرف اپنے لیے جیتے رہے، اپنے حقوق کی جنگ لڑتے رہے اور بچوں کے کوئی حقوق نہ تھے۔ کیا ایک پُرسکون گھر میں رہنا ان کا حق نہ تھا۔ حق مانگتے، مانگتے اپنے فرائض بھول گئے تھے وہ...... پشیمانی کے آنسو اس کا دامن بھگو رہے تھے۔

''معافی میرے پروردگار...... ایک بار بس ایک بار......'' وہ جانماز پر سجدہ ریز تھی۔

''ماما...... پاپا آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے اسد کو ٹیسٹ کی رپورٹس مل گئیں۔'' اس کا دل لرز اٹھا۔

''یا الٰہی خیر رکھنا..... یا میرے رب میرے بچے زین کی خیر رکھنا۔'' دل میں ہزار وسوسے لیے وہ لاؤنج کی طرف بڑھی تھی۔ جہاں اسد اسے دیکھ کر ایک دم کھڑا ہوا تھا۔

''سنبل دیکھو اسد کی تمام رپورٹس کلیئر آئی ہیں..... بس ڈاکٹر نے اچھا کھانے پینے اور پُرسکون ماحول میں رہنے کی ہدایت کی ہے۔ اللہ کا بہت کرم ہوگیا ہے ورنہ ڈاکٹر نے جب دل کے ٹیسٹ کیے تو میں بہت ڈر گیا تھا۔'' اسد کی لرزتی آواز ابھری تھی۔

''اوہ میرے خدا.....'' وہ جانے اب تک کیسے ہمت مجتمع کیے کھڑی تھی۔ بیٹھتی چلی گئی۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے تھے۔ ''اے اللہ..... تو ہم گنہگاروں پر کس قدر مہربان ہے۔''

''سنبل.....'' اسد نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا تھا۔ زرد چہرہ، کمزور جسم اسے بے اختیار شادی کے وقت کا اس کا سرخ و سفید چہرہ یاد آیا تھا۔ کیا سے کیا ہوگئی تھی وہ..... اندر کہیں شرمساری نے سر اٹھایا تھا۔ اس نے بے اختیار اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر پیشانی پر مہرِ محبت ثبت کی تھی۔

''میری جان..... مجھے معاف کردو..... میں تمہارا اور اپنے بچوں کا مجرم ہوں..... میں ماں اور بیوی میں انصاف نہیں کرسکا۔ میں اپنے بچوں کو ایک صحت مند پُرسکون ماحول نہ دے سکا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ بچوں کو صرف کھانے کی نہیں ذہنی سکون کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر نے زین کی حالت کی وجہ ڈپریشن بتائی ہے۔ اس میں خون کی انتہائی کمی ہے اور وقتاً فوقتاً بخار ہونے کی وجہ سے پھیپھڑوں اور گردوں پر اثر پڑا ہے۔ مگر یہ تمام مرض قابلِ علاج ہیں، ڈاکٹر نے ایک ماہ کے علاج کے بعد صحت یابی کی نوید سنائی ہے۔ اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے کہ لاعلاج مرض میں مبتلا نہیں ہمارا زین.....'' اس نے سنبل کو تسلی دی۔

''تم دل چھوٹا نہیں کرو اور بس اب اپنے آنسو صاف کرو..... آج کے بعد میں تمہیں نہیں رونے دوں گا..... تم اور بچے ہی تو میری زندگی ہو۔'' اسد نے پیار سے زین اور علینہ کو گلے لگایا تھا۔ جن کے چہرے پر سکون پھیلا ہوا تھا۔

بچے معصوم و ناسمجھ ضرور ہوتے ہیں مگر بہت حساس ہوتے ہیں۔ وہ ماں، باپ کے پیار کو بھی محسوس کرتے ہیں اور بیزاری کو بھی۔

سنبل روتے، روتے مسکرادی تھی۔ ابھی اتنی بھی دیر نہیں ہوئی تھی۔ ابھی وقت تھا سنبھلنے کا..... اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا، جس کے بارے میں رب تعالیٰ خود سورۂ رحمٰن میں فرماتے ہیں۔

''اور تم اللہ کی کن، کن نعمتوں کو ٹھکراؤ گے۔''

اور ہر وقت بیزار صورت بنائے چھوٹی، چھوٹی باتوں پر جھگڑا اللہ کی نعمتوں کو ٹھکرانا ہی تو ہے۔

''خاندان ایک ادارہ ہے جس کا سب سے بڑا مقصد اس ادارے میں آنے والی نئی نسل کی بہترین تربیت کرنا ہے تاکہ وہ معاشرے کے کارآمد شہری بن سکیں اور جہاں میاں، بیوی یہ مقصد بھول جاتے ہیں اور اپنی، اپنی انا کے جھنڈے لہراتے ہوئے میدان میں اتر آتے ہیں تو وہاں تو پھر احساسِ کمتری کی ماری اور ہر حساب سے کمزور نسل ہی پروان چڑھتی ہے اور کوئی والدین یہ نہیں چاہیں گے کہ ان کے بچے کسی بھی حساب سے دنیا کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں۔

اسد اور سنبل اپنی، اپنی جگہ چپکے بیٹھے تھے اور دونوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

آج ڈاکٹر ابراہیم نے خاص طور پر ''نئی نسل اور ہماری ذمے داریاں'' کے موضوع پر منعقد کی گئی کانفرنس میں سنبل اور اسد کو بھی خاص طور پر مدعو کیا تھا جہاں انہیں آئینے میں اپنے، اپنے چہرے صاف نظر آرہے تھے۔

❁❁❁

سمجھوتا

قرۃ العین سکندر

وہ ایک عام سا ہی دن تھا' وہ گلاس ونڈو سے باہر ہونے والی بارش کے پُرلطف نظارے میں محو تھی' سرسبز درختوں کو بارش نے ہولے، ہولے نم کرکے انہیں سیرابی بخشی تھی' ہر شے ہی نکھری دھلی دھلی سی لگ رہی تھی' بارش اس کی ہمیشہ سے کمزوری رہی تھی، بارش میں ٹک کر بیٹھ جانا اس کے بس میں نہ رہتا۔ وہ بی جان سے کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے باہر کی راہ لیتی۔ کبھی قریبی پارک چل دیتی تو کبھی یونہی شاپنگ کے لیے چل دیتی۔ قطرہ، قطرہ پانی کو اپنی انگلیوں کی پوروں میں جذب کرنے کا الگ ہی مزہ تھا مگر شادی کے بعد اب

کئی سالوں سے یہ سلسلہ موقوف تھا' وہ ایک پابند سلاسل زندگی بسر کر رہی تھی۔ اب ہر قدم اٹھانے سے قبل کئی بار سوچنا پڑتا۔ کیا جمیل کے لیے وہ اب پرائی ہوگئی تھی۔ اس کی اور جمیل کی ملاقات بھی تو اسی بارش میں ہوئی تھی۔ وہ اپنی ماں جی کے اصرار پر پھل سبزیاں خریدنے کے ارادے سے نکلا تھا کہ اچانک بادلوں نے آنکھ مچولی شروع کر دی تھی اور دوسری جانب نیلم بھی بارش کی ٹپ، ٹپ کانوں میں پڑتے ہی' تھیلا تھامے نکل پڑی تھی، وہ خدا کی صناعی کا مکمل نمونہ تھی۔ خوب صورت غزالی آنکھیں، گھنیری پلکیں، گلابوں کی سی سرخی رخساروں پر دمکتی ہوئی۔

وہ یوں ہی مبہوت سا اسے یک ٹک تکے گیا۔ وہ اس کی نظروں کی فسوں خیزی سے بے خبر ہاتھوں میں پانی کے قطروں کو محویت سے جذب کر رہی تھی۔ ایک دم نہ جانے کیا سوچ کر وہ کھلکھلا کر ہنسی تو موتیوں جیسے دانت جگمگاتے ہوئے ایک لڑی کی صورت میں پروئے ہوئے لگے۔

''کیا ہو رہا ہے' صبح صبح کیوں سب کا وقت کھوٹا کر رہی ہو، کام کاج کا ہوش نہیں تمہیں۔'' اپنے عین عقب سے آتی ثریا آپا کی آواز پر وہ بری طرح سٹپٹائی تھی۔ وہ جو اس ایک لمحۂ وصل میں بری طرح محو ہو کر اپنے اردگرد سے بے بہرہ ہو چکی تھی۔ وہ اِک لمحۂ وصل جو اسے نئی طاقت دے جاتا، ہر نئے طلوع ہونے والے دن میں تھکا دینے والی مسافت میں ایک گھڑی دم بھر سانس لینے کا مجاز بنتا، وہ اک لمحۂ وصل اس کے ہاتھوں کی پوروں سے پھسل گیا تھا۔ وہ بے خد مایوسی سے مڑی تھی۔ ثریا آپا نے اس کے چہرے پر بکھرے آس سے لے کریاں تک کے بھی بکھرے ہوئے رنگ بے حد محویت سے دیکھے تھے' اس لیے ٹھنڈی سانس بھری اور طمانیت سے بولیں۔

''تم خود کو خوابوں میں رکھنا چھوڑ دو' اب تم جمیل کی محبوبہ نہیں بلکہ اس کی بیوی ہو اور محبوبہ کو دل سے اترتے دیر نہیں لگتی کہ جب وہ بیوی کی مسند پر براجمان .... ہوتی ہے' اس کو ہر قدم بے حد پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے' پر تم تو اپنی ہی دنیا میں [illegible] جاتی ہو۔''

وہ ثریا آپا کا اشارہ سمجھ گئی تھی' جبھی جلدی سے سارے کام کرنے لگی۔ صبح سویرے نکہت بیگم اور نصیر صاحب کو چائے کے کپ کی اشد ضرورت ہوتی تھی۔ وہ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد سب سے پہلے چائے کی طلب محسوس کرتے۔ اس لیے وہ پہلے چائے بنانے لگی دوسری طرف ناشتے کی تیاری کرنے لگی۔

نصیر صاحب اور نکہت بیگم کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی ثریا آپا تھیں' جن کا گھر قریب ہی تھا وہ ہر دوسرے دن ادھر ہی پائی جاتی تھیں' وہ ان لوگوں میں سے تھیں' جنہیں اپنی گھر داری میں وہ لطف نہیں ملتا جو دوسروں کی گھر داری کے اسرار و رموز جان کر ملتا ہے..... پھر جمیل تھا۔ اس کے بعد عامر اور سب سے چھوٹی فریحہ تھی۔ فریحہ نازوں پلی تھی۔ ابھی کالج میں پڑھتی تھی' اس کو ابھی تک بچہ جان کر گھر گرہستی کے کاموں سے دور رکھا جاتا۔

یوں ثریا آپا اور ان کے تین بچے اور باقی تمام اہل خانہ کے لیے ناشتے کا اہتمام کرنا ہوتا تھا۔ ذرا سی دیر پر ثریا آپا اسے بے نقط سناتی تھیں۔

کبھی کبھار تو اس طرح کے طنزیہ جملے..... بولتیں کہ اسے اپنی روح اندر تک چھلنی ہوتی محسوس ہوتی۔ اس خوف کے سائے تلے وہ اپنے تمام کام وقت پر ہی انجام دینے کی سعی میں ہلکان ہوتی جاتی تھی۔ وہ اپنے گھر میں دوسرے نمبر پر تھی۔ پہلے بھائی تھے پھر چھوٹی ندا تھی۔

مگر ان کے گھر میں کوئی اتنی روک ٹوک نہ تھی۔ اگرچہ بھابی بھی آچکی تھیں مگر سارے کام خود ان کی والدہ طاہرہ بیگم سرانجام دیتی تھیں۔ ذیشان بھائی اور عالیہ بھابی بھی ماں کے آرام کا خوب خیال رکھتے تھے۔ ان کا اپنا گھرانا بے حد مثالی تھا۔ جہاں ساس بہو کی روایتی چپقلش کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہاں ایک پُرسکون فضا ہی ہوا کرتی..... جبکہ یہاں ہر کام پر بات بات پر ڈانٹ ڈپٹ سہہ سہہ کر نیلم اپنی خود اعتمادی کھوتی جا رہی تھی۔ اس کا [illegible] بالکل [illegible] اٹھ جاتا تھا۔

ہر وقت ہراساں' سہمے رہنا۔ جمیل بھی ماں اور بہن کی حمایت کرتا۔ [illegible] پر الزام دینے لگتا۔ [illegible] ماں اور بہنوں کی طرح نیلم کے ہر کام میں نقص نکالتے دیر نہیں لگتی۔ نصیر صاحب سمجھاتے تھے۔

''تم لوگ کچھ تو عقل سے کام لو۔'' نکہت بیگم سے ثریا کا زیادہ آنا جانا مناسب نہیں' اسے اپنے گھر کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کی اپنی بچیاں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی ہیں۔ ایسے میں ماں سے بھی کچھ سیکھ رہی ہیں۔ ہر وقت بھاوج کا پیچھا کرنے سے بہتر ہے اپنے گھر کو قرینے سے سنوارے، نکھارے، میاں کو راضی رکھے۔''

نصیر صاحب متانت سے سمجھاتے مگر کوئی بھی ان کی بات پر کان نہ دھرتا۔ اس کی اصل وجہ تو یہ تھی... عرصہ دراز سے اس گھر پر نکہت بیگم کی حکومت رہی تھی۔ انہی کے حکم کا سکہ چلتا تھا۔ اب اچانک نصیر صاحب کی بات پر کیسے عمل درآمد ہو سکتا تھا۔ پھر جب نصیر صاحب زیادہ زور دیتے تو ثریا دو تین دن میکے سے واپس سسرال کی راہ لیتی' رک جاتیں مگر پھر دوبارہ واپس آجاتیں۔ نیلم کی بے ثبات زندگی میں ہم نفس ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو بالکل تنہا محسوس کرتی تھی۔ جمیل کی محبت کے وہ تمام دعوے جو شادی سے قبل اس نے کیے تھے' دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

☆☆☆

ناشتے کی ٹیبل پر تمام اہل خانہ موجود تھے۔ وہ تیزی سے سب کی من پسند ڈشز ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

''تم نے عامر کے لیے جوس نہیں نکالا' بچہ سارا دن پڑھ کر ہلکان ہو جاتا ہے۔ صبح سویرے اسے جوس دیا کرو۔ جاؤ اس کے لیے سینڈوچ بنا کر لاؤ۔'' نکہت بیگم نے اسے نیا حکم سنایا تو وہ اپنے قدموں پر واپس پلٹنے والی تھی جب عامر کی آواز پر رک گئی تھی۔

''بھابی رہنے دیں' میں آج پراٹھا، انڈا ہی کھالوں گا اور امی کچھ تو خیال کریں اتنے سارے افراد [illegible] ناشتہ [illegible] اور اس [illegible] میں [illegible] گیا۔'' عامر نے [illegible]۔

''اب اس لڑکی کے پیچھے تم اپنی ماں کی بات رد کرو گے؟'' نکہت بیگم نے تیکھی نگاہوں سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ نکہت بیگم کی بات پر فضا میں گہری خاموشی کی آمد ہوئی تھی۔

''نہیں امی میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔ میں آپ کی دل آزاری نہیں کر رہا تھا۔'' عامر نے وضاحتی لہجے میں کہا تھا مگر ان کی بات درمیان میں ہی ثریا آپا نے اچک لی۔

''تو کیا مقصد تھا تمہارا' میں خوب جانتی ہوں یہ ہر وقت یہ تمہارے آگے پیچھے کام کرتی پھرتی ہے' تمہارا دل موم کرنے کے لیے' تمہیں مہرہ بنا کر ہمارے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہے' اب جمیل ہاتھ سے نکلا' گھاگ' دیکھا تو عامر پر اپنے ہتھکنڈے آزمانے شروع کر دیے۔'' ثریا آپا کا زہر خند لہجہ سارے ماحول کو یکبارگی آلودہ کر گیا تھا۔

''حد ہوتی ہے آپا' ہر انسان کو سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے تاکہ بعد میں شرمندہ نہ ہونا پڑے..... اور آپ تو واقعی یہاں کے حالات زیادہ بہتر جانتی ہیں کیونکہ وہ آپ کے ہی مرہون منت ہیں۔ رشتوں کو ان کے اصل مقام پر رکھ کر دیکھیں سارے کام سیدھے ہو جائیں گے کب تک ولن کا رول نبھاتی رہیں گی؟'' عامر نے دوبدو جواب دیا تھا۔

اس ساری صورت حال میں اس کی اپنی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہی سزاوار ٹھہرائی جا رہی تھی۔

جمیل نے اچانک کھانے کی پلیٹ پٹخ دی تھی۔

''کیا طریقہ ہے بڑوں سے بات کرنے کا؟'' جمیل کا لہجہ بارعب اور غصیلا تھا۔

عامر ان کی سرزنش پر خاموشی سے قطع تعلقی اپناتا وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

''دیکھ لیا تم نے جمیل' اتنی سی بات پر کتنا واویلا کھڑا کروا دیا اس عورت نے۔'' ثریا آپا نے مصنوعی آنسو آنکھوں میں لاتے ہوئے کہا تو جمیل کو اس

سارے واقعے میں اس کی خاموشی بھی جرم لگنے لگی تھی۔ جیسے پس پردہ وہی اس سارے واقعے کی ذمے دار ہو۔ جبکہ خود اس کا چہرہ فق تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ جانے اب کیا ہونے والا تھا۔

اب جمیل کا موڈ ٹھیک ہونے میں کئی دن لگ جاتے تھے اور جب تک جمیل کا موڈ اعتدال پر نہ آ جاتا وہ بن پانی کی مچھلی کے مانند تڑپتی رہتی۔ دل تو اس کی محبت میں خوار تھا مگر ذہن سمجھاتا تھا کہ جب اسے کوئی پروا نہیں تو وہ بھی فکر چھوڑ دے۔ مگر جمیل اسے محبت کی راہ دکھا کر خود کہیں کھو چکا تھا۔

اب وہ اکیلی اس پُرپیچ راہ میں قدم، قدم آبلہ پائی کا درد سہہ رہی تھی۔ نارسائی اب اس کا مقدر بن چکی تھی۔ ہر لحظہ درد، اس کے دل کا مسکن ٹھہرا تھا۔

٭٭٭

''آج میں اور ثریا عامر کے رشتے کے لیے جا رہے ہیں، تم باقی سب کو وقت پر کھانا کھلا دینا' کیا معلوم دیر سویر کا۔''

نگہت بیگم اور ثریا آپا خاصے دنوں سے سر جوڑے راز و نیاز میں لگی ہوئی تھیں۔ اب اتنے دنوں بعد عقدہ کھلا تو یہ تھا۔

''جی!'' وہ مؤدب ہو کر بولی تھی۔

عامر کے رشتے کی مہم بڑے زوروں پر تھی' ثریا اسے جتلانے کی خاطر بآواز بلند تبصرہ فرماتی تھیں۔

''اماں اس مرتبہ ہم کسی قسم کا کوئی دھوکا نہیں کھائیں گے۔ جمیل کی تو مت ماری گئی تھی جو بنا جہیز کے لڑکی بیاہ لایا' جس کو نہ تو بڑوں کا احترام کرنا آتا ہے نہ ہی گھر گرہستی کی الف ب معلوم ہے۔''

ثریا آپا کی باتوں پر وہ خاصی جز بز ہوتی رہتی تھی مگر لب بستہ رہتی۔ اس کا شدت سے دل چاہتا تھا کہ پوچھے اس نے کب بے ادبی کی؟ پھر جہیز میں اتنا کچھ تو اس کے والدین نے دیا تھا مگر یہاں آ کر اسے علم ہوا کہ سونے کے زیورات کا بھاری سیٹ نہ صرف یہ کہ ہونے والی ساس کو پیش کرنا ہوتا ہے بلکہ یہاں رواج ہے کہ دونوں یا جتنی بھی نندیں ہوں' ان کو بھی مکمل سیٹ دینا چاہیے مگر وہ تو اس ساری بات سے یکسر لاعلم تھی۔ نہ ہی ان کے والدین اس بات سے آگاہ تھے۔ اب ہر بات میں یہی طعنہ اس کا مقدر بنتا، وہ ہونٹوں پر باندھے زبردستی کی مسکان سجائے ہر طنز' ہر تضحیک' ہر جملہ سہہ رہی تھی۔

اس کی خاموشی کو بھی بسا اوقات جرم گردانا جاتا تھا۔

عامر کی مہم ابھی سر نہ ہوئی تھی کہ نئی بات ہو گئی جس گھر یہ لوگ رشتے کی غرض سے گئے تھے' وہاں ان لوگوں کو فریحہ بے حد پسند آ گئی تھی۔ اب عامر کو بھول کر فریحہ کی بابت سوچا جانے لگا۔ یوں بھی امتحانات کے بعد فریحہ کو فراغت ہی فراغت تھی۔

''اچھا ہے ناں ہماری فری وقت پر اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ فری خوش رہے گی' کیا ٹھاٹ باٹ ہوں گے۔ اتنا بڑا سا تو ان کا بنگلا ہے' اور پھر ہم اتنا خاصا دے دلا کر ہی تجھے رخصت کریں گے تاکہ کوئی طعنہ نہ ملے تجھے۔'' آخری جملہ خاصی دھیمی آواز میں ادا کیا گیا تھا۔ مبادا وہ سن لے۔ جبکہ اس کا ذہن تو پہلے ہی ان گنت خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے' میں دیکھ رہی ہوں تم خاصی جلن کا شکار ہو رہی ہو' فری کا اتنا اچھا رشتہ ہو رہا ہے' تو برداشت نہیں کر پا رہی ہو ناں۔'' ثریا آپا کا نیا الزام تھا۔ کر چائے کا کپ جو وہ انہیں پیش کرنے کے ارادے سے ٹرے سے اٹھا رہی تھی' چھلک اٹھا تھا۔

وہ حواس باختہ ان کا منہ تک رہی تھی۔ لفظ تو اب اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''میں تمہاری روتی صورت کافی دنوں سے دیکھ رہی ہوں' بھابیاں تو ایسے مواقع پر بڑھ چڑھ کر کام کرتی ہیں' ایک تم ہو تمہیں تو ایک کام کہہ دو تو تمہیں موت آ جاتی ہے۔'' نگہت بیگم کہاں چوکنے والی تھیں دور کی کوڑی لائی تھیں۔ نیلم متعجب رہ گئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو اتنی خوش ہوں۔ جمیل سے پوچھ لیں آپ۔'' اسے فوری طور پر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو جمیل کا حوالہ دے ڈالا تھا۔

''اس کی تو رہنے ہی دو۔ تمہاری زبان ہی بولے گا ناں وہ تو۔'' ثریا آپا تمسخرانہ ہنسی تھیں۔

نیلم کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''یاد رکھنا میری ایک بات، میں خوب جانتی ہوں تمہارے انداز' تجھے بات کرنے کا خوب ڈھنگ آتا ہے۔ جمیل سے کہہ دیا ناں ایک بار تو وہ وہی کرے گا جو میں کہوں گی۔ مجھ سے اچھا تو بات کرنے کا ہنر کسی کو آتا ہی نہیں ہے۔'' ثریا آپا کا یہ لہجہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ دبے دبے انداز میں اسے دھمکی دے رہی ہیں۔

نیلم بسا اوقات سوچتی تھی کہ ثریا آپا کی تو اپنی بیٹیاں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھیں اور اب ان کے جلد ہی رشتے طے کرنے کے مراحل درپیش ہونے تھے پھر بھی وہ خوفِ خدا سے مبرا تھیں۔ انہیں اس کی کسی آہ کا کوئی خوف تک نہ تھا۔ ہر بات میں ان کا انداز دوٹوک ہوا کرتا تھا۔

پھر بات بے بات یہی دھمکی۔

''بات کرنے کا ہنر خوب جانتی ہوں۔ ڈھنگ آتا ہے تجھے بات کرنے کا۔''

دوسرے لفظوں میں ثریا آپا کو جمیل کو ہینڈل کرنا آتا تھا۔ وہ جو منظر کشی کرتی تھیں' جمیل اسی کو دیکھتے تھے' پھر ان کا موڈ ان کی باتوں کے نتیجے میں کئی دن تک نیلم سے خراب رہتا اور وہ بھی نیلم کو زچ کرتے اسے مسلسل طنزیہ باتوں سے ارزاں کرتے رہتے۔

''اماں یہ وٹے سٹے کی شادیاں ٹھیک نہیں' ان میں ایک گھر نہیں بلکہ دو گھرانے تباہ ہو جاتے ہیں۔'' عامر نے احتجاج کیا تھا۔

''نہ تو ہم نے کوئی آنکھیں بند کر کے تو ہاں نہیں کہا' زہرہ اور زاہد دونوں ہیرا ہیں' زاہد اپنی فریحہ کو خوش رکھے گا۔ اور زہرہ بھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے' اس کو دیکھ کر تو میں اسی وقت فریفتہ ہو گئی تھی۔'' ثریا آپا کا اپنا ہی نقطۂ نگاہ تھا۔

''آپا آپ بھی محض چہروں کو اہمیت دیتی ہیں' سیرت اور کردار... سب سے اہم ہوا کرتے ہیں اور پھر مجھے زہرہ خاصی مغرور لگتی ہے۔''

اپنا کون

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ کوئی اپنا اگر کسی کو بھول جائے تو وہ کیا کرے؟ شیر خدا نے بڑا پیارا جواب دیا۔

''اپنا کبھی بھولتا نہیں اور جو بھول جائے وہ کبھی اپنا نہیں ہوتا۔''

از: ایمن امین، ملتان

لالچ و طمع

حضرت سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو محمد عبداللہ بن خفیف رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں ''جو شخص زندہ و جاوید ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ حرص کو دل میں جگہ نہ دے۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حریص اپنے حرص میں مردہ ہوتا ہے۔ دل میں طمع، دل پر مہر کا کام کرتا ہے اور لامحالہ جس دل پر مہر لگ جائے وہ مردہ ہی ہوتا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا دل غیر حق سے مردہ اور حق کے ساتھ زندہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے دل کے لیے عزت اور ذلت دونوں کا سامان کیا ہے۔ ذکرِ حق دل کی عزت ہے اور طمع و لالچ دل کی ذلت ہے جیسا کہ ایک مقام پر آپؒ نے خود فرمایا ہے۔ ''حق تعالیٰ نے قلوب کو ذکر کا مسکن بنایا لیکن وہ شہوت کا مسکن بن گئے اور شہوت مٹ نہیں سکتی سوائے بے قرار کرنے والے خوف اور تڑپا دینے والے شوق کے'' پس خوف اور شوق ایمان کے دوست ہیں۔ جب دل میں ایمان پیدا ہوتا ہے تو اس سے ذکر اور قناعت پیدا ہوتے ہیں نہ کہ طمع و غفلت۔ اس لیے مومن کا دل حرص و ہوا کے تابع نہیں ہو سکتا کیونکہ حرص و ہوا وحشت کا نتیجہ ہے اور وحشت زدہ دل ایمان سے دور ہوتا ہے کیونکہ ایمان کا تقاضا حق تعالیٰ کے ساتھ اُنس اور غیر اللہ سے وحشت (نفرت) ہے۔ جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے ''لالچی سے ہر شخص دور بھاگتا ہے۔'' (کشف المحجوب)

از: ناہید، ملتان

عامر نے دل کی بات کہہ دی تھی۔ اسے ایک مرتبہ زہرہ سے آمنا سامنا کرنے پر ہی وہ لڑکی خاصی تیز طرار لگی تھی۔ اسے تو بھابی جیسی لڑکی کی تمنا تھی۔ جو گھر بار کو سنبھال سکے اور سب کی تلخ و ترش باتوں کو بھی امرت سمجھ کر پی لے۔ وہ جانتا تھا کہ گھر قربانیوں۔ اور صبر کے گارے سے بنتے ہیں۔ ان کی تعمیر ہر روز دل میں اترنے والے آنسو تحمل اور برداشت کرتے ہیں۔ یہی آنسو آبیاری کرتے ہیں تو تناور درخت بن جاتا ہے۔ جہاں تمام رشتے بیک وقت سجتے ہیں۔

''چہروں کو اہمیت نہیں دے رہی پکلے ہر نقطۂ نگاہ سے سوچا ہے۔ ہر جگہ خوار ہونے سے ہم بچ گئے بیک وقت تم دونوں کا رشتہ طے ہوگیا۔ پھر وہ لوگ امیر کبیر ہیں' سارے معاملات کی ازخود آفر کی ہے کہ سارے اخراجات وہ ساتھ باہمی رضامندی سے اٹھالیں گے۔ شادی ہال بھی انہوں نے ارینج کرکے دیا ہے' ہر معاملے میں ان کا رول ہے' ایسے نہیں جیسے ہم نے پہلے دھوکا کھایا تھا۔''

ثریا آپا کی تان آجا کر نیلم پر ہی ٹوٹتی تھی۔ عامر کچھ کہنے والا تھا مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہوگیا کہ اس کی کوئی بھی بات جو نیلم کے حق میں بولی جائے گی یہاں نیلم کے لیے مزید پریشانیاں اور دشواریاں ہی لائے گی۔

جبکہ وہ دل میں نیلم کی چھوٹی بہن ندا کو چاہتا تھا۔ وہ ہو بہو نیلم بھابی کا عکس تھی مگر یہاں تو نیلم بھابی کی ہی گنجائش نہ نکلی تھی' کجا یہ کہ ان کی چھوٹی بہن کے لیے گنجائش نکالی جاتی۔ بہتری اسی میں تھی کہ خاموشی اختیار کرلیتا اور وقت کے دھارے پر خود کو بہتا ہوا چھوڑ دیتا۔

نیلم دیکھ رہی تھی کہ یہاں بھی دو رخی معاملہ روا رکھا جارہا تھا' فری کو دینے کے معاملے میں بہترین شے کا انتخاب کیا جارہا تھا' جبکہ آنے والی بہو کے لیے کم مالیت کی شے کا انتخاب کیا جارہا تھا۔ یہ سب قصداً ہورہا تھا...... باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت۔

فری تو جس شے پر ہاتھ رکھتی وہ فری کے لیے حاضر کردی جاتی جبکہ آنے والی کی آرزوؤں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

پھر وہ وقت بھی آگیا کہ جب زہرہ دعاؤں کے حصار میں اس دہلیز پر آئی تو قرینہ نئے گلشن میں چل دی۔

زہرہ نے جب اپنی بری کے جوڑے دیکھے تو خاصے نخریلے انداز میں ناک بھوں چڑھائی تھی۔

''آپ کی امی نے ایک بھی ڈھنگ کا سوٹ میرے لیے منتخب نہیں کیا۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ سارے سوٹ آپ اپنی بہن کو ہی بھجوادیں' میں نئے سرے سے اپنی پسند کی شاپنگ کروں گی فی الحال تو سلنے میں بھی دشواری ہوگی اس لیے میں ریڈی میڈ سوٹ ہی پہن لوں گی۔''

زہرہ سارے معاملات ازخود ہی طے کرتی چلی جارہی تھی اور عامر متعجب اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

''یہ تو اب ممکن نہیں ہے' کم از کم میرے بجٹ کے حساب سے تو ایسا مشکل ہے۔'' عامر ہچکچایا تھا۔ پھر ماں کی خفگی کا بھی سامنا کرنے سے گھبراتا تھا۔ اگر وہ اتنا ہی بہادر ہوتا تو ندا آج اس کی جیون ساتھی بن چکی ہوتی۔

پھر زہرہ نے تو ضد ہی پکڑلی تھی۔ اس لیے مجبوراً عامر اسے شاپنگ کے لیے لے گیا واپسی پر وہ ڈھیر سارے شاپنگ بیگز تھامے فاتحانہ انداز میں لوٹی تھی۔

''ارے ابھی تو اتنے سارے کپڑے لیے تھے تمہارے لیے اب اور شاپنگ کرآئی ہو۔'' نکہت بیگم دبے، دبے لفظوں میں اس کے لائے شوخ اور نکھرے رنگوں والے لباس دیکھ کر بولی تھیں۔ مبادا وہ برا ہی مان جائے۔ یہ بھی اس مجبوری کے تحت تھا کہ دوسری جانب ان کی اپنی بیٹی بیاہی تھی اور اس کی خوشی کا انحصار اب اس پر تھا کہ زہرہ کتنی خوش اور مطمئن رہتی ہے۔

''افوہ وہ بھی کوئی سوٹ ہیں' مجھے اتنے پھیکے رنگ پسند نہیں پھر وہ بالکل سستے سے کپڑے اور کام کے سوٹ تھے مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھائے' الٹا میرا دل اتنا خراب ہوا ہے' وہ اگر آپ لوگوں کو اتنے ہی پسند ہیں تو ایسا کریں فری بھابی کو بھیج دیں۔'' زہرہ لگی لپٹی رکھے بغیر دوٹوک انداز میں بولی تھی۔

نکہت بیگم تو برا منا کر بھی خاموش رہ گئی تھیں مگر ثریا آپا خاموش نہ رہ سکی تھیں۔ ان کا موڈ سخت آف

ہوگیا تھا۔

''یہ تو کوئی طور طریقہ نہیں ہے اور آج تک دیکھا سنا کہ لڑکی اپنے ملبوسات سسرال والوں کے منہ پر دے مارے۔ ہماری بہن بھی تو ہے اس نے تو ایسی کوئی مین میخ نہیں نکالی۔'' ثریا آپا نے غصیلے لہجے میں کہا تھا۔

''ہونہہ وہ بھلا کیا مین میخ نکالیں گی' ان کی حیثیت ہی کہاں تھی کہ اتنے قیمتی ملبوسات زیب تن کرتیں۔ ہر شے ہم نے اعلیٰ پائے کی منتخب کی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو اپنی اوقات کے مطابق دیا ہے' اب آپ لوگ شاید اتنا ہی دے سکتے تھے۔'' آخری جملہ اس نے خاصے چبھتے ہوئے انداز میں کہا تھا' نکہت بیگم تو سلگ ہی اٹھی تھیں۔ وہ کہاں عادی تھیں بہو بیگم کے لب و لہجہ میں اتنی تندی اور تیزی کی۔

مگر وہ نیلم نہ تھی زہرہ تھی۔ جسے دوبدو جواب دینے آتے تھے اور منہ پر باتوں سے تھپڑ برسانا بھی آتے تھے۔

''سن رہے ہو سب اور منہ بند کے گڑ کھائے بیٹھے ہو۔'' نکہت بیگم کا سارا غصہ اب عامر کی جانب منتقل ہوگیا تھا جو ساری بات سن کر بھی بالکل پُرسکون انداز میں بیٹھا تھا۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں' زہرہ آپ کی ہی پسند کردہ بہو ہے۔'' عامر نے یہ کہہ کر وہاں بیٹھنا بھی بیکار سمجھا تھا تبھی وہاں سے خاموشی سے پلٹ آیا تھا۔ پھر آئے دن کے جھگڑوں نے طول پکڑ لیا تھا۔ جس میں عامر بالکل خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتا تھا۔ چپ کی مہر لگائے بیٹھا سب سنتا مگر بولتا کچھ بھی نہ تھا۔ ماں کے حق میں نہ بیوی کی طرف داری میں پھر دونوں گھرانے متاثر ہورہے تھے اگر یہاں زہرہ کا موڈ خراب ہوتا دوسری طرف زاہد، فری کو طعنہ دینے لگتا تھا۔ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو ایک گھرانے کا رویہ دوسرے گھرانے پر اثر انداز ہونے لگا تھا اور رشتوں میں دراڑیں پڑنے لگی تھی۔

یہ ایک زبردستی کا سمجھوتا تھا جسے دونوں اطراف کے گھرانے نبھا رہے تھے' اس کا سبب وہ وٹا سٹا تھا۔

ایک سال ہونے کو آیا تھا مگر زہرہ کے وہی ناز و انداز تھے۔ محض بنا سنورنا اور شام کو ضرور کسی جگہ کے لیے آؤٹنگ کی غرض سے چل دینا اگر ساس پابندی کرتیں تو وہ واویلا مچادیتی۔

زہرہ اکثر نیلم کو بھی بغاوت پر اکساتی تھی مگر نیلم جانتی تھی کہ زہرہ کی خودسری کے کئی ایک جواز ہیں' مثلاً دولت کی ریل پیل تھی پھر وٹے سٹے کی شادی سب سے بڑھ کر عامر کا رویہ تھا۔ اگر عامر اور جمیل کے رویے کو پیمانے میں رکھ کر تولا جاتا تو عامر پر ماں اور بہن کی کسی بات کا بھی خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا تھا جبکہ جمیل تو ہر معاملے میں ماں اور بہن کی بات کو حرفِ آخر قرار دینے لگتا تھا۔ اس لیے نیلم اور زہرہ کی کیفیت میں بھی فرق تھا۔

''میری بات سنو بہن یہ کب تک چلے گا' آخر کب تک یوں ہی زہرہ بیٹھ کر کھاتی رہے گی' نرے کھانے کی کمرے میں جاتی ہے اور واپس میری بڑی بہو نوکرانی کی طرح اٹھا کر لے آتی ہے' ارے ہم ہیں جو اسے پکا، پکا کر کھلا رہے ہیں' اس نے تو ایک دن اپنے شوہر کو ڈھنگ کا پکا کر نہیں کھلایا ہے' رہنا پڑے الگ تو عقل ٹھکانے آجائے۔'' نکہت بیگم غصیلے لہجے میں مخاطب تھیں، وہ ایک عرصے سے برداشت کرتی چلی آرہی تھیں مگر اب سال سے اوپر ہوچلا تھا زہرہ تو ٹس سے مس نہیں ہورہی تھی۔

دوسری جانب سے فری پر ظلم و ستم توڑے جانے لگے۔ ادھر زہرہ خفا ہوکر میکے جاتی اور فری پر مصیبت آجاتی۔

''میں کہتی ہوں جب میری بچی ہی خوش نہیں تو، تو کیوں اس کلموہی کو اس کی ماں کے گھر نہیں چھوڑ آتا۔'' فری کی ساس اکثر کہتیں۔

اور پھر واقعی ایک مرتبہ زاہد نے طیش میں آکر فری کو گھر سے نکال باہر کیا...... فری روتی بلکتی ہوئی ماں کی دہلیز پر آن بیٹھی۔

سب کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ثریا آپا بھی اس معاملے میں خود کو پہلی مرتبہ بے بس پارہی تھیں۔ جمیل سے تو ہر بات منوالیا کرتی تھیں' اور جمیل کے ہاتھوں نیلم کی وہ عزت افزائی بھی کروائی تھیں کہ نیلم کی آنکھیں اشکبار ہوجایا کرتیں اور پھر فاتحانہ انداز

میں نیلم کو دیکھ کر ایک ہی جملہ اکثر بولا کرتی تھیں۔
''جانتی ہو تاں مجھے بات کرنے کا مزا آتا ہے۔ مجھ سے بڑھ کر بات کرنے کا ڈھنگ بھلا کسے آتا ہوگا۔'' اس میں ایک دھمکی بھی پوشیدہ ہوا کرتی تھی۔ جس کے خوف کے سائے میں آکر نیلم ہر وقت چابکدستی سے کاموں میں لگی رہتی اور وہی کچھ کرتی جیسا کہ اس کی ساس اور نند کی منشا ہوا کرتی... مگر اس مرتبہ حالات مختلف تھے۔

فری ان کے لیے آزمائش بن گئی تھی جس دولت کی ریل پیل دیکھ کر انہوں نے شادی میں جلدی کی تھی وہی دولت اب فری کے لیے طعنہ بن چکی تھی۔
''ارے کہاں دیکھی تھی اتنی دولت تم نے کہاں دیکھے تھے اتنے عیش تم نے' تمہاری تو اوقات ہی نہ تھی' دو کوڑی کی اوقات تھی' فرش سے عرش پر لا بٹھایا ہے تم کو۔'' زاہد ماں کے ساتھ مل کر اس کا تمسخر اڑایا کرتے اور وہ رو دیتی۔

پھر دوسری جانب جس خوب صورتی پر نگہت اور خود ثریا آپا فریفتہ تھیں' وہی زہرہ کا ہتھیار بن چکی تھی۔ عامر بیوی کی خوب صورتی کی چکاچوند میں آکر ماں اور بہن کی کوئی بھی بات سننے کا روادار نہ تھا۔ الٹا وہ اگر کبھی بولا تو فقط اتنا ہی کہتا تھا۔
''زہرہ کی خوب صورتی پر تو آپ دونوں ہی مرمٹی تھیں' اب ان شکایات کا دفتر کھول کر اپنا اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔ ایک تو انسان پہلے ہی آفس سے تھکا ہارا آتا ہے اور پھر آپ لوگ شروع ہو جاتے ہیں۔'' عامر سرے سے ہی منکر ہو جاتا تھا... اس کا اس سارے معاملے سے جیسے کوئی تعلق کوئی رابطہ ہی نہ ہو۔

فری ان دنوں جس دور سے گزر رہی تھی' اس میں یہ ناروا سلوک اور پھر گھر سے نکال دینا اس پر ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ وہ ہر وقت روتی رہتی۔ ماں اس کے آنسو دیکھ کر کڑھتی رہتی تھیں۔

مزید ستم یہ کہ دوسری جانب سے یعنی زہرہ کی جانب سے اسے خلع کی دھمکی دی گئی تھی۔ اب پانی سر سے اوپر ہو چکا تھا، ان لوگوں کا کہنا تھا کہ عامر اور زہرہ کو علیحدہ گھر لے کر دیا جائے ورنہ زہرہ واپس آنے کو قطعی طور پر تیار نہیں ہے اور پھر ان دونوں شادی شدہ ہونے کی صورت میں فری بھی طلاق لے لیتی۔ انکار کرنے پر اب ان لوگوں کو صحیح معنوں میں ہوش آیا تھا اور ان کو اس شادی کے مضر ہونے کا احساس ہوا تھا۔

وقت ہاتھ سے نکل جائے تو سوائے اس کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ ایسا ہی اب ان کے ساتھ ہوا تھا۔ پھر نگہت بیگم نے قبل اس کے وہ اپنے بیٹے کو کھو دیتیں' نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے زہرہ کو بلا لیا تھا۔
''بیٹی تم بس خوش رہو' ہماری خیر ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی گلہ ان کے لبوں پر پھسلا تھا۔ پھر زہرہ سارا دن آرام کرتی اور سرِ شام تیار ہو کر میاں کے ساتھ چلی جاتی۔ اب نگہت بیگم اور ثریا آپا کو شدت سے احساس ہونے لگا تھا کہ اس گھر کو صحیح معنوں میں چلانے والی نیلم ہی ہے' جس نے ہر ستم سہہ کر بھی اُف تک نہ کی۔

رشتوں کو توازن کے ساتھ ان کے اصل مقام پر رکھنا اس کی ہی مہارت تھی۔ رفتہ رفتہ اب سب کا رویہ نیلم کے ساتھ نرم ہوتا جا رہا تھا۔ نیلم بھی مطمئن سی ہو گئی تھی کہ اب سب کو اس کی وقعت کا احساس ہو جائے گا۔ مگر قبل اس کے کہ سب کچھ بالکل نارمل ہو جاتا' زہرہ نے خوشخبری سنادی جو خوشخبری نیلم اتنے سال میں نہ سنا پائی تھی' جو پلٹا حالات کا نیلم کے پلڑے میں ہوا تھا' اب دوبارہ سارا جھکاؤ زہرہ کی جانب ہو گیا تھا۔ زہرہ کے ہزار نخرے تھے' وہ تو یوں بھی نخریلی سی تھی' اور اب اس حالت میں تو اس کے نخرے آسمان کو چھو رہے تھے۔

نت نئے پکوان بنتے اس کے سامنے سجائے جاتے مگر وہ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے انکار کر دیتی' اور کبھی کبھار احسان عظیم کرتے ہوئے کھا لیتی۔ مگر تشکر اور احسان مندی جیسے کوئی لفظ اس کی ڈکشنری میں رقم نہ تھے۔

وہ ان ساری خدمت گزاریوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی تھی۔ نگہت بیگم بھی خوش تھیں' جو خوشی پوتے کی اب تک ان کو نہ مل سکی تھی' اب وہ انہیں زہرہ کی جانب سے ملنے والی تھی۔ جو تھوڑا بہت گلہ رہ گیا تھا عامر کے دل میں وہ بھی اب زہرہ کے حوالے سے دھل

گیا تھا۔ نیلم سارا دن زہرہ کے لیے فرمائش کھانے بناتی رہتی تھی۔ لیکن بعد میں چکھنے کے ساتھ ہی زہرہ رد کر دیتی اور پھر اسے کوئی اور مینیو یاد آ جاتا۔ ایک دن زہرہ کسی بات پہ بحث کر رہی تھی تو نیلم نے اتنی سی بات کر لی۔
''دیکھو اتنے نخرے کی تو نہیں ہے بریانی کھالو۔ اچھا پیٹ بھی ہی پالو' یہ تو نہایت فائدہ مند ہے تمہارے اور بچے کے لیے۔''
اس کا انداز طنزیہ نہیں تھا بلکہ ملتجیانہ سا تھا مگر زہرہ کو اس کا نصیحت آموز انداز ایک آنکھ نہ بھایا۔ اس لیے کڑے تیور لیے بولی تھی۔
''تم کو کیا معلوم تمہارے کون سے بچے ہیں؟'' وہ لطف اندوز ہو رہی تھی' نیلم کے فق چہرے کو دیکھ کر۔ نیلم کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں' تبھی ثریا آپا کی انٹری ہوئی۔ وہ بولیں۔
''نیلم اپنی منحوس نظریں سنبھال کر رکھا کرو' تم خود تو کوئی خوشی ہمیں دے نہ سکیں' اب اگر زہرہ ہمیں یہ نوید دے رہی ہے تو کیوں نحوست پھیلا رہی ہو' جاؤ دفعان ہو جاؤ۔''
ثریا آپا شاید سسرال کے کسی جھمیلے میں پہلے ہی الجھی تھیں' اس پر یہاں کوئی معاملہ الجھا دیکھ کر انہوں نے فوراً لب کشائی کی تھی۔
نیلم بالکل پُرسکون تھی۔ اپنی قسمت پر شاکر تھی۔ گلہ تھا تو فقط اپنے محبوب شوہر سے۔ جس نے چاہت سے اپنا کر پرایا کر ڈالا تھا۔
پھر ایک دن جب سب گھر والے کسی دعوت میں شریک تھے۔ گھر میں نیلم رہ گئی تھی اور زہرہ اپنی طبیعت کی وجہ سے جا نہ سکی تھی۔ اچانک زہرہ کسی کام کے لیے سیڑھیوں سے اتر رہی تھی کہ بری طرح سے پھسل گئی۔
جتنی دیر میں اسے اسپتال لے جایا گیا' سب کچھ ختم ہو چکا تھا، زہرہ اب کبھی ماں کے جذبے سے سیراب نہیں ہو سکتی تھی' ڈاکٹرز نے جواب دے دیا تھا' زہرہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ باقی تو وہ جیسی بھی تھی ماں کے حوالے سے اس نے بہت سے خواب دیکھے تھے اور ہر خواب ادھورا رہ گیا تھا' انہی دنوں اچانک نیلم کو بخار نے آن گھیرا تھا۔ سارا گھر الٹ پلٹ ہو رہا تھا' دوسری جانب نیلم کا بخار تو کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا' بالکل زردی مائل رنگت ہو رہی تھی پھر ڈاکٹر کو دکھایا گیا تو اس نے گھر میں ننھے مہمان کی آمد کی نوید سنادی۔ سب کھوئی خوشیوں کو پانے اور صورت میں پانے کو بے تاب تھے۔ عامر کی جانب سے نہ سہی جمیل کی جانب سے ہی سہی اب بھی وہ داری بن گئی تھیں۔
نیلم اس کایا پلٹ پر حیران تھی۔ ڈاکٹر کی تلقین کے مطابق اسے سخت آرام کی ضرورت تھی۔ اس لیے اب سب ہی اس کا خیال رکھنے لگے تھے وہ اداس تھی کیونکہ جانتی تھی کہ جمیل کی فکرمندی کی اصل وجہ وہ بچہ ہے جو ابھی دنیا میں بھی نہیں آیا ہے۔

☆☆☆☆

جس دن اس نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا وہ مکمل ہو گئی تھی۔ سارے شکوے جو نہاں خانے میں تھے مٹ گئے تھے۔ زہرہ نے محبت سے اس کے گل کو تھنے بچوں کو چوما تھا' نہ جانے وہ کون سا لمحہ تھا جب نیلم نے ایک بچہ اٹھا کر زہرہ کی گود میں ڈال دیا۔ گود میں اٹھائے زہرہ متعجب تھی۔ کیا کسی کا اتنا بڑا دل بھی ہو سکتا ہے؟ اور پھر زہرہ نے آبدیدہ ہو کر نیلم کو گلے سے لگا لیا تھا' اس کا ظرف کتنا بلند تھا جبکہ وہ اس کو طعنے ہی دیتی رہی تھی۔
ثریا آپا' نگہت بیگم سب خوش تھے' دونوں بھابیوں کی گود بھر گئی تھی۔ زہرہ کے انداز میں جو چڑچڑا پن عود آیا تھا' وہ بھی زائل ہو گیا تھا۔
نیلم کی مسلسل قربانیوں نے اس گھر کو نئی جہت دی تھی۔ محبت کی جہت۔
نیلم بظاہر مطمئن تھی اس نے سب کی محبت حاصل کر لی تھی۔
ہاں اپنے محبوب شوہر کی بھی سچی محبت..... جمیل کی محبت پاش نگاہوں میں اسے اپنا عکس جھلملاتا دکھائی دینے لگا تھا۔

❀❀❀

سلسلے وار ناول

صراطِ عشق

دلشاد نسیم

موجِ صبا، اے جانِ سحر میں یہاں پہ ہوں
تو آ کے میرے دل میں اتر میں یہاں پہ ہوں
کیوں بے کلی سے پھر رہا ہے تو گلی گلی
اے آسماں کے چاند اتر میں یہاں پہ ہوں

انسان کی خود مختاری... اس کے عقلِ کُل ہونے کا غرور بسا اوقات فریب کے تانے بانے بُننے لگتا ہے... اور یہ تانے بانے ریشم کے نہیں، مکڑی کا جال ہوتے ہیں... مگر اس بات کو سمجھنے تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہو...

”صراطِ عشق“ ایسے ہی خود ساختہ، فریبی تانوں بانوں سے بندھی ایک کہانی ہے... جو کہیں کہیں سے سچ بھی ہے اور کہیں پرزیب داستاں کے لئے کورے کاغذ پر رنگین لفظوں سے کشیدہ کاری کرنے کی جسارت بھی کی ہے...

یہ ارادوں اور خوابوں کے ٹوٹنے کی کہانی ہے...

محبت میں جینے اور محبت میں مرمٹنے کی کہانی...

محبت کی اگلی حد... جب محبوب پاس نہیں مگر آنکھ اس کے خواب دیکھنے لگتی ہو... وہ کہاں ہے کس حال میں ہے، جاننے لگتی ہو...

ممتا کی آفاقی محبت... دنیاوی محبوب کی فرقت کی کسک... کچھ ملنے اور بہت کچھ کھونے کا المناک قصہ ہے... یہ داستانِ عشق...

اس پل صراطِ عشق پہ لایا ہے مجھ کو دل
اب پھونک پھونک کر مجھے رکھنا ہے ہر قدم

اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے تھپڑ ہی مار دیتا۔
''تم سے کچھ نہیں ہوگا...... مجھے معلوم نہیں تھا۔'' ارزش نے دانت کچکچائے۔ ''میں خود دیکھ لوں گا......''
''پچھتاؤ گے چودھری کے ہاتھ بہت لمبے ہیں......'' راشد نے وارن کیا۔
''خدا حافظ......؟'' ارزش نے کال کاٹ دی۔
دانیال بغور ارزش کو دیکھ رہا تھا۔ سمجھ گیا کہ جواب کیا ہوگا...... لیکن ارزش کے اندر بھرے زہریلے غبار کو باہر نکلنا چاہیے تھا۔ اس نے میز پر مکا مار کے اپنی بھڑاس نکالنے کی کوشش کی۔
''یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی سننے والا ہی نہیں......''
''میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ......'' دانیال نے کچھ کہنا تھا مگر ارزش نے اس کی بات کاٹ دی۔
''خاموشی ظالم کو شہہ دیتی ہے، ظلم سہنے والے ہی تو ظالم کو طاقت ور بناتے ہیں۔''
دانیال نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔
''مجھے اس پر بات کرنی ہے نوٹس لینا ہے......'' ارزش بے چین ہو رہا تھا۔
''احمد صاحب آپ ان سے مل کر طے کرلیں بس بات نہ بڑھائیں......'' دانیال نے مشورہ دیا۔ ارزش چونکا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کال آگئی۔
کال چودھری کی تھی...... ارزش نے ناگواری سے اس کی ہیلو کے جواب میں ہیلو کہا۔
''سنا ہے آپ کا ولایتی خون سر کی طرف چڑھ رہا ہے؟'' چودھری نے تقریباً مذاق اڑایا۔
''مطلب......؟'' ارزش جان بوجھ کر انجان بن رہا تھا۔
''میرا مطلب ہے، آپ کورٹ کچہری کے چکر میں کیوں پڑنا چاہتے ہیں؟''
''آپ نے جرم کیا ہے اور مجرم کو سزا دینا کون سا نیا یا انوکھا ہے؟''
''ہے...... ہے ارزش میاں مجرم جب چودھری محمد حسین ہو تو سزا دینا انوکھا کام ہو جاتا ہے۔'' چودھری نے مذاق اڑایا۔
ارزش نے دانت پیسے۔
''چھڈو جی...... سو روپے والے اسٹامپ پیپر پر دونوں سائن یا انگوٹھا کرتے ہیں، میں آئندہ کبھی خضر کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا...... اور تم لڑکیوں کا اسکول بند کرا دو...... بس فیصلہ منظور......؟''
''نہ منظور ہو تو......؟'' ارزش نے دبنگ لہجے میں کہا۔
''میں کہنا تو نہیں چاہتا لیکن یہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا......''
''جو کرنا ہے کرلو......'' غصے میں ارزش نے کال کاٹ دی۔

☆☆☆

نین نے خضر کو گلے سے لگایا اور زور سے پیار کیا اس کی آنکھوں میں مسلسل آنسو آئے جا رہے تھے۔
''اب تو خیر سے خضر میاں آنکھوں کے سامنے ہیں پھر کیوں روئے جا رہی ہیں بٹیا......'' بانو بی نے محبت سے کہا۔
نین نے لمبی سانس لی خضر پر سے اپنی گرفت کمزور کی۔
''انسان ہوں...... اور انسان بہت عجیب ہوتا ہے۔ اپنے پیچھے شیطان کو خود لگائے رکھتا ہے...... کبھی وسوسوں کی صورت کبھی خدشات کی صورت...... خضر میرے پاس ہے لیکن مجھے یہی خوف ابھی تک کھائے جا رہا ہے کہ اسے کچھ ہو جاتا تو...... اس کا دکھ...... میں کیسے دیکھ پاتی، سہہ پاتی......''
''اللہ نہ کرے نین بٹیا...... صدقہ خیرات بھی کر دیا اب خیر ہی خیر ہوگئی۔ ہمارے خضر میاں کو کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھے گا۔'' بانو بی نے نرمی اور محبت سے کہا۔
''ان شاء اللہ......'' نین نے پورے یقین سے آمین کہا اور خود ہی ہنس دی۔
''کہتے ہیں محبت انسان کو مضبوط بنا دیتی ہے لیکن اس محبت میں اولاد کی محبت حصہ نہیں ڈالتی...... یہ محبت تو کمزور کر دیتی ہے۔ کمزور تر کر دیتی ہے......'' نین کہتے، کہتے اٹھی اور نمازِ عصر کے لیے جانماز بچھا کر بیٹھ گئی۔ خضر دالان میں چلا گیا۔ موسم اچھا تھا سو بانو بی بھی نین کی نصیحت کی وجہ سے خضر کے پیچھے چلی گئی۔
پوری نماز میں ارزش کی گفتگو کانوں میں گونجتی رہی۔
''تو کیا ارزش چلا جائے گا......'' رکوع میں اس کو خیال آیا۔
''ارزش چلا گیا تو میں اکیلی کیسے خضر کی حفاظت کروں گی......'' سجدے میں جاتے، جاتے ایک اور سوچ آگئی۔
نین نے اپنا خیال جھٹکا...... پھر کچھ اور ذہن میں بھی آگیا۔ بڑی مشکل سے سوچوں میں گھری نماز ختم ہوئی۔ نماز کے بعد ہاتھ بلند کرکے جب وہ دعا مانگ رہی تھی تب بھی ذہن مختلف سوچوں میں گھرا ہوا تھا لیکن اتنا سوچنے کے بعد یہ ہوا کہ اس کو کچھ، کچھ ڈھارس ہوگئی اب وہ سوچنے لگی کہ......
''انسان کو انسان ہونے کا مارجن تو دینا ہی چاہیے۔ غلطیاں تو انسان ہی کرتے ہیں...... ہم انسان، فرشتے نہیں...... بس فرشتے ہی ہر گناہ سے پاک ہوتے ہیں...... ہم لوگ...... یعنی ہم انسان بدگمانی کی گرہ کو دل کے ساتھ باندھ کر عمر گزار دیتے ہیں لیکن دوسرے انسان کو مہلت نہیں دیتے کہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکے...... اگر اس نے غلطی کی ہے تو اعتراف کرلے...... اور اگر وہ اعتراف کر بھی لے تو ہم اسے معاف بھی نہیں کرتے...... کاش ہم جتنے ضدی ہیں اتنے لچک دار ہوتے ہماری طبیعتوں پر پھر ایسا بار نہ ہوتا۔''
نین نے نماز مکمل کی اور چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

نکتہ رس

منزلِ مقصود، جن کی دسترس سے دور ہے
ان کی جانب بھی نگاہِ نکتہ رس فرمایئے
تا کجا بحران وہنگامہ سکوں کے واسطے
لوگ ہیں ترسے ہوئے ان پر ترس فرمایئے

☆☆☆

چیرا

ہر اک بوند میں ایک طوفان نکلا
ہر اِک ذرّے میں اِک بیابان نکلا
حماقت سے سائنس دانوں نے اپنی
جو ذرّے کو چیرا تو شیطان نکلا

شاعر: بشیر فاروق
انتخاب: نگہت زیدی، بہارہ کہو

ڈاک خانے

زمانہ ٹھا ٹھ کا ہے یارب! ہمارے ڈاک خانے ہیں
بڑا ہی تیز ہے آیا جو خط آیا غلط آیا
اب ایک دوست نے لکھا تھا آتا ہوں کراچی میں
وہ آ کر مل دیے اور چھ مہینے بعد خط آیا

☆☆☆

ضرورت

ابھی جو حوصلہ رکھتے ہیں طوفانوں سے لڑنے کا
انہی کی ضرورت ہے نہ بیڑے کی ضرورت ہے
بچا سکتا نہیں جن کو شکستِ فاش کا تھپڑ
انہی اک اور طوفانی تھپیڑے کی ضرورت ہے

☆☆☆

بعض اوقات بہت محنت سے کاتا ہوا ریشم بھی ہاتھوں سے الجھ جاتا ہے۔ سرا ہاتھ آتا ہے۔ نہ کا تار بنتا ہے..... سو بہتر ہے اس ریشم کو الجھنے سے بچائے رکھیں۔

نین نے جائے نماز تہ کی اور خضر کے پیچھے باہر آگئی۔ جہاں وہ کھیل رہا تھا۔ گھاس پر بھاگے جا رہا تھا چڑیا کے پیچھے کبھی مینا کے..... نین کو اچھا لگ رہا تھا اسے دیکھنا..... تب ہی سیاہ جیپ گیٹ سے اندر داخل ہوئی اس کو یاد آیا بے جی بھی یہیں بیٹھ کر ارزش کی راہ دیکھا کرتی تھیں۔ ارزش جیپ روک کر نین کے پاس ہی چلا آیا۔

''السلام علیکم.....'' اس نے خوش دلی سے کہا۔

نین کے بدگمان دل نے وہ شور مچایا کہ سلام اس شور میں دب کے رہ گیا۔

''سلام کیا ہے میں نے.....'' اس نے حیران ہو کر کہا۔ نین شرمندہ سی ہوگئی۔

خضر دوڑتا ہوا پاس آگیا۔ اس کی معصوم اور ہر دنیاوی لالچ سے پاک آواز سنتے ہی ارزش فریش ہوگیا۔

''بابا، بابا.....'' ارزش نے اسے اٹھا کر گلے سے لگالیا۔ پیار کیا۔

''شکر ہے..... اب بہتر ہے خضر.....''

''جی.....'' نین نے سرسری سا کہا۔

''کیا بات ہے تم یا تو الجھی ہوئی ہو یا..... خفا ہو..... کسی بات پر.....؟''

''آپ نے مجھے خفا ہونے کا حق دیا ہی نہیں کبھی.....''

جانے کیوں اس کی زبان سے شکوہ مچل گیا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا لیکن کبھی، کبھی انسان تھک تو جاتا ہے ناں اور وہ تو پچھلے کئی سالوں سے محبت کے پل صراط پر اکیلی چلی جا رہی تھی۔

''نین..... کیا بات ہے کل تک تم پریشان تھیں، خفا نہیں.....''

''بس یونہی.....'' اس نے آہستہ سے کہا اور بانو بی کو دیکھا جو ابھی آ کر کھڑی ہوئی تھیں اور انہی کو دیکھ رہی تھیں۔

''چائے پئیں گے یا کھانا.....؟''

''چائے..... اگر چائے کے ساتھ کچھ ہلکا پھلکا مل جائے..... کھانا کھالیا تو رات کو کچھ نہیں کھا سکوں گا۔''

اس نے تفصیل سے اپنی پرابلم بتائی۔

''بانو بی، سبحان بابا سے کہیں چائے کے ساتھ کچھ بنالیں صاحب کے لیے.....''

''جی۔'' بانو بی چلی گئیں۔

ارزش بغور سن رہا تھا کہ وہ کیسے آرڈر کر رہی ہے، نین نے بات ختم کی تو وہ مسکرایا۔ نین نے دیکھا تو اس مسکراہٹ کو روکا نہیں ہنس دیا۔

''تم نے چودھرائن ٹائپ اسٹائل کیوں نہیں اپنایا.....؟''

نین کو سمجھ نہیں آیا کہ اس نے آج یہ غیر متوقع سوال کیوں کیا ہے۔

''کیونکہ میں نے یہ اسٹائل کبھی دیکھا ہی نہیں..... نہ ماما نے اپنایا نہ بے جی نے.....''

''خیر رضوانہ مامی میں تو تھوڑا بہت اسٹائل تھا۔''

''ہوں تھا لیکن میں بے جی سے متاثر تھی..... کیا کرتی.....'' نین نے سادہ سے انداز میں اپنی بات کا اظہار کیا۔

''چلو شکر ہوا تمہاری خفگی تو ختم ہوئی..... یا شاید تم بھول گئیں کہ تم ناراض تھیں.....''

''لمحے بھر کو بھول گئی..... آپ نے ماں اور پھپھو کا ذکر جو چھیڑ دیا۔ میں ان کی یادوں میں کھو گئی.....'' نین نے حسرت سے خلا میں دیکھا۔

''کیسے، کیسے عظیم رشتے مٹی ہو جاتے ہیں.....''

ماحول یک دم بوجھل ہوگیا..... ارزش نے لمبی اور گہری سانس لی۔

''تم نے بہت حوصلے سے سب سہا۔ صرف ماموں، مامی ہی نہیں باؤ جی اور بے جی کا وقار بھی سنبھالے رکھا۔''

''بابا کہا کرتے تھے انسان عمر سے نہیں اپنے حوصلوں سے بڑا ہوتا ہے جس میں جتنا سہنے کا حوصلہ ہے اتنا ہی بڑا ہو جاتا ہے۔'' نین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''وہ بالکل ٹھیک کہتے تھے، اور تم نے بہت کچھ سہا۔ حوصلے سے، صبر سے تم تو اللہ کے بہت قریب ہوگئی ہوگی؟''

''اور جانے ابھی کتنا سہنا ہے.....'' اس نے گہری نظر سے ارزش کو دیکھا۔ ارزش کا دل ایک لمحے کو بری طرح دھڑکا..... اسے لگا جیسے نین وہ سب کچھ جان گئی ہے جسے..... وہ چھپانا چاہ رہا تھا..... جیسے زلیخا..... ابھی وہ کچھ اور سوچتا..... نین کچھ کہتی ارزش کے موبائل پر کال آگئی۔

''ہیلو.....'' فون دانیال کا تھا۔

ارزش نے کال لی وہ بہت تحمل سے بیٹھا رہا، سنتا رہا۔ وہ نین کو پریشان نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

''اوکے، میں آتا ہوں.....''

ارزش کہنے کے ساتھ، ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا ہوا.....؟ کس کا فون ہے..... کچھ بتائیں تو.....؟'' نین کہتی رہ گئی..... ارزش ابھی آتا ہوں کہہ کر جو گیا..... تو پلٹ کر نہیں دیکھا۔ جیپ گیٹ سے باہر نکل گئی۔

جبھی گیٹ کو تیزی سے عبور کرتا امام دین کا بیٹا پرویز پھولی سانسوں اور اکھڑے لفظوں سے کچھ کہنے آیا۔ نین گھر کے ہی حلیے میں تھی اس نے پرویز کو آتے دیکھا تو گھر کے اندر جانے لگی۔ مگر پرویز کی پکار پر وہ رک گئی۔ نین نے دوپٹا سر پر جمایا۔

''بھابی.....''

''کیا بات ہے جو کہنا ہے مجھ سے کہو.....'' بانو بی نے جھڑکا۔

''لڑکیوں کے اسکول میں شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگ گئی۔''

''کیا.....؟'' نین کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''کوئی اسکول میں تھا؟''

''نہیں جی اس وقت کوئی نہیں تھا..... چوکیدار بھی آج اتفاق سے نماز کے لیے مسجد میں گیا ہوا تھا۔ ورنہ تو وہ وہیں کوارٹر میں ہی نماز پڑھتا ہے۔''

''اتفاق سے..... یہ کیسا اتفاق ہے؟''

''بڑا کرم ہوگیا جی کوئی جانی نقصان نہیں ہوا لیکن.....''

''لیکن کیا؟'' نین چونکی۔

''سامان کافی جل گیا ہے۔''

نین کو سمجھ آگیا کہ ارزش اسی لیے عجلت میں نکلا تھا۔

''میں بھائی کو بتانے آیا تھا پر وہ چلے گئے شاید میں نے ان کی جیپ اس طرف جاتی دیکھی تھی۔''

''شکریہ تمہارا.....'' نین نے دکھی دل سے کہا۔

''چلتا ہوں.....'' وہ کہہ کر جانے لگا پھر پلٹا..... ''حوصلہ کیجیے گا.....'' نین نے اثبات میں سر ہلایا۔ پرویز چلا گیا۔ بانو بی حیرت کی تصویر بنی پاس ہی آگئیں۔

''ہم تو سمجھے تھے ارزش میاں کے آجانے سے حالات اچھے ہو جائیں گے۔ لیکن.....''

نین مسکرائی..... ایک دلگداز..... درد میں ڈوبی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے بانو بی کو دیکھا..."سوچو ارزش میاں نہ ہوتے تو میں یہ سب کچھ کیسے کرتی..... اکیلے....."

"نہیں بٹی..... ان کے آنے سے پہلے سب ٹھیک چل رہا تھا۔" بانو بی بولیں۔

"تو کیا وہ چلے جائیں.....؟"

ایک تو اسکول کی پریشانی..... اس پر بانو بی کی بحث..... نین کا دھیان بار، بار ارزش کی طرف جا رہا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اونچا بول گئی۔

بانو بی بھی سمجھ رہی تھیں کہ اس وقت نین پریشان ہے، سو چپ ہو رہیں۔

نین نے ارزش کو کال کی۔

ارزش اس وقت تک لوگوں کی مدد سے آگ بجھانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اور اس کوشش میں بہت حد تک لیکن کچھ، کچھ کامیاب ہو گیا تھا۔

"کتنا نقصان ہوا.....؟" نین نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"اس کا اندازہ تو اسی وقت لگے گا جب آگ مکمل طور پر بجھ جائے گی۔"

نین کے جواب میں ارزش نے کہا۔

"ویسے گاؤں کے لوگوں نے کافی مدد کی ہے، میرے آنے سے پہلے ہی آگ بجھانے کا کام شروع کر چکے تھے۔"

"کیا یہ شارٹ سرکٹ کی وجہ سے ہوا ہے؟" نین نے یونہی پوچھ لیا۔

ارزش نے دل میں شکر ادا کیا کہ اس کے پاس نین کو بہلانے کا اچھا طریقہ ہاتھ آ گیا تھا ورنہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کام چودھری کا ہی ہے، وہ ہی نہیں چاہتا تھا کہ اسکول رہے..... مگر اب ایک اور مسئلہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"خضر ڈیری فارم....."

"اچھا سنو..... میں آ کے بات کرتا ہوں....."

ارزش کہہ کر کال بند کرنے لگا کہ اس کے کانوں میں آواز آئی۔

"ارزش....." وہ رک گیا۔ نین اس کا نام نہیں لیتی تھی۔ آج لیا تو اسے اچھا لگا..... بہت اچھا۔

"ہاں....." ارزش نے آہستہ سے کہا۔ نین کی آواز میں اس کو اپنا نام پیارا لگنے لگا۔

"اپنا خیال رکھنا..... آگ سے دور رہنا..... نقصان جو ہوا سو ہوا..... دیکھ لیں گے آگ بجھ جائے تو آ جانا..... بس فوراً۔" فون بند ہو چکا تھا۔

آگ کے شعلے بھی دھیمے پڑ چکے تھے..... بہت زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔ شاید اس لیے کہ بچے اسکول سے جا چکے تھے اور آگ ایک کلاس کو لگی، صاف لگ رہا تھا کہ آگ لگانے والا صرف دھمکانا چاہ رہا تھا۔

شام کے سرمئی اجالے میں دھواں اور شعلے دونوں ہی پُراسرار لگ رہے تھے۔ اس پر کانوں میں شہد ٹپکاتی آواز "آگ سے دور رہنا، نقصان جو ہوا سو ہوا دیکھ لیں گے....."

اسے لگا نین نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ "جو ہو چکا سو ہو چکا بس اب لوٹ کے نہ جانا....."

گھنٹے بھر کی مشقت کے بعد آگ بجھ چکی تھی۔ نقصان، کا تخمینہ لگانے کے لیے دانیال موجود تھا۔ اور وہ واپس آ رہا تھا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ ٹھنڈے موسم کی آمد تھی۔ کھلی فضا میں شام بھی جلدی اترتی..... اور موسم بھی جلدی آ جاتے ہیں..... اندھیرے میں کہیں، کہیں جیپ کی ہیڈ لائٹس دھندلی بنا رہی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا....."

ارزش نے گہری سانس لی۔

محبت اب نہیں ہوگی.....
کچھ دن بعد میں ہوگی
گزر جائیں گے جب یہ دن
یہ ان کی یاد میں ہوگی محبت اب نہیں ہوگی

جیپ کچے پکے راستوں سے ہوتی حویلی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

گھر میں صدف آئی ہوئی تھی۔ نین پریشان ہو کر کبھی بیٹھ جاتی کبھی ٹہلنے لگتی۔

خضر کھیل رہا تھا..... ہر غم سے بے نیاز.....

صدف بے چینی سے نین کو دیکھ رہی تھی۔ لیکن خاموش تھی۔

نین نے صدف کو دیکھا۔ صدف کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

"کتنا نقصان ہو گیا ہوگا تمہارے خیال سے.....؟"

"نقصان پر کون پریشان ہے؟"

"تو.....؟" صدف نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

"بٹیا کو ارزش میاں کی پریشانی ہو رہی ہے۔"

"ایسا کیا؟" بانو بی نے بتایا تو صدف بے ساختہ مسکرا دی۔

"آگ بہت بے رحم ہوتی ہے صدف جانتی ہو ناں.....؟"

"جانتی ہوں..... لیکن یہ جو محبت ہے ناں آگ سے بھی زیادہ بے رحم ہوتی ہے..... جو کچھ بھی بے در رہنے ہی نہیں ہونے دیتی۔"

نین اس کی بات پر ہامی بھرنا چاہتی تھی کہ دستک ہوئی اور ارزش اندر آ گیا۔ خضر بے ساختہ بابا، بابا کہتا آ کر ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

ارزش کو صحیح سلامت دیکھ کر نین نے شکر ادا کیا۔ اس شکر کو ادا کرتے، کرتے اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ شکرانے کی نمی.....

بانو بی نے لپک کر میز پر رکھا گلاس اٹھایا اور پانی بھر کے ارزش کو دیا۔

"شکریہ....." ارزش نے پانی لیتے، لیتے کہا۔

"زیادہ نقصان نہیں ہوا لیکن پھر بھی نقصان تو نقصان ہے..... اس سے بھی بڑھ کر خوف ہے جو میں نے بچوں کے چہرے پر دیکھا۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی نے جان بوجھ کر....." صدف نے کہا لیکن بات درمیان میں روک لی۔

"اس کے لیے میں نے دانیال کو کہہ دیا ہے۔ وہ پتا لگوا رہا ہے کہ یہ محض حادثہ تھا یا سازش....."

نین کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی..... وہ جو کچھ سوچ رہی تھی اس کو زبان نہیں دینا چاہتی تھی، خصوصاً جب بانو بی موجود تھیں۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں....."

صدف اٹھی ہی تھی کہ نین نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کھانا کھا کے جانا..... بانو بی پلیز کھانا لگا دیں جلدی سے..... مجھے پتا ہے محترمہ آگ کا سن کر بھاگی چلی آئی ہوں گی....."

"تو کیا نہ آتی.....؟" صدف نے الٹا سوال کیا۔

ارزش محسوس کررہا تھا کہ نین کی زندگی میں صدف اور دانیال بہت اہم ہیں اور کیوں نہ ہوں اتنا پیار رکھتے ہیں دونوں......

کھانے کے دوران دانیال کا میسج آ گیا کہ چودھری کے...لوگوں نے کارروائی کی ہے۔ اس نے او کے لکھا اور سینڈ کردیا۔

"کیا تم میرے ساتھ چائے پینا پسند کرو گی؟"

ارزش نے صدف کے جانے کے بعد خضر سے کھیلتے کھیلتے عام سے لہجے میں نین کو دیکھے بغیر کہا۔

"خضر کے سونے کا وقت ہو رہا ہے۔"

"جب سو جائے تب آ جانا......" ارزش اٹھا۔

وہ چلا گیا۔ نین کی کیفیت بالکل سولہ سال کی لڑکی جیسی ہو رہی تھی۔ جس کو محبوب نے پہلی ملاقات کے لیے بلایا ہو۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے۔ بے تابی ایسی کہ گھڑی کی سوئیوں نے زنجیریں پہن لی ہوں۔

خضر سویا تو بانو بی کو چائے کا کہہ کر وہ باؤ جی کے کمرے میں آ گئی۔ ارزش جب سے آیا تھا اسی کمرے میں رہ رہا تھا۔ نین نے خود کہا کہ وہ اپنے کمرے میں رہے نہ ہی ارزش نے ساتھ رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر نین نے لمبی لمبی سانسیں لیں اور دروازے پر دستک دی۔

بہت عرصے تک کوئی بھی الگ رہے درمیان میں ایک جھجک سی آ ہی جاتی ہے۔ خواہ وہ میاں بیوی ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی تھی اور ہو گی۔

"آ جاؤ......" ارزش نے دروازے کی طرف دیکھا اور کہا۔

"چائے بانو بی لا رہی ہیں......"

دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں ایک چپ تھی۔ نین کو گزری رات کی ساری باتیں یاد آ رہی تھیں اور ارزش کو آگ سے متعلق کوئی بات کہنی تھی اور یہ بھی کہ اسے اپنا اور خضر کا بہت سا خیال رکھنا ہوگا۔

بانو بی آ گئیں...... چائے آ گئی۔

اب درمیان میں چپ کے ساتھ، ساتھ چائے کے کپ بھی آ گئے...... چائے کے کپوں سے نکلتی بھاپ بہت خوابناک سی لگ رہی تھی۔

دودھیا ہو رہے ہیں یہ منظر......
ہاتھ میں چائے کی پیالی ہے
درمیاں بھاپ کی حسین لپک
ساتھ تم اور شام سردی کی
کتنا دلکش خیال بنتا ہے

"چائے پیو......" ارزش نے کہا تو نین خیالوں سے نکل آئی۔ نین نے کپ اٹھا لیا۔

"تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے مجھے......"

نین کے ہاتھوں میں تھما کپ کانپ گیا۔ چائے چھلک گئی۔

"ارے......" ارزش بے ساختہ قریب آ گیا۔ چائے نین کے ہاتھ پر گری تھی۔ ارزش نے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر رکھا اور اس کے ہاتھ کا جائزہ لینے لگا۔

"آئنٹمنٹ ہے کوئی۔"

"شاید نہیں ہے ویسے بھی چائے بہت گرم نہیں تھی۔ میں ٹھنڈے پانی سے ہاتھ دھو کر آتی ہوں......"

نین اٹھی، اٹھتے اٹھتے کرسی سے ٹکرائی۔ ارزش نے [illegible] سنبھالا۔ نین نے [illegible] ارزش کو دیکھا اور سوری کہہ کر خود پر لعنت بھیجی۔

ارزش خود حیران ہو رہا تھا [illegible]

"تم آخر ایسا چاکلیٹ کی طرح [illegible] ہو رہی ہو نین؟"

ارزش کے سوال پر پہلے تو نین نے سوچا بات بنا لے [illegible]

"آپ نے کہا کہ کوئی بات کرنی ہے...... تو مجھے لگا کہ آپ اب اپنے جانے کی بات [illegible]"

ارزش زور سے ہنسا۔

"ایسا ہرگز نہیں ہے۔" اس نے ہنسی کنٹرول کی۔ "میں تو اسکول کی وجہ سے پریشان تھا اور"

"تو آپ کو اس طرح سے نہیں کہنا چاہیے تھا؟" نین نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"بھلا کس طرح سے؟" ارزش نے دلچسپی سے نین کو دیکھا۔

"یہی کہ تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"اگر یہ نہ کہتا...... تو کیا کہتا بتاؤ......؟"

"اچھا خیر......" نین نے جھینپ کر کہا۔

"اچھا خیر......" ارزش نے چائے کا گھونٹ بھرا اور مسکراتی آنکھوں سے نین کو دیکھا۔ نین پہلے ہی [illegible] رہی تھی اور ہو گئی۔

"اچھا چائے پیو گرائے بغیر......"

نین نے بہت احتیاط سے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"دیکھو چودھری محمد حسین جو تم سے ملنے اور اسکول کے بارے میں بات کرنے کو گھر بھی آئے تھے [illegible] اور اسکول کی آگ میں انہی کا ہاتھ ہے۔ ان سے سنبھل کر رہنا بہت ضروری ہے۔"

"پولیس میں رپورٹ کی؟"

"یہ پاکستان ہے یہاں عام انسان کی نہیں چلتی......"

ارزش نے طنزاً کہا۔

"آپ عام انسان نہیں ہیں......"

نین نے ہر لفظ پر زور دیا۔

"خاص کیا ہے مجھ میں......؟"

"آپ سفید حویلی کے مالک ہیں...... سی ایس پی آفیسر ہیں......"

"شکر ہے تم نے یہ نہیں کہا آپ میرے شوہر ہیں......" ارزش نے نہیں کہا۔

"یہ میں کیوں کہتی؟"

"کیونکہ...... سب سے زیادہ خاص بات اب یہی رہ گئی ہے کہ میں تمہارا شوہر ہوں...... اچھا سنو تم مجھے آپ کیوں کہنے لگی ہو...... پہلے تو تم کہتی تھیں۔"

ارزش نے گہری نظر نین پر ڈالی۔

"بانو بی کہتی ہیں شوہر کی عزت......" کہتے، کہتے وہ رک گئی۔

"احتراماً......!" اس نے کہا اور چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"یہ معاملہ تو آپ سنبھال لیں گے مجھے یقین ہے اس کے علاوہ...... مجھے بھی آپ سے ایک بات کرنی ہے بلکہ

پوچھنی ہے......"
"پوچھو......" ارزش نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر نین کو دیکھا۔
"زلیخا کون ہے؟"
ایک دھماکا تھا جو ارزش کے آس پاس ہوا۔
"تم کیسے جانتی ہو اسے؟" ارزش نے سنبھل کر کہا۔
"یہ میرے سوال کا جواب نہیں......"
"میری دوست ہے......"
"صرف دوست......؟"
ارزش نے نگاہ چرائی، پہلو بدلا لیکن بات نہ بدل سکا۔
"دوست، دوستی میں جان دے دیتے ہیں ایمان نہیں بدلتے۔"
ارزش کے چہرے پر ایک رنگ آ کے گزر گیا۔
"آپ پریشان نہ ہوں......چاہیں اسے......اس کی محبت کو یہ اجازت تو روزِ اول سے میں نے آپ کو دے رکھی ہے۔"
ارزش اس مضبوط لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو بہت اطمینان سے اپنی محبت اپنا شرعی حق کسی غیر کو دینے پر راضی تھی۔ نین کا مضبوط انداز ارزش کو کمزور کر رہا تھا۔
"اگر آپ یہ بات براہ راست مجھ سے کہتے تو مجھے اچھا لگتا......لیکن آپ کی فون کال میں نے دروازے کے کھڑے ہو کر سنی......وہ محض اتفاق تھا، میں آپ کے پاس آ رہی تھی۔ ایسی گفتگو تھی کہ میں وہیں جم گئی۔ مل بھی نہ سکی۔"
نین نے اپنے دل کی کیفیت بہت اطمینان سے سنائی۔
"سوری......میں نے تمہیں دکھ دیا بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ میری ذات سے تمہیں کبھی کوئی سکھ ملا ہی نہیں۔" ارزش نے دکھ سے کہا......وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔
"میں قسمت پر بہت یقین رکھتی ہوں اس لیے مجھے اس طرح دکھ نہیں ہوتا جیسے آپ سمجھ رہے ہیں۔ اللہ نے جس طرح لکھی ہوگی ہے اسی طرح سے گزارنی ہے تو پھر غصہ کس بات کا......شکوہ کس سے......؟"
نین نے کہا تو ارزش بہت پیچھے اپنی اکیڈمی میں کہیں بہت ساری باتوں کو دہرانے لگا، کچھ سوچنے لگا۔ قسمت کا وہ تو قسمت سے باغی تھا اور اب بھی ہے۔ "میں نے تو ہمیشہ یہی سمجھا کہ حالات انسان کے اپنے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔"
"آپ کیا سوچنے لگ گئے۔"
"قسمت کے بارے میں......؟" نین نے سوال کیا تو ارزش چونک گیا۔
"مگر میں قسمت پر ایسا یقین نہیں رکھتا جیسے تم رکھتی ہو......"
"قسمت پر یقین نہ رکھنا اللہ پر بے یقینی کے مترادف ہے کیونکہ کاتبِ تقدیر تو خدائے واحد ہے پھر آپ اس ذات پر یقین نہیں رکھتے جس کی کائنات پر حکمرانی ہے؟" نین کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔
"میں چلتی ہوں......" نین اٹھی۔ "آپ چاہیں تو زلیخا کو بلا لیں اور اگر وہ نہیں آنا چاہتی تو آپ کا مطلب ہے کسی دل کو تو آپ سکون سے رہنے دیں......"
نین کہہ کر چلی گئی......آخری جملہ اس نے یوں کہا جیسے لفظ نہ ہوں تیر ہوں اس نے سیدھے دل کا نشانہ لیا۔ ارزش نے بے ساختہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھا، درد کی ایک ہلکی سی لہر نے اسے پریشان کر دیا۔
"کیا کہنا تھا اس نے اور کیا سن لیا......"
ارزش نے سر جھٹک کر خیال بھی جھٹکا۔

"میں تو سوچ رہا تھا اس کو بتاؤں گا کہ مجھے نین میں بہت کشش محسوس ہونے لگی ہے، مجھے وہ اچھی لگنے لگی ہے لیکن......" شاید اس کو قسمت کہتے ہیں جو نی الوقت بد کی طرح اس کے ساتھ چمٹ گئی تھی اور وہ سامنے بیٹھی خوش قسمتی کو خوش قسمتی بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

☆☆☆

رات گہری ہو رہی تھی اور اس کا جی دل چاہ رہا تھا کہ چیخ، چیخ کر رو دے سب کو بتائے کہ جس کے خدوخال کو اس کی انگلیاں کاغذ پر اتارا کرتی تھیں جس کے انتظار میں اس نے کئی راتیں ایسے گزاریں کہ فجر ہو جاتی۔ وہ شخص اب کھلم کھلا اس سے بے وفائی کر رہا ہے......اور وہ اس بے وفائی کو تسلیم کر چکی ہے۔
اس نے ایک لمحے کو بھی نہیں سوچا ارزش اس کی محبت ہے، وہ لوٹ آیا ہے، چاہے ادھورا لیکن اس کے بچے کا باپ ہے اسے تو عادت ہے ارزش کے بغیر رہنے کی......لیکن نہیں وہ سوچتی تھی کہ اس کو ارزش کے بغیر رہنے کی عادت پڑ چکی ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔
کچھ آوازوں کو سننے کے لیے، کچھ چہروں کو دیکھنے کے لیے ہم عمر بھر ترستے رہتے ہیں، منتظر رہتے ہیں، ان سب چہروں میں، ان آوازوں میں سے سب سے اچھی پیاری آواز اس شخص کی تھی جو اس کو نام لے کر پکارتا تھا۔ کہتا......"نین......" اور نین کی آنکھیں یہاں سے وہاں تک فرشِ راہ ہو جاتیں۔
"میں غلط ہوں......" نین نے خود سے کہا۔
"میں بالکل غلط ہوں مجھے ارزش کی جدائی راس نہیں......مجھے اس کی کبھی عادت نہ ہو سکی، میرے اللہ مجھے میرے کہے کی سزا نہ دیجیے گا، وہ جب میں نے کہا تھا کہ تم چاہو تو دوسری شادی کر لینا۔ محض فریب تھا، خود سے فریب......شاید میرے دل کے کسی کونے میں یہ بات بھی تھی کہ ایک بار اگر ارزش میرا ہو گیا پھر وہ کبھی کسی اور کا نہیں ہوگا۔"
زندگی میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو عورت کبھی سمجھ نہیں پاتی وہ مرد کا دل ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا......کم بخت ایک راہ پر چلتے، چلتے ایک دم پٹری بدل لیتا ہے وہ مرد جو کبھی چاند ستارے تک توڑنے کا وعدہ کرتا ہے وہ جو عزیز تر رکھتا ہو کب کسی کی چاہت میں گرفتار ہو جائے گا، عورت بیچاری اپنے مرد کے بنائے محبت کے حصار میں قید رہ جاتی ہے......اس کا اندھا یقین......اسے واقعی اندھا ہی کر دیتا ہے۔ نین کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا تھا......وہ اجازت دے کر بھی اپنے یقین کے پل صراط پر چل رہی تھی۔
"خیر......" اس نے خیر کہا، گویا خود کو الارم دیا کہ "بس اب سوچنا بند کرو......کتابِ زیست میں جو رقم ہے وہی سچ ہے، لہٰذا وقت سے پہلے کڑھنے اور پریشان ہونے کا کیا فائدہ......"
وہی کوزہ گر کی ہیں انگلیاں......
وہی ان گھڑ اسا میرا وجود
وہی رہ گزر میرے حبیب کی
وہی تشنگی کا مہیب ڈر
معتز نے کروٹ لی، سوچوں کی نازک پگڈنڈیاں چیخ گئیں، نین ہوش میں آ گئی۔ لیکن سر بری طرح درد کر رہا تھا۔

☆☆☆

صبح کی نماز بھی قضا ہوئی، ناشتے پر حسبِ روایت وہی اہتمام تھا کہ ارزش کو جو پسند ہو وہی بنا لو۔ نین چاہتی تھی کہ معتز بھی وہی کھائے جو اس کا باپ پسند کرتا ہے۔ ارزش کے جانے کے بعد وہ بہانے، بہانے ارزش کو یاد کرے گی بلکہ اس کو یاد کرنے کا ایک اور بہانہ مل جائے گا۔
فرنچ ٹوسٹ، آملیٹ، کرنچی نٹ سیریلیز جس کو ڈرائیور سے کہہ کر شہر سے منگانا پڑتا وہ بھی کبھی ملتے کبھی نہیں ایک

پراٹھا بھی رکھا ہوتا وہ تو چائے کے ساتھ ایک سلائس لے کر فارغ ہو جاتی۔ آج صبح سلائس بھی حلق میں اٹک رہا تھا۔
''رات جاگتی رہی ہو......؟'' ارزش نے بالکل غیر متوقع سوال کیا۔
نین نے نظر بھر کر دیکھا...... سرخ آنکھیں رت جگے کے سارے راز فاش کر رہی تھیں۔
''تمہاری عادت بہت عجیب ہے نین...... دل کی بات کہتی نہیں ہو......''
''اگر دل کی بات کو رد ہونے کا خوف نہ ہو تو کہہ بھی سکتی ہوں......'' نین نے آہستہ سے کہا۔
''کہو ناں...... میں سننا چاہتا ہوں......''
نین ہنس دی پُراسراری ہنسی...... کچھ روڈ سی...... کچھ ہنستی گنگناتی ہنسی۔
''نین......'' ارزش نے میز پر رکھے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا...... اس کو ہنسنے سے روکنا چاہا۔
نین کی ہنسی کو بریک لگ گئے...... آنکھیں یک دم بھیگ گئیں...... دونوں کی نظریں ملیں...... نین کی [illegible] سرخ آنکھوں میں حزن تھا، خالی پن تھا...... حسرت تھی۔
''کہو ناں کیا کہنا چاہتی ہو......''
''کچھ نہیں......'' اس نے سر بھی انکار میں ہلایا۔
''پھر...... ایسے کیوں دیکھ رہی ہو......''
''کچھ کہنا نہیں چاہتی...... بس چاہتی ہوں......''
اسی وقت سبحان بابا نے راشد کے آنے کی خبر دی۔
''آپ انہیں بٹھائیں بابا، میں آتا ہوں......'' ارزش نے بابا سے کہا اور نین کی طرف متوجہ ہوا۔
''آپ پہلے ان سے مل لیں پھر بات کریں گے......'' اس نے کہہ کر اپنا رخ خضر کی طرف کر لیا۔ [illegible] کانٹے سے کھانے کی مشق کر رہا تھا۔ جب سے ارزش کو جو دیکھ رہا تھا۔
''بابا چائے لے آئیے گا......'' ارزش نے اٹھتے، اٹھتے کہا۔ نین نے اک گہری سانس لی۔ اے اللہ [illegible] موقع دیا تھا سوچنے کا...... وہ جو ہر بات دل میں لیے بیٹھی رہتی ہے کیا اب بھی دل میں رکھنا چاہیے یا نہیں؟
''اگر اس جذباتی لمحے میں میری زبان سے نکل جاتا کہ میں آپ کو چاہتی ہوں تو......''
نین نے کہا نہیں لیکن گھبرا گئی۔ سوچ میں پڑ گئی...... ''یہ جانتے ہوئے بھی کہ زلیخا اور ارزش ایک [illegible] چاہتے ہیں یہ کہنا ٹھیک ہے؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔
''تو اس میں غلط بھی کیا ہے، وہ میرا شوہر ہے میرے بیٹے کا باپ......'' نین نے خود کو دلاسا دیا۔

☆☆☆

راشد اور ارزش رسمی علیک سلیک کے بعد آمنے سامنے بیٹھ چکے تھے۔
''سنا ہے تم چودھری کے خلاف مقدمہ درج کرانا چاہتے ہو......''
''میرا حق ہے......'' ارزش نے کہا۔
''تمہارا حق تمہارے شک کی وجہ سے نہیں ہونا چاہیے، تم سمجھتے ہو لڑکیوں کے اسکول میں آگ چودھری نے لگائی [illegible]''
''سو فیصد......''
''دیکھو ارزش، اس طرح اندھیرے میں تیر مت چلاؤ نقصان اٹھاؤ گے۔''
''تم یہ بتانے آئے ہو......؟''
''نہیں، یہ بتانے کہ یا تو تم واپس چلے جاؤ...... یا پھر یہاں کے رنگ میں رنگ جاؤ...... تیسرا کوئی [illegible] تمہارے پاس ہے ہی نہیں......''

سبحان بابا چائے لے آئے تو دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی...... سبحان بابا چائے سرو کر کے دروازے کے پاس حسبِ روایت کھڑے ہو گئے۔
''یہاں آنے سے پہلے میں چودھری کے پاس گیا تھا۔'' راشد نے کہا۔
''یار تمہارا گریڈ کون سا ہے؟''
''20th گریڈ۔'' راشد نے اترا کر کہا۔
''اچھا......'' ارزش مرعوب ہوا...... ''میں نے تو سنا ہے 16 گریڈ والا بندہ بھی خود کو کوئی بلا سمجھتا ہے تم تو پھر بیسویں گریڈ میں ہو تمہارا ایسے کسی کے گھر جانا اچھا نہیں لگتا جیسے چودھری...... میں تو خیر دوست ہوں، کلاس فیلو ہوں، ہمارا ملنا تو سمجھ میں آتا ہے تم چودھری کے اتنے ہمراز کیسے ہو گئے......''
راشد نے بڑی مشکل سے چائے کا گھونٹ حلق سے نیچے اتارا...... اسے بری طرح غصہ آ رہا تھا پھر بھی صبر کے تلخ گھونٹ کی طرح میٹھی دودھ پتی کو بھی تلخ سا محسوس کیا۔
''بس صرف تمہاری خاطر اس سے مل کر آ رہا ہوں...... میں اپنی اور اپنے گریڈ کی عزت کو خوب جانتا ہوں''
''اچھی بات ہے...... دیکھو راشد میرا نقصان ہوا ہے، میں تو بدلہ لوں گا...... کل کلاں بڑا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔'' ارزش تلخی سے بولا۔
''اسی لیے کہہ رہا ہوں، جو ہو چکا ہے بات کو یہیں ختم کرو اور پھر گاؤں کی لڑکیاں اگر نہیں پڑھیں گی تو کیا ہوا...... شہروں میں لڑکیاں پڑھ ہی رہی ہیں ناں...... کیا ضروری ہے یہاں بھی تعلیم کو اتنا عام کیا جائے......'' راشد اپنی کرسی سے اٹھتے، اٹھتے بولا۔
''واقعی ضروری نہیں ہے...... کیونکہ بچے، بچیوں کی پہلے تربیت کرنا ہوگی۔ پھر تعلیم بھی دے دیں گے۔''
راشد چونکا۔
''تربیت کے بغیر تعلیم گدھے پر کتابیں لادنے والی بات ہی ہو جاتی ہے ناں......'' ارزش تلخی سے ہنسا۔
ارزش کی بات کو راشد نے اچھی طرح سے محسوس کیا...... اس سے پہلے کہ بات خراب ہوتی اس نے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆

ارزش کے جاتے ہی دانیال کی کال آ گئی، اس نے بتا دیا کہ یہ سارا کام چودھری نے کرایا ہے اور وہ اب مقدمہ درج کرانے جا رہا ہے۔
''رک جائیں پہلے مجھے ارزش سے پوچھ لینے دیں......''
دانیال مسکرا دیا۔ بے آواز مسکراہٹ کے ساتھ اس نے صرف ہوں کہا۔
''مجھے یقین ہے آپ ہنس رہے ہوں گے...... سارے فیصلے خود کرنے والی شوہر کے مشورے کا انتظار کر رہی ہے۔''
دانیال جھینپ گیا...... چوری پکڑے جانے کی وجہ سے شرمندہ ہو گیا۔ وہ تو اچھا تھا وہ فون پر تھا۔
''ایسی کوئی بات نہیں بیچاری مشرقی عورتوں کی یہی تعریف ہے، اکیلی ہوں تو بہادر شوہر کے ساتھ ہوں تو بالکل بدھو......''
نین کا جی چاہا دانیال کے بدھو کہنے پر قہقہہ لگا کے ہنسے...... لیکن زور سے ہنسنا اس نے کب کا چھوڑ دیا تھا۔ سو مسکرا کر رہ گئی۔
''میں انتظار کروں گا آپ مشورہ کر لیجیے گا......''
''جی......''
خضر کے لیے اس نے کچھ کتابیں منگوائی تھیں ڈاک سے وہ آئیں تو ارزش پارسل لیے گول کمرے میں آ گیا۔

"اتنے سے بچے پر کتابوں کا اتنا سارا بوجھ......"
اس نے پارسل نین کو دیا۔
"اگر اسے یہ بوجھ اٹھانا نہ آیا تو ساری عمر بیکار جائے گی اس کی...... اس سال اسکول میں بھی داخل کرانا
کچھ پڑھنا آجائے تو۔"
"بیچارہ کتنی تو رفتار رہتا ہے۔" ارزش نے پارسل کھولتے، کھولتے کہا۔
"میں سوچ رہی تھی اس کو میری طرح رنگوں سے، لکیروں سے محبت ہوگی مگر اس کو کتنی اچھی لگتی ہے۔"
نین نے مسکرا کر کہا۔
"میں نے تو نہیں دیکھا کہ تمہیں رنگوں سے محبت ہے...... جب سے آیا ہوں، سفید رنگ پہنتی ہو یا پھر
اس دن جس دن خضر ڈیری فارم کا افتتاح تھا کچھ رنگین کپڑے پہنے تھے۔"
ارزش نے اتنے عام سے لہجے میں کہا کہ نین اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو روک ہی نہیں سکی۔
"عادت ہوگئی ہے یا پھر زندگی بلیک اینڈ وائٹ ہے سو......"
"اسے رنگین کرلو......"
ارزش کے ہاتھ میں بچوں کا قاعدہ تھا...... اس نے نین کو دیکھے بغیر کہا۔
نین نے چونک کر ارزش کو دیکھا جو سر جھکا کے کتاب کے ورق پلٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔
"تمہاری رنگوں سے دوستی رہنی چاہیے۔ مجھے یاد ہے تم پنسل سے اسکیچ بنایا کرتی تھیں...... اب بھی بناتی ہو؟"
نین نے انکار میں سر ہلایا۔
"کیوں......؟"
نین کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔
"اچھا میرا اور خضر کا اسکیچ بنانا...... میں اسے فریم کرا کے......"
"ساتھ لے جائیں گے؟" نین نے ارزش کی بات کاٹی اور کہا۔
"تمہیں یہ وہم کیوں ہے کہ میں چلا جاؤں گا......"
"کاش یہ وہم ہی ہوتا، مجھے تو یقین سا لگتا ہے......"
"اور مجھے لگتا ہے کہ میں اب کبھی نہیں جا پاؤں گا...... خضر روک لے گا مجھے......" ارزش نے ہنس کر کہا۔
"میرا دوست کہا کرتا تھا محبت پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ شاید اسی لیے میں ساری عمر محبت نہیں
سکا...... میری طبیعت میں کہیں ٹھہرنا تھا ہی نہیں...... لیکن اب خضر...... واقعی محبت کیسی بھی ہو بہت طاقت ور
ہے۔" ارزش نے بھرپور محبت اور لگاوٹ سے نین کو دیکھا۔
نین کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور بکھرے لیکن ایک احساس دل کے کسی کونے میں ہمکتا ہی رہا کہ کیا اسے
یقین کرلینا چاہیے یا نہیں...... ارزش کی مسکراہٹ، اس کا لہجہ سب کچھ...... کچھ کہہ رہا ہے...... اس کی آنکھوں کا
...... نین کے رخساروں کو دھکا رہا تھا۔ اس کے دل کے بند دروازے کھلنے کے لیے بے چین تھے۔
آج صبح ناشتے کی میز پر ارزش نے نین کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک مہک رہا تھا۔
ارزش تو اس کی بے خبری کی محبت تھا۔
اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا ارزش کو اپنا محبوب پایا تھا۔ اور اس کا محبوب کس محبوبیت سے اس کو تک رہا
تھا وہ کھل کے مہک نہ جاتی تو اور کیا کرتی......
(جاری ہے)

نوکری

زینیا حسن

صبا کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اپنی بے چینی اور غصے پر کیسے قابو پائے۔ غصے کے ساتھ، ساتھ صبح سے رو، رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ توہین کے احساس نے اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ بات اتنی بڑی نہیں تھی مگر تبریز نے جن الفاظ کا استعمال کیا تھا وہ اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ صبا جو ہمیشہ سے بے حد خود اعتماد تھی، دوسروں سے بات کرنے کا سلیقہ جانتی تھی۔ اسکول اور پھر کالج میں پڑھائی اور دیگر سرگرمیوں میں پہلے نمبر پر رہی تھی۔ خاندان والے اور دوست احباب اس کی صلاحیتوں کا برملا اظہار کرتے تھے۔

اس صبا کے بارے میں تبریز کا خیال تھا کہ وہ ایک سیدھی سادی، گھریلو عورت ہے اور نوکری کرنا اس کے

"بس کی بات نہیں ہے۔" تبریز کے ان الفاظ نے مضبوط صبا کو بھر بھری ریت کی طرح بکھیر دیا تھا۔ وہ کئی دنوں سے تبریز سے اپنی نوکری کے بارے میں بات کرنے کا سوچ رہی تھی۔ حمزہ ڈیڑھ سال کا ہوگیا تھا۔ اخراجات اور مہنگائی دونوں ہی کے بڑھنے کی رفتار خاصی تیز ہوگئی تھی۔ تبریز کی نوکری اچھی تھی۔ گزارہ بھی ٹھیک ہو رہا تھا مگر وہ اس سے اچھا معیارِ زندگی اور حمزہ کی تعلیم اور مستقبل کی خاطر آمدنی بڑھانے کا سوچ کر نوکری کا ارادہ کر بیٹھی تھی۔ سائنس کے مضامین میں بی ایس سی کیا تھا پھر شادی کے بعد اور فوراً ہی حمزہ کی پیدائش کے سلسلے کی وجہ سے چاہتے ہوئے بھی آگے نہ پڑھ سکی تھی مگر اسے یقین تھا کہ وہ اچھی نوکری ڈھونڈنے میں کامیاب ہوجائے گی۔ آج تبریز کو دفتر کے کام کی وجہ سے چند روز کے لیے لاہور جانا تھا۔ ناشتے کے دوران صبا نے بڑی امید کے ساتھ اس سے اپنی نوکری کی بات کی۔

"کیا ضرورت ہے؟" تبریز نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ صبا نے ضرورتوں کی لسٹ گنوادی۔ تبریز ذرا سنجیدہ ہوگیا۔

"صبا ہم بہت بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ حمزہ کو ابھی تمہاری پوری توجہ کی ضرورت ہے۔" مگر جب صبا نے ضد پکڑ لی تو وہ بھی جھنجلا گیا۔

"بات یہ ہے صبا کہ تم نوکری کر ہی نہیں سکتیں۔"

یہ سن کر تو صبا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور ہاتھ میں چائے کا کپ جیسے تھم سا گیا۔ اس کا جی چاہا کپ زور سے زمین پر دے مارے۔

"مگر کیوں......؟" اس نے ناگواری سے پوچھا۔

"تم ایک سیدھی سادی، گھریلو عورت ہو...... باہر کی دنیا فیس نہیں کرسکو گی۔ بہت مجبوری میں جو عورتیں باہر نکلتی ہیں انہیں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر وہ ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار بھی ہوتی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم ان مشکلات کا سامنا کرسکو گی اور پھر ضرورت بھی کیا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ میں دبو اور عدم خود اعتمادی کا شکار ایک بیکار عورت ہوں......" صورتِ حال میں تناؤ آتا دیکھ کر تبریز نے اپنا انداز گفتگو بدلا۔

"عورت...... کون عورت تم تو ابھی کومل سی لڑکی ہو...... صبا تم میرا مطلب نہیں سمجھ رہی ہو۔ تم ماں، باپ کے گھر کی چھاؤں اور شوہر کی پناہ دیکھی ہے باہر کی دنیا کیسی ہے یہ تم نہیں جانتیں۔"

اس کے ساتھ ہی تبریز نے ناشتا اور بات دونوں ختم کیا۔ حمزہ کو پیار کرکے سوٹ کیس اٹھایا اور صبا کی طرف بڑھا۔ صبا رخ موڑ کر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوگئی یعنی کھلی جنگ کا اعلان۔

"یار دوسرے شہر جارہا ہوں، پیار سے رخصت کردو......" صبا ویسے ہی کھڑی رہی۔ تبریز کو بھی غصہ آگیا اور خدا حافظ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ بس صبا جو... آتش فشاں بنی ہوئی تھی اس کی وجہ یہی بحث تھی۔

"میں بھی تبریز کے آنے سے پہلے نوکری ڈھونڈوں گی اور کرکے بھی دکھاؤں گی۔" اس نے سوچا اور اپنی سہیلی عظمیٰ ملک کو فون کیا جس نے حال ہی میں ایک اچھی جگہ جاب شروع کی تھی اور اپنی پہلی تنخواہ سے ہی کمیٹی ڈالنا شروع کردی تھی۔ عظمیٰ نے نوکری کرنے کے اتنے فوائد بتائے کہ صبا متاثر ہوگئی اور خود بھی نوکری کا سوچنے لگی۔ اس نے عظمیٰ سے کہہ دیا تھا کہ اپنے دفتر میں اسے بھی جاب دلادے۔ یہ سن کر کہ "دفتر میں ایک جگہ خالی ہے فوراً اپنا سی وی بنا کر مجھے دے دو۔ میں کوشش کروں گی۔" صبا خاصی پُرامید ہوگئی تھی۔ اپنے تبریز کی رائے کو غلط ثابت کرنے کے لیے اس نے سب سے پہلے عظمیٰ کو ہی فون لگایا۔

"خیریت......!" اتنی صبح صبح عظمیٰ نے اپنے مخصوص کھنکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ پوری بات کرکے فون رکھتے ہوئے صبا بہت مایوس تھی۔ عظمیٰ نے اسے بتایا کہ صبا نے دیر کردی۔ دو دن پہلے ہی ایک لڑکی کو دفتر میں رکھ لیا ہے۔ مگر اس نے امید دلائی کہ جیسے ہی کوئی ویکینسی (vacancy) نکلے گی تو وہ صبا کو اطلاع دے گی بس وہ اپنی سی وی تیار رکھے۔ صبا نے سی وی پہلے ہی ایک کمپیوٹر کمپوزنگ کی دکان سے بنوالی تھی جب وہ خریداری کے لیے گئی تھی۔ تجربہ کوئی تھا نہیں لہٰذا مختصر

سی سی وی تھی جو جلد ہی کمپیوٹر آپریٹر نے مہارت سے تیار کر کے اسے دے دی تھی۔ عظمیٰ نے امید تو دلائی تھی مگر صبا کو ان ہی دنوں میں نوکری ڈھونڈنی تھی جب تک تبریز شہر سے باہر تھا۔ اس نے اپنے لیے چائے کا کپ بنایا اور آج کا اخبار لے کر بیٹھ گئی۔ حمزہ ناشتے کے بعد پھر سو گیا تھا۔ صبا سکون سے اخبار کے کلاسیفائیڈ صفحات پڑھ کر اپنی مطلوبہ نوکری ڈھونڈنے لگی۔ تین نوکریوں کے گرد دائرہ بنا کر اس نے سب سے پہلے ایک نمبر ملایا جہاں PRO یعنی پبلک ریلیشنگ آفیسر کی جگہ خالی تھی۔ اس کے خیال میں یہ نوکری مشکل نہیں تھی لوگوں سے صرف بات ہی تو کرنی ہوتی ہے۔ خود اعتمادی اور اخلاق دونوں ہی اس میں موجود ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے بڑے اعتماد سے فون پر بات کی اور دفتر کا پتا نوٹ کرلیا۔ وہ اسی وقت اچھی طرح تیار ہوئی۔ اپنے کاغذات کی فائل، بیگ اور حمزہ کے سامان کا بیگ اٹھایا۔ پھر کچھ سوچ کر تمام چیزیں واپس رکھیں۔ گیٹ کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا محلے کا ایک لڑکا دکھا تو اسے رکشا لانے کا کہا۔

"جی باجی......" کہہ کر وہ لڑکا مرکزی سڑک کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں رکشا آگیا تھا۔ اس نے سامان اٹھا کر حمزہ کو گود میں لیا اور رکشے میں بیٹھ گئی۔ راستے میں حمزہ کو آپا کے گھر چھوڑنا تھا۔ آپا کے استفسار پر بھی اس نے اصل بات نہیں بتائی اور راستے بھر دعائیں مانگتی رہی کہ اسے نوکری مل جائے۔ مطلوبہ جگہ اتر کر اس نے عمارت کا نام پرچی پر لکھے نام سے ملایا اور اندر داخل ہوگئی۔ اسے چوتھے فلور پر جانا تھا۔ وہ چوتھی منزل پر لفٹ سے باہر نکلی سامنے وہی دفتر تھا جہاں اسے پہلی بار انٹرویو کے لیے جانا تھا۔ دفتر کے اندر قدم رکھتے ہی وہ خوب صورتی سے سجے عالیشان دفتر کے خنک اور مہکے ہوئے ماحول سے بے حد متاثر ہوئی...... بیس منٹ بعد وہ دفتر کے مالک کے سامنے بیٹھی تھی۔ پہلا انٹرویو تھا، وہ نروس تھی۔ معذرت کرکے اس نے کیبن میں رکھے ڈسپنسر سے پانی پیا اور پھر کرسی پر بیٹھ گئی۔ دفتر کا مالک عرفان اس کی حالت بھانپ گیا تھا۔

"گھبرائیے نہیں...... ہمارے دفتر کا ماحول بہت اچھا ہے اور کام بھی مشکل نہیں ہے۔"

"جی...... جی......" وہ اتنا ہی بول پائی۔

"دیکھیے صبا صاحبہ ہم Life saving machines اور ventilators باہر سے منگواتے ہیں اور کچھ سامان یہاں سے باہر بھیجتے ہیں۔ ان کے بارے میں تو آپ کو پتا ہی ہوگا کہ یہ جان بچانے والی بے حد قیمتی مشینیں ہوتی ہیں۔" عرفان نے ایک گہری نظر اس پر اور سرسری نظر اس کے سی وی پر ڈالی۔

"آپ کا کام بہت آسان ہوگا۔ ہمارے clients (گاہکوں) کے ساتھ ڈیل کرنا ہوگا۔ آپ کے پاس تجربہ نہیں ہے مگر ہماری جاب کی ریکوائرمنٹ ہے کہ لڑکی اسمارٹ ہو، خوب صورت ہو اور اسے سلیقے سے بات کرنی آتی ہو اور یہ دونوں صلاحیتیں آپ میں موجود ہیں۔ بہت سی لڑکیاں آئیں جو ہماری ریکوائرمنٹ پر پوری نہیں اتریں، اسی لیے ہم نے آپ کو سلیکٹ کیا ہے۔ باقی تجربہ آپ کو کام کے ساتھ آہی جائے گا۔ آپ کل سے ہی ہمیں جوائن کرسکتی ہیں۔"

واپسی پر وہ بے حد خوش تھی، اتنی جلدی اس کا کام ہوجائے گا یہ بات اسے سرشار کررہی تھی۔ مگر ایک بات پر وہ الجھ رہی تھی کہ بات کرنے کا سلیقہ تو ٹھیک ہے مگر جس بے باکی سے عرفان نے اسے خوب صورت کہا تھا اسے اچھا نہیں لگا تھا مگر جس طبقے سے اس کا تعلق تھا وہاں اس طرح برملا کہہ دینا عام بات ہوگی۔ واپسی پر اس نے کھانا آپا کے گھر ہی کھایا۔ آپا نے اس کی غیر معمولی خوشی کو محسوس تو کیا مگر کچھ پوچھا نہیں۔ وقت آنے پر وہ خود ہی بتادے گی، آپا کو صبا کی اس عادت کا پتا تھا کہ پریشانی یا خوشی کی بات وہ فوراً نہیں بتاتی تھی۔ گھر آکر وہ آرام کرنے لیٹ گئی۔ حمزہ ٹی وی پر کارٹون دیکھ رہا تھا۔ تبھی فون کی گھنٹی بجی، تبریز کا فون ہوگا وہ سوچتی ہوئی اٹھی مگر دوسری طرف سے عرفان کا نام اور آواز سن کر کچھ حیران ہوئی۔

"جی مس صبا کیسی ہیں آپ......؟" عرفان نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"مسز صبا!" اس نے تصحیح کی۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا......" عرفان نے ہنس کر

کہا۔ ”اس سے پہلے کہ آپ ہمیں جوائن کریں میں کچھ باتیں کلیئر کرنا چاہتا ہوں......اس وقت میٹنگ کی وجہ سے مجھے جلدی تھی ورنہ یہ باتیں بھی ہو جاتیں۔“

”جی کہیے، کون سی باتیں......؟“

”مس صبا آپ کس حد تک بولڈ (بے باک) ہیں؟“

”جی۔ کیا مطلب......؟“ صبا نے حیرانی سے پوچھا۔

”مطلب یہ......ٹھہریے میں ذرا تفصیل سے بتاتا ہوں......ہمارے کلائنٹس کے ساتھ deal کرنا آپ کی جاب ہے اس میں ملکی اور غیر ملکی کلائنٹس بھی شامل ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ نے ان کو کمپنی دینی ہے۔ ان کے ساتھ لنچ اور ڈنر پر بھی جانا ہوگا۔ پارٹیز میں جانا ہوگا۔ مطلب سمجھ رہی ہیں ناں آپ کہ انہیں ہر لحاظ سے خوش رکھنا ہوگا۔“

عرفان کی باتیں سن کر صبا کو لگا گرم، گرم سیسہ کسی نے اس کے کانوں میں ڈال دیا۔

”آپ یہ سب انجوائے کریں گی......“

”جی......آپ ہوش میں تو ہیں......“ وہ اور بھی جانے کیا، کیا کہہ رہا تھا۔ اس نے غصے میں بھرائی ہوئی آواز سے جواب دیا اور فون پٹخ دیا۔

صبا کا سر گھوم رہا تھا۔ عرفان کی باتوں نے اسے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ وہ جو لیٹی یہ سوچ رہی تھی کہ کل آفس کیا پہن کر جائے عرفان کے منہ سے top، jeans، اسکرٹ جیسے نام سن کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ بہت دیر وہ کسی مجسمے کی طرح ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ بیٹھی رہی۔ بیٹے نے آکر اسے جھنجوڑا تو وہ ہوش میں آئی۔ ”اُف سید فراست علی کی بیٹی اور تبریز اقبال کی باعزت بیوی کسی کال گرل کی طرح......“ اس سے آگے کچھ سوچا نہیں گیا اتنی زیادہ سیلری اور مراعات کی وجہ اسے سمجھ آ گئی تھی۔

اگلے دن وہ پھر نارمل ہو چکی تھی۔ ضروری نہیں سب برے ہی ہوں آج کے اخبار میں تھا آفس ورک کے لیے لڑکیاں درکار ہیں۔ پرکشش تنخواہ اور دیگر مراعات ......اس نے نمبر ملایا۔

”ہم پہلے فون پر ہی انٹرویو لیتے ہیں۔“ خاتون کی آواز سن کر صبا کو اطمینان ہوا کہ وہ ایک عورت سے بات کر رہی ہے۔

”ہمیں آپ کا فوٹو شوٹ کروانا ہوگا۔“ اس کی نمبر اور عمر پوچھنے کے بعد خاتون نے کہا۔

”میڈم آفس ورک کے لیے فوٹو شوٹ؟“ صبا نے حیرانی سے پوچھا۔

”جی ہم اپنی ہر employe کی تصویریں اپنے پاس رکھتے ہیں۔“ خاتون نے کہا۔

”آپ شادی شدہ ہیں یا غیر شادی شدہ......؟“

”جی شادی شدہ......“

”اوہو......مطلب آپ کو تو پتا ہوگا اخبارات میں چھپنے والے ایسے مبہم سے اشتہارات کس نوکری کے لیے ہوتے ہیں......“

صبا جو خاتون کی آواز سن کر کچھ اطمینان میں تھی کہ ملازمت کے لیے جو ریکوائرمنٹ کی وہ تفصیل بتا رہی تھیں اس کو سن کر تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے۔

”کیا بکواس کر رہی ہیں آپ......ایک عورت ہوتے ہوئے دوسری باعزت عورت کو عزت گنوانے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ آپ کی بھی بیٹیاں ہوں گی۔“ صبا نے پھنکار کر کہا۔

”میری بیٹیوں کا نام لیا تو نمبر ٹریس کر کے گھر سے اٹھوالوں گی، کیا سمجھیں، ویسے نادان لگتی ہو، اشتہار پڑھ کر سمجھ نہیں آیا کہاں فون کر رہی ہو......اگر واقعی بہت معصوم ہو تو بتا دوں کہ اس طرح کی نوکریوں کے اشتہار دھوکا ہوتے ہیں۔ شکاری کا جال۔ میں نے تو شرافت سے سب کچھ فون پر بتا دیا کیونکہ یہ کام کرنا میری مجبوری ہے۔ ویسے بتا دوں کہ میں بھی یہاں نوکری کرتی ہوں اور اس کے پیچھے کون، کون ہے اس شریف زادے، مشہور ہستی کا نام بتا دوں تو اپنی انگلیاں اپنے ہی دانتوں سے کاٹ لوگی۔“ اتنا کہہ کر فون بند ہو گیا تھا مگر صبا کے آنسو جاری تھے۔

”یا اللہ یہ سب کیا ہے، اب اخبار سے دیکھ کر کبھی نوکری کے لیے فون نہیں کروں گی۔“ اس دن مارے دہشت کے اسے بخار بھی ہو گیا تھا۔ اگلے دن اپنے کا اخبار اٹھایا نظر پڑی۔

”80 سالہ خاتون کے لیے caretaker (خیال رکھنے والی) کی ضرورت ہے جو صبح سے شام تک ان کے ساتھ وقت گزارے اور ان کی دلجوئی کر سکے۔“

صبا کو کچھ امید نظر آئی۔ فون پر بات ہوئی گھر بتایا گیا جو اس کے علاقے سے کافی دور تھا۔

”سوری سر روز آنا جانا میرے لیے ممکن نہیں......“

”thats not a problem (یہ کوئی پرابلم نہیں) آپ کو پک اینڈ ڈراپ دے دیا جائے گا۔ اگر آپ انٹرویو میں کامیاب ہو گئیں اور میری والدہ کے معیار پر پوری اتریں۔ تنخواہ کے علاوہ دوپہر کا کھانا بھی دیا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے آپ مجھے پتا سمجھا دیں۔“

”آپ ایسا کریں فلاں جگہ آ کر مجھے کال کریں میں وہاں تک ڈرائیور بھیج دوں گا......ورنہ آپ کو مشکل ہوگی۔“ اتنا کہہ کر ان صاحب نے کال کاٹ دی۔

”سو بر بندہ ہے، جاب اور تنخواہ بھی اچھی ہے، ٹرائی کر لیتی ہوں۔“ آپا کو فون کیا ان کی نند کی طبیعت خراب ہو گئی تھی وہ وہاں جانے کے لیے نکل رہی تھی۔

”سوری صبا......میری گڑیا آج حمزہ کو نہیں رکھ سکتی ساتھ بھی نہیں لے جا سکتی نہ صرف میری بلکہ نند کی سسرال کا بھی معاملہ ہے۔ تم سمجھ رہی ہو ناں......“

آپا سے بات کر کے صبا نے فون رکھا اور سوچنے لگی۔

”گھر ہی تو جانا ہے کون سا کسی آفس میں جانا ہے۔ حمزہ کو ساتھ لے جاتی ہوں۔“ حمزہ کو نہلا دھلا کر تیار کیا اس کا بیگ تیار کیا خود نہا کر تیار ہوئی اور فون کر کے کیب بلائی۔ دس منٹ میں گاڑی دروازے پر تھی۔ ان صاحب نے ایک مشہور جگہ کی لوکیشن بھیج دی تھی، بہر حال صبا نے فون کر دیا تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے میں وہ مطلوبہ جگہ پر موجود تھی جہاں ان کی سیاہ ہائی لکس کھڑی تھی۔ کنفرم کر کے وہ بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ بنگلے کے سامنے تھی۔ گارڈ موجود تھا۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ خوب صورت بنگلا ہر طرف ہریالی اور سجاوٹ کی چیزیں......وہ صاحب دروازے پر کھڑے تھے۔ صبا کو لے کر وہ اندر آئے۔

حمزہ کو دیکھ کر بولے۔

”اچھا تو یہ آپ کا بیٹا ہے، اچھی بات ہے۔“ صبا کی حیرانی بھانپ کر انہوں نے وضاحت دی۔ ”دراصل میری والدہ کو بچے پسند ہیں آپ اسے اپنے ساتھ لے کر آ سکتی ہیں جاب پر......اگر آپ سلیکٹ ہو گئیں۔“ صبا مسکرائی۔ اسے اطمینان ہوا کہ حمزہ کو کہیں چھوڑنا نہیں پڑے گا۔ ان صاحب نے پورا گھر دکھایا۔ ایک نفاست سے سجا ہوا کمرا دکھایا۔ سلائیڈنگ دروازے کی الماری میں نفیس اور خوب صورت ملبوسات تھے۔ یہ آپ کا کمرا ہوگا اور یہ کپڑے اور میک اپ کا سامان وغیرہ بھی دراصل میری والدہ چاہتی ہیں جو بھی ان کے ساتھ رہے وہ اس گھر کا ایک فرد لگے۔ گھر دکھانے کے بعد وہ صبا کو ایک کمرے میں لے گئے۔

”سر آپ کی والدہ کہاں ہیں؟“ صبا نے پوچھا۔

”آج میرے بھائی کے گھر گئی ہیں......آپ بیٹھیے چائے انجوائے کریں، مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“

”جی فرمائیے میں سن رہی ہوں......“

ملازم نے چائے کا ایک کپ ان صاحب کو پکڑایا اور دوسرا خود صبا کو......پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔ حمزہ قالین پر بیٹھا کھیل رہا تھا۔ چائے کے ساتھ لوازمات بھی تھے۔ ان صاحب نے حمزہ کے سامنے بسکٹ کی پلیٹ رکھ دی۔

”جی فرمائیے......“ صبا نے کہا۔

”میں آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہا ہوں......“ صبا غور سے سن رہی تھی۔

”میری پہلی شادی میری لو میرج تھی۔ میری دو بیٹیاں ہیں جو اب ماشاء اللہ سے شادی شدہ ہیں اور اپنے گھر میں خوش ہیں۔ میری بیوی کا انتقال کئی سال پہلے ہو گیا تھا۔ میں نے ایک بیوہ دو بچوں کی ماں سے دوسری شادی کی مگر نبھی نہیں......اس نے مجھ سے طلاق لے لی اور جاتے ہوئے مجھے طعنہ دیا کہ تم پاگل بڈھے سے کون شادی کرے گا۔ بس مجھے اس کا یہ طعنہ چبھ گیا، میں نے ایک اٹھارہ سال کی فلپینو لڑکی سے شادی کر لی اس جاہل عورت کو جلانے کے لیے۔ میں جانتا تھا کہ اس لڑکی

نے صرف میری دولت کی خاطر شادی کی ہے لیکن وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی...... مگر مشکل یہ ہے کہ اب وہ میرے بچے کو جنم دینے والی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ میرا بچہ ایک غیر ملکی، غیر مذہب لڑکی کی گود میں پرورش پائے۔ اب میں بہت بڑی مصیبت میں ہوں جس سے صرف آپ مجھے نکال سکتی ہیں۔ بچہ پیدا ہوتے ہی اس لڑکی کو طلاق ہو جائے گی جو میں پہلے ہی دے چکا ہوں......'' اتنا کہہ کر وہ صبا کو امید سے دیکھنے لگے۔

''مگر میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں سر؟'' صبا نے حیرانی سے پوچھا۔

''دراصل میری والدہ تو میرے بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔ مجھے آپ جیسی مہذب، خوب صورت خاتون کی تلاش تھی جن سے میں شادی کروں اور وہ میرا بچہ بھی پال لیں۔ آپ اپنے اور میرے دونوں بچوں کی پرورش بہ آسانی کر سکیں گی۔ یقین کیجیے آپ کو یہاں ہر آسائش ہر آرام ملے گا۔'' کوئی بم تھا جو صبا کے سر پر پھٹا تھا۔ صبا نے حمزہ کو اٹھا کر سینے سے لگایا۔

''میں شادی شدہ ہوں اور میرے شوہر دنیا کے بہترین شوہر ہیں، آپ والدہ کی کیئر ٹیکر کی آڑ میں اپنے بچے کی آیا اور بیوی ڈھونڈ رہے ہیں، شرم آنی چاہیے آپ کو......'' صبا آنسو پونچھتی حمزہ کو سینے سے لگائے باہر کی طرف لپکی۔

''محترمہ سنیے تو۔'' وہ صاحب پیچھے بھاگے۔

صبا پلٹی اور انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

''میرے پیچھے مت آیئے گا، اب تک لوگوں نے ایک عورت کو للکارا تھا مگر آپ نے ایک وفا شعار بیوی اور ایک ماں کو للکارا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ جیسے بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ تو قسمت اچھی تھی کہ سواری بھی جلدی مل گئی۔ گھر پہنچ کر صبا پھوٹ، پھوٹ کر روئی...... چلا، چلا کر روئی اس کے رونے سے حمزہ بھی رونے لگا تو اس نے خود کو سنبھالا اور حمزہ کو سینے سے لگا کر سسکنے لگی۔ آج اسے تمریز کی اس صبح کی باتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ آ گیا تھا۔

''تمریز آپ کہاں ہیں......؟ میں نے آپ کو اللہ حافظ بھی نہیں کیا، محبت سے رخصت بھی نہیں کیا۔'' وہ زور، زور سے چلائی ''تمریز......'' اور اسی وقت گئی کہ وہ بھاگ کر دروازے پر گئی سامنے تمریز کو دیکھ کر اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

''اندر تو آنے دو یار......'' تمریز اسے بانہوں میں سمیٹے اندر لے آیا وہ اس کی بانہوں کی پناہ میں گئی ساری تھی۔ معافیاں مانگ رہی تھی۔

''کیا ہو گیا صبا......؟'' اب تمریز پریشان ہو گیا تھا۔

''وہ اس دن ذرا سی بات پھر آپ سے جھگڑا کیا اور آپ کو اللہ حافظ بھی نہیں کہا تھا۔''

''اُف یار...... اتنی سی بات پر اتنا رونا مچا دیا۔ ویسے تمہارے لیے خوش خبری ہے۔'' تمریز نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''میرے کولیگ کی بہن نے اسکول کھولا ہے۔ میں نے تمہاری نوکری کی بات کر لی ہے۔ دوست ہے میرا...... ماحول بھی اچھا ہوگا، میں نے اس سے کہا میری صبا بہت محنتی ہے جو کام کرتی ہے پوری ذمے داری سے کرتی ہے۔ بس ذرا سی جھلی (پگلی) ہے۔''

تمریز نے پیار سے اس کی ستواں گلابی ناک کو انگلی سے چھیڑا۔

''مجھے نوکری نہیں کرنی...... گھر میں رہنا ہے صرف آپ کی پناہ میں......'' صبا اس سے لپٹ کر پھر رونے لگی۔

اب وہ واقعی بڑی حیرانی سے صبا کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ جا رہا تھا تو اسے نوکری کرنی تھی اور تین دنوں میں ضدی صبا کی ضد آخر کیسے نکل گئی جو اسے نوکری نہیں کرنی تھی۔ یہ راز صرف صبا ہی جانتی تھی اور اسے اس راز کو راز ہی رکھنا تھا۔

''ارے کہیں آپ نوکری ڈھونڈنے کے لیے اخبار تو نہیں اٹھا رہی ہیں...... ذرا سنبھل کر میری جان......'' صبا کو جلدی، جلدی کلاسیفائڈ صفحات سمیٹتے دیکھ کر تمریز نے کہا۔ اور صبا خفت سے سر نہیں اٹھا پائی کہیں تمریز کچھ کھوج نہ لے۔

وہ تو صوفے پر اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا رہی تھی۔

❀❀❀

کہانی ہر دور کی

سیدہ سحر جعفر کی یہ خصوصی تحریر صرف ایک تہوار کی نہیں بلکہ ہر دور کے حالات کی عکاس ہے

''مما اس بار بقر عید پر بیل کی قربانی پکی ہے، لاسٹ ٹائم تو بس آپ لوگوں نے حصے کے نام پر چند کلو گوشت لے کر بقر عید کا سارا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔ میرے سارے دوست عید سے دس دن پہلے ہی اچھے سے اچھا جانور لا چکے ہیں، سعد کا بیل تو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آسٹریلین بیل تو لگ رہا ہے کہ آسٹریلیا سے ہی درآمد کیا ہے بس طے ہوا مما کے ہم بھی بکرا یا حصے کی جگہ آسٹریلین گائے یا بیل ہی لیں گے۔'' حمدان نے

میں رکھی ہوتی تھیں۔"

جہاں آرا گزرا اچھا وقت یاد کر کے آہیں بھرنے لگیں۔

"ہاں اور وہ رانیں محرم کے حلیم تک میں کام آتی تھیں۔ ایک ٹکٹ میں ڈبل مزہ لیتے تھے ہم لوگ، اب تو سمجھو آپی قربانی کے ساتھ، ساتھ محرم کے حلیم کی بھی قربانی دینی پڑے گی لعنت ہو......" اب ان کے منہ سے بلکہ دل سے کوسنے نکل رہے تھے۔

"آپی خدا کا یہ بھی تو فرمان ہے کہ جب وہ ہم سے ناراض ہوتا ہے تو ہمارے جیسے ہی لوگ ہم پر مسلط کر دیتا ہے۔"

ماہ پارہ لعنت میں اضافہ کرتے ہوئے دور کی کوڑی لائی۔

"ہاں حقیقت تو یہی ہے لیکن ہم نے کس کا حق مارا یا حرام کھایا ہے جو اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہرائیں۔"

جہاں آرا نے اس آیت کا مفہوم سمجھتے ہوئے اپنا محاسبہ کیا۔

"میری پیاری آپی وہ کیا ہے ناں کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے اور ہم بھی ان ظالم حکمرانوں کے اقتدار کی ہوس میں مہنگائی کی چکی میں پستے چلے جا رہے ہیں، اللہ پوچھے گا ان سے کروڑوں عوام کی دن رات بددعائیں سمیٹے جا رہے ہیں، اس میں کم از کم ایک ہزار تو آپ کی ہوں گی ناں۔"

ماہ پارہ نے بات کو مزاح کی چاشنی کا رنگ دیا جو اپنی حساس اور غصیلی باجی کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی جو اپنی طبیعت کے برخلاف کچھ ہوتا دیکھ کے مشکل سے ہی برداشت کا مظاہرہ کر پاتیں اور عمر بڑھنے کے ساتھ ہائی بی پی کی مریضہ بھی بن چکی تھیں۔

"ہزار تو بہت کم ہیں دس ہزار تو جمع ہو ہی چکی ہوں گی اللہ پاک کے حضور۔"

جہاں آرا کو کسی پل چین نہ تھا کسی قبائلی خاندان سے ہوتی تو کب کی اپنی خاندانی بندوق سے ان پر گولیوں کی بوچھار کر چکی ہوتی مگر اب تو کبھی ہونٹ کہیں پر نشانہ لگنے والا معاملہ تھا ان کے ساتھ۔

"ارے آپی مٹی ڈالو اب کیا، کیا جا سکتا ہے مہنگائی کے بے لگام اژدھے کو کنٹرول کرنے کے لیے...... صرف ہم ہی تو اکیلے اس کے شکار نہیں ہیں ناں یہ تو لاکھوں، کروڑوں لوگوں کے لیے ہے۔ اب بھی تو کسی طرح صبر کر کے بیٹھے ہیں چلیں ہم ایسا کرتے ہیں کہ کوئی چھوٹا سا بزنس اسٹارٹ کرتے ہیں کیٹرنگ کا کام کیسا رہے گا کھانا تو آپ کو بھی بہت اچھا بنانا آتا ہے۔ دکانوں میں، کمپنیوں میں ہم لنچ باکس سپلائی کر سکتے ہیں۔ کیسا آئیڈیا ہے۔" ماہ پارہ نے ذہانت کی عملی مثال پیش کی۔

"ہاں آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن اس کے لیے بھی لاگت چاہیے کوکنگ آئل تقریباً چھ سو روپے کلو تک پہنچ چکا ہے ہر چیز میں ہی آگ لگی ہوئی ہے۔"

جہاں آرا کے احتجاج کرتے، کرتے ہی کوکنگ آئل چار سے چھ سو روپے کلو ہو چکا تھا۔

ماہ پارہ کا آئیڈیا انہیں بھایا تو بہت لیکن پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ مجبوری آڑے آ گئی۔

☆☆☆

"نہیں یار دوبارہ سے اور آرام، آرام سے سلو موشن میں لا شیرو کو، ویڈیو اچھی نہیں آئی ری ٹیک شوٹ سعد۔ دیکھنا اتنی اعلیٰ ویڈیو بنے گی کہ لاکھوں نہیں کروڑوں میں ویوز اور لائیکس ہوں گے۔"

حمران اپنے دوست کا آئی فون تھامے اس کے حسین بیل کے ساتھ کے مناظر کی عکس بندی کرتے ہوئے کیمرا مین کا رول پلے کر رہا تھا۔

"چل دوبارہ سے شروع کر اور بیک گراؤنڈ میں وہ والا سونگ لگانا۔"

"کیا رنگ و روپ ہے کیا چال ڈھال ہے۔"

اس نے شیرو کا تاج اور کوہان پر پہنایا ہار درست کرتے ہوئے کہا۔

دودھیا رنگت، کاجل لگی بھوری آنکھیں، لمبا تگڑا گبرو جوان بیل کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ دو لاکھ بھی اس کی شان بلند قد و قامت کے آگے سب کو مناسب معلوم ہو رہے تھے، گمان ہو رہا تھا کہ اس کی پرورش بہت ناز و نعم سے کی گئی ہے۔

"بچوں اس طرح جانوروں کی نمائش کرنا اچھی بات نہیں ہے، ماشاء اللہ کتنا پیارا بیل اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ اسے نظر لگ جائے گی مت بناؤ یہ ویڈیو شیڈیو۔"

نماز پڑھ کے آتے رضی احمد صاحب نے انہیں تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔

"ارے انکل یہ سوشل میڈیا کا دور ہے اب یہی سب ٹرینڈ چل رہا ہے۔ آپ کے دور میں تو یقیناً ریڈیو پر لوگ ایک دوسرے کے جانوروں کے بارے میں بتاتے ہوں گے۔" سعد اور حمران نے ان کی سرزنش ہوا میں اڑاتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھ پر تالی ماری اور ہنسی کا قہقہہ گونج اٹھا۔

"لاحول ولا قوۃ! ان لونڈوں لپاڑوں کو ہنسی ٹھٹھے اور نمود و نمائش کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں جسے دیکھو ٹک ٹاکر بنا گھوم رہا ہے۔ قائداعظم کی روح بھی تڑپتی ہو گی کہ کن ناہنجار مستقبل کے معماروں کو آزادی دلوادی۔ لعنت ہو ایسی نوجوان نسل پر جنہیں اچھی بات سمجھانا بھی اپنی ٹانگ پکڑوانے کے برابر ہے۔" رضی احمد صاحب توبہ استغفار کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"بڑھاؤ کو بھی بھاشن جھاڑنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے اپنی جوانی تو مٹک جھٹک کے گزار لی ہو گی، بڑھاپے میں اللہ یاد آ گیا ہمارا ٹیلنٹ ہضم نہیں ہو رہا، دوبارہ سے شوٹ کرو۔" سعد نے اپنا سارا دھیان شیرو کی جانب دیتے ہوئے رسی تھامے پھر سے بیل واک شروع کر دی۔

☆☆☆

"ارے بھوتنی ہو میرے جوڑوں کے درد کے لیے زیتون کا تیل منگوایا ہے کیا، ہائے کمبخت جوڑ، جوڑ دکھ رہا ہے چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئی ہوں۔ ہائے اللہ یہ بڑھاپا بھی ایک مرض ہے جوانی میں تو سب

پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی، تبصرہ نگار و رائٹر سعدیہ ہما شیخ نے 6 ستمبر یوم دفاع کے موقع پر فیلکن پبلک اسکول سرگودھا میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت مبارک باد...

مجھے تیز گام کہا کرتے تھے۔'' زینت بیگم لاٹھی کے سہارے بمشکل چلتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئیں جہاں سے ملحق کچن میں جہاں آرا رات کے کھانے کی تیاری میں مشغول تھیں۔

''اماں آپ زیتون کے تیل کو چھوڑیں، سرسوں کے تیل کی مالش کرلیں بلکہ کھانا بنا کے میں مساج کر دوں گی۔'' جہاں آرا نے ہانڈی میں چمچ چلاتے ہوئے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''نہ بابا مجھے تو زیتون کے تیل سے ہی افاقہ ہوتا ہے تو رہنے دے اس کڑوے، کسیلے تیل کو۔'' زینت بیگم کی تکلیف میں بھی نازک مزاجی عروج پر تھی۔

''کڑوا، کسیلا بھی سونے کے بھاؤ مل رہا ہے اب تو بس ناروں کے لیے اپنے شیشے کے بکس میں سجانے کی کسر رہ گئی ہے اماں۔'' جہاں آرا نے انھیں حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا۔

''ہاں اب پتا چل رہی ہے ناں تیل کی اہمیت، جب میں کہتی تھی کہ ہنڈیا میں پانی کی جگہ بھر، بھر کے تیل مت ڈالا کر تو ایک کان سے سن کے دوسرے سے نکال دیتی تھی۔''

جہاں آرا کا ساسو ماں کو تیل کا بھاؤ بتانا اپنے بھاؤ تاؤ سے آشنا کروا گیا۔

''اب زیادہ، زیادہ چیزوں کے استعمال کی عادت پڑ چکی ہے اس لیے زیادہ پریشانی ہو رہی ہے تجھے اس بڑھتی مہنگائی سے، اسی لیے کہتے ہیں کہ چادر دیکھ کے پاؤں پھیلانے چاہئیں اب ہو رہی ہے ناں مشکل۔'' زینت بیگم نے بہو کو لتاڑا۔

جہاں آرا کے منہ کے بگڑتے زاویے دیکھ کے انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''ان ٹکوں میں تیل کہاں، عمر گزر گئی عقل سکھاتے، سکھاتے۔''

''دادی، دادی کچھ سنا۔'' حمران ہانپتا کانپتا بھاگم بھاگ گھر میں داخل ہوا۔ محلے میں اچھا خاصا شور برپا تھا۔

''ارے کیا ہوا لڑکے ذرا دم تو لے، سانس آفت آگئی۔'' دادی نے ہانپتے کانپتے پوتے کو دم دینے کی کوشش کی۔

''سعد لوگوں کا بیل کوئی گن پوائنٹ پر چھین کے لے گیا چھینا جھپٹی میں ان کے گارڈ کو بھی گولی لگ گئی۔''

''ہائے اللہ، یہ کیا ہو رہا ہے ہمارے محلے میں ان دیہاڑے...... غضب خدا کا تین گھر چھوڑ کے تو ہے سعد لوگوں کا گھر۔''

جہاں آرا اور زینت بیگم افتاں وخیزاں مین گیٹ تک پہنچیں تو لوگوں کی بھیڑ میں انہیں کچھ صاف دکھائی نہ دیا۔ چھیپا ایمبولینس میں زخمی غریب چوکیدار کو اسپتال لے جا رہے تھے جبکہ سعد کی ماں سینے پر ہاتھ مارے نوحہ کناں تھیں۔

''ہائے ہمارا لاکھوں کا بیل چلا گیا۔ اللہ موت کیوں نہیں دیتا ایسے ڈکیت حرام خوروں کو ہائے جانے کس کی نظر کھا گئی ہماری قربانی کو۔''

سعد کی ماں کو بس غشی کے دورے پڑنے کی کسر رہ گئی تھی وہ بین کرتی دروازہ تھامے زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور دور کھڑے رضی احمد نے تاسف بھری نظروں سے ان کے ہونہار سپوت کو دیکھا۔ اس نقصان میں کہیں نہ کہیں اس کا بھی ہاتھ تھا جو بیل کی منہ دکھائی کے چکر میں اسے خود منہ کی کھانی پڑ گئی تھی۔ بلکہ ڈکیت گروپ کو خود ''لے بیل اور مجھے مار'' کی دعوت دے ڈالی تھی۔

آج کا نوجوان تو قربانی کے اصل مفہوم سے بالکل ہی نابلد ہے کہ اللہ کے پاس صرف ہماری سچی نیت جاتی ہے اور نیت قبول ہو جانے پر ہی قربانی کے جانور نے پل صراط کو پار کروانا ہے جب سب کچھ ہی شو بازی کو سمجھ رکھا ہے تو صراط مستقیم کی راہ پر کیسے چلا جا سکتا ہے۔ اور یہ شو بازی عید بقر عید تک ہی محدود نہیں بلکہ اب تو روزمرہ کی زندگی میں بھی سرایت کر گئی ہے۔ رضی احمد صاحب کانوں کو توبہ کے انداز میں ہاتھ لگاتے وہاں سے چلے گئے تھے۔

❁❁❁

ناولٹ

مکافاتِ عمل

بینش ملک

''عشوہ او عشوہ کہاں مرگئی جلدی آ......'' وہ اپنے کمرے میں کھڑی میکے جانے کے لیے تیاری ہو رہی تھی۔ جب اس کی ساس نے نہایت کرخت آواز میں اسے پکارا...... وہ دوپٹا سنبھالتی تیزی سے اپنے کمرے سے نکل کر اُن کے کمرے کی طرف بھاگی۔

''جی امی...... آپ نے بلایا......؟''

''کہاں مرگئی تھی اکب سے آوازیں دے رہی ہوں تجھے سنائی نہیں دیں۔'' رضیہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی غصے سے لتاڑا۔ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی...... لیکن پھر ڈرتے، ڈرتے بولی۔

''وہ مم میں تیار ہو رہی تھی......''
''کیوں، کہاں کی تیاری ہے بنو رانی......؟''
انہوں نے سنتے ہی تپ کر پوچھا۔ ان کے ماتھے پر بل تو اس کی تیاری دیکھتے ہی پڑ گئے تھے۔
''وہ مم...... میں امی کی طرف جا رہی ہوں......''
اس نے ہمت مجتمع کر کے بتایا۔
''کہیں نہیں جا رہیں تم......! دو سال ہو گئے شادی کو لیکن ابھی تک تیرے چونچلے ہی ختم نہیں ہو رہے۔ ہر روز منہ اٹھا کر بھاگ جاتی ہو میکے......''
انہوں نے سامنے کھڑی عشوہ کا سرتاپا جائزہ لینے کے بعد تیکھے لہجے میں طنز کیا۔ وہ تو ان کے الزام پر شاکڈ ہی رہ گئی تھی...... کیونکہ آج وہ پورے تین ماہ بعد اپنے میکے جا رہی تھی۔ اس سے تو کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ بس آنکھیں پھاڑے انہیں ہی دیکھے گئی...... ان کے روز بروز بگڑتے رویے سے وہ اچھی خاصی پریشان تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنے گھر والوں کو اس بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔
''جاؤ کمرا صاف کرو اور پھر اچھا سا کھانا بھی بنانا۔ ماہم آ رہی ہے بچوں کے ساتھ......'' انہوں نے ایک نیا حکم جاری کیا اور ٹی وی چلا کر بیٹھ گئیں۔ وہ رات سے ہی بہت زیادہ خوش تھی۔ کیونکہ اس کے بھائی کی کال آئی تھی وہ باپ بننے والا تھا۔ اس لیے وہ اسے مبارک دینے میکے جا رہی تھی۔ لیکن اب رضیہ بیگم کی بات سن کر اس کا دل خراب ہو گیا اور ساری خوشی پل بھر میں غارت ہو گئی تھی۔
''لیکن امی......'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔
''بی بی روز، روز منہ اٹھا کر میکے بھاگ جانا شریف بہو بیٹیوں کے طور طریقے نہیں ہوتے...... اگر اتنا ہی پیار تھا ماں باپ سے تو بیاہ ہی کیوں رچایا......''
ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ غصے میں اونچا، اونچا بول کر اس کو کھری، کھری سناتے ہوئے انہوں نے اگلے پچھلے سارے ریکارڈ ہی توڑ دیے اور وہ ایک بار پھر سے ہکا بکا کھڑی بس ان کا منہ تکے جا رہی تھی۔ اور ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا جب بھی وہ میکے جانے کی بات کرتی اس کی ساس رضیہ بیگم کا رویّہ ایسا ہی ہو جاتا۔
''اب یہاں کھڑی، کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہے جا یہاں سے اور جو کہا ہے وہ کر......'' انہوں نے شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا......
بغیر کچھ کہے خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی اور پھر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد پہلے ماہم کے لیے کمرا صاف کیا اور پھر کچن میں گھس گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ساس اس کی شکایت اپنے بیٹے زوار سے کریں اور پھر وہ اس پر غصہ ہوتا۔ وہ زوار کا غصہ اور ناراضی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ گھر میں اِک وہی تو تھا جو سب کی مخالفت کے باوجود بھی اس کی سائڈ لیتا تھا۔ ورنہ اس کی ساس اور بڑی نند ماہم کا بس چلتا تو وہ کب کا اسے گھر سے نکال چکی ہوتیں......!

☆☆☆

اس کو ''خوشحال منزل'' میں بیاہ کر آئے دو سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا تھا......! شروع، شروع میں تو اس کی ساس اور دونوں نندوں کا رویّہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا لیکن جب اس کے اکلوتے بھائی نے اس کی چھوٹی نند کا رشتہ ٹھکرا کر اپنی پسند سے شادی کر لی۔ تب سے ان لوگوں کا رویّہ اس کے ساتھ بہت برا ہو گیا تھا۔ انہوں نے اس کا جینا حرام کر دیا تھا۔ اسے ذلیل کرنے کے بہانے ڈھونڈتی رہتیں لیکن پھر بھی وہ سب کچھ صبر سے برداشت کرتی آ رہی تھی۔ کیونکہ وہ گھر کی بڑی بیٹی تھی اور اس سے چھوٹی اس کی دو اور کنواری بہنیں تھیں۔ اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے اس کی بہنوں پر کوئی انگلی اٹھاتا یا اس کے ماں باپ کی تربیت کو گالی دیتا...... اسی لیے وہ میکے بھی کم جاتی اور وہ لوگ بھی بہت کم ہی آتے تھے۔
زوار دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا......! ماہم اس سے بڑی اور شادی شدہ تھی اس کے دو بچے تھے۔ اور شاہم اس سے چھوٹی تھی۔ (رضیہ بیگم) اپنے تینوں بچوں سے ہی بہت پیار کرتی تھی لیکن ماہم ان کی زیادہ

لاڈلی تھی۔ جو اسی شہر میں ہی رہتی تھی...... لیکن آئے روز ہی میکے پائی جاتی۔ اگر کبھی وہ نہ بھی آتی تو رضیہ بیگم خود فون کر کے اسے بلوا لیتی تھیں اور پھر وہ دونوں مل کر اس کے خوب بخیے اُدھیڑتیں۔ شاہم ویسے تو اپنی مستی میں مست رہنے والی تھی...... لیکن بھاوج کے ساتھ اس کا خدا واسطے کا بیر تھا...... کچھ دن پہلے اس کا ماسٹرز مکمل ہوا تھا اور ماہم کے سسرال میں ہی اِک بہت اچھے گھرانے میں اس کا رشتہ ہو گیا تھا...... اب کل اس کی سسرال والے ڈیٹ فکس کرنے آ رہے تھے...... اس لیے ماہم صاحبہ آج ہی تشریف لا چکی تھیں اور اب اس نے جب تک رہنا تھا...... اس کے بچوں نے اسے نچائے رکھنا تھا کیونکہ وہ بہت شرارتی تھے اور سارا دن اپنی شرارتوں سے اسے تنگ کیے رکھتے تھے اور وہ چاہ کر بھی انہیں کچھ نہیں کہہ سکتی تھی...... کیونکہ وہ دونوں ماں اور نانی کے ساتھ، ساتھ ماموں کے بھی بہت لاڈلے تھے۔ اس کی اپنی تو ابھی کوئی اولاد نہیں تھی۔
وہ دو سالوں میں ایک بار امید سے ہوئی تھی...... لیکن پھر کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے اس کا مس کیرج ہو گیا اور وہ دوبارہ ماں نہ بن سکی...... اس بات کا رضیہ بیگم کو بہت دکھ بھی تھا اور اس سے زیادہ غصہ۔ وہ زوار کی دوسری شادی کرنا چاہتی تھیں لیکن وہ اس کے لیے نہیں مانا تھا اس لیے رضیہ بیگم کا رویّہ اس کے ساتھ روز بروز بد سے بدترین ہوتا جا رہا تھا۔ اور وہ لوگ آئے دن اسے نیچا دکھانے کی کوشش میں لگی رہتیں...... تاکہ وہ ان سے تنگ آ کر خود ہی گھر چھوڑ کر چلی جائے۔

☆☆☆

''ماہی آپی بچوں کو تو روکیں، مہمان آنے والے ہیں اور یہ لوگ بار، بار گند ڈال رہے ہیں......'' اس نے ڈرائنگ روم میں آ کر بکھرے کشن، چاکلیٹ اور ٹافیوں کے ریپر اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے پاس ہی صوفے پر نیم دراز فون استعمال کرتی ماہم سے کہا۔
وہ آج صبح سے ہی اکیلی گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ کبھی اندر تو کبھی باہر اور کبھی کچن میں...... ماہم آپی تو آرام سے صوفے پر نیم دراز حکم چلا رہی تھیں۔ شاہم تیار ہونے پارلر گئی ہوئی تھی اور رضیہ بیگم کب سے اپنے کمرے میں بیٹھی پتا نہیں کیا کر رہی تھیں...... بس وہ اکیلی ہی کام میں لگی ہوئی تھی۔ اوپر سے بچوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ پہلے بھی دو تین بار ڈرائنگ روم کی صفائی کر چکی تھی...... لیکن پھر بھی بچوں نے اودھم مچا رکھا تھا اور بار، بار گند بھی ڈال رہے تھے لیکن وہ پاس بیٹھ کر بھی ان کو نہیں روک رہی تھیں...... الٹا اس کی بات سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئیں۔
''کیا مطلب ہے تمہارا اب بچے کھیلیں بھی نہ؟''
''وہ مم میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے آپی۔''
وہ ڈرتے ہوئے آہستہ سے بولی۔ کیونکہ شاہم کے سسرال والے بھی آنے والے تھے اور زوار بھی...... وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کے آنے پر کسی بھی قسم کا کوئی تماشا ہو۔
''تو پھر کیا مطلب ہے تمہارا......! وہ چھوٹے بچے ہیں، میں ان کو کھیلنے سے کیسے روکوں؟'' اب وہ جان بوجھ کر غصے سے اونچا، اونچا بولنے لگی تھیں...... رضیہ بیگم بھی اس کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکل آئیں۔
''کیا ہوا ایسے غصہ کیوں ہو رہی ہو......؟''
''مجھ سے نہیں، اپنی بہو صاحبہ سے پوچھیں اس کو کوئی مسئلہ ہے مجھ سے...... کل سے میں آئی ہوں تو یہ میرے ساتھ ایسے ہی کر رہی ہے......'' ماہم نے کہتے ہوئے باقاعدہ رونا شروع کر دیا...... وہ تو ان کی حرکت پر ششدر رہ گئی۔
''کیا کہا ہے تم نے ماہم کو وہ ایسے کیوں رو رہی ہے......؟'' انہوں نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف رخ کیا۔
''وہ امی میں نے تو بس یہ کہا کہ مہمان آنے والے ہیں اور بچے بار، بار گند ڈال رہے ہیں انہیں روکیں۔'' وہ دکھ اور صدمے سے آہستہ آواز میں بولی۔
''تو کیا قیامت آ گئی......! دو کاغذ ہی تھے اٹھا لیتی تو کوئی آفت نہیں آ جانی تھی......'' انہوں نے بھی

بجائے بیٹی کو کچھ کہنے کے اس کی سائڈ لی...... اور بچوں کو اندر جانے کا کہا۔

''میں صبح سے دس بار اٹھا چکی ہوں گند اور یہ لوگ پھر ڈال دیتے ہیں۔ میں نے بس اتنا ہی کہا کہ آپی ان کو روکیں اور وہ الٹا رونے لگیں ...... یہ تو کوئی انصاف نہ ہوا......'' وہ ہمت کر کے اپنے دفاع کے لیے بولی۔

''بڑی زبان چل رہی ہے تیری آجانے دے زوار کو...... سب بتاتی ہوں اسے......'' انہوں نے بھی پھپک کر رونا شروع کر دیا وہ تاسف سے کھڑی ان کے ڈرامے دیکھ رہی تھی...... جب شاہم کی تیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''کیا ہوا امی......؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟''

''پوچھ لو اپنی بھابی سے اسے ہی کوئی مسئلہ ہے ہم سے۔ کل سے ایسے ہی کر رہی ہے...... میں نے تو اسے کچھ کہا بھی نہیں......'' شاہم جو سب باتوں سے بے خبر ابھی پارلر سے لوٹی تھی۔ وہ بھی کڑے تیوروں کے ساتھ اس کی طرف مڑی۔

''اُف اللہ امی کتنا جھوٹ بول رہی ہیں آپ لوگ، کل سے آپ لوگوں نے ہی میرا جینا حرام کر رکھا ہے اور الٹا مجھ پر ہی الزام لگا رہی ہیں۔ حد ہو گئی ہے بے حسی کی۔'' وہ خود پر لگے الزامات سن کر بلبلا ہی اٹھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے وہ سب نکل گیا جو وہ کبھی نہیں بولی تھی تب ہی زوار بھی ڈرائنگ میں داخل ہوا وہ بھی سن چکا تھا اس کے الفاظ۔

''عشوہ یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم امی سے......'' وہ آفس بیگ صوفے پر پھینک کر غصے سے چلتا ہوا اس کی طرف آیا۔ زوار کو اتنے زیادہ غصے میں دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... جبکہ وہ تینوں ماں بیٹیاں اب کھڑی تماشا دیکھ رہی تھیں۔

''وہ م... میں......'' اس نے بولنا چاہا لیکن الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔

''جب سے تمہاری بہن آئی ہے یہ ایسے ہی کر رہی ہے۔ دو دفعہ بچوں کو بھی مار چکی ہے...... بتاؤ ہم سے کیا غلطی ہو گئی ہے...... جو یہ ایسے کر رہی ہے ہم نے تو کل بس اتنا ہی کہا تھا کہ بیٹا آج میکے نہ جاؤ کل یا پرسوں بعد چلی جانا...... شام کو مہمانوں نے آنا ہے۔ کل ہی سے یہ ایسے غصے میں ہے کہ میں نے اسے روکا کیوں۔ اس لیے تو سارا دن کمرا بند کر کے پڑی رہتی ہے...... کام بھی ہم نے ہی کیا ہے سارا۔ یہ تو ابھی اٹھ کر آ رہی ہے کمرے سے بچے شور کر رہے تھے اس لیے......'' بیٹے کو سامنے دیکھ کر تو رضیہ بیگم خوشی سے نہال ہو گئیں اور پھر جھوٹ پر جھوٹ بولتی چلی گئیں۔

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں زوار......! بچوں کو بھی ڈانٹ کر بھگا دیا اس نے۔ پتا نہیں چاہتی کیا ہے تمہاری بیوی......'' ماہم نے ماحول گرم دیکھ کر میدان میں قدم رکھا...... اور وہ لب بھینچے آنکھوں میں آنسو لیے بس انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

''عشوہ اگر تم کام نہیں کر سکتیں تو ایسے لڑائی مت کرو پلیز......'' وہ ان کی باتیں سن کر اسے بازو سے پکڑ کر غصے سے جھنجوڑتے ہوئے بولا۔

''جھ۔ جھوٹ بول رہی ہیں امی اور آپی......! میں نے ایسا کک... کچھ...'' وہ بس اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

''بکواس بند کرو عشوہ......'' زوار کا بھاری ہاتھ اٹھا اور اس کے نرم و گداز گال پر اپنے نقش چھوڑ گیا وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹی اور گال پر ہاتھ رکھے حیرت سے اسے دیکھے گئی...... آج دو سالوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا۔ وہ تینوں بھی زوار کے اس قدم پر حیرت سے دنگ رہ گئیں۔ کیونکہ پہلے تو وہ ان کی کوئی بات سنتا ہی نہیں تھا اور آج ان کی سننے کے بعد تو اس نے حد ہی کر دی تھی۔

''مجھے لگتا تھا امی ہی ہر وقت تم پر غصہ کرتی رہتی ہیں۔ لیکن مجھے آج پتا لگا وہ تمہاری زبان کی وجہ سے ہی ایسے کرتی تھیں۔ جاؤ یہاں سے اور باہر مت آنا جب تک مہمان چلے نہ جائیں......'' وہ درشتی سے کہتا اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کے دروازے تک چھوڑ آیا۔ اور واپس آ کر صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''بیٹا تم چینج کر لو......! مہمان آنے والے ہوں گے......'' رضیہ بیگم نے پیار سے بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ گیا۔

شام کو جب مہمان آئے وہ تب بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی......! انہوں نے اس کا پوچھا بھی لیکن رضیہ بیگم نے جھوٹ بول دیا کہ وہ گھر پر نہیں ہے اپنے میکے گئی ہوئی ہے...... پھر وہ لوگ بھی ایک ہفتے بعد کی شادی کی ڈیٹ رکھ کر واپس چلے گئے۔

☆☆☆

شاہم کی شادی کے ہنگامے ختم ہوئے تو زندگی اک بار پھر سے پہلی روٹین پر چل پڑی......! لیکن ان دونوں میں بول چال ابھی تک بند تھی۔ عشوہ نے بھی خود پر چپ کا خول چڑھا لیا اور سارا دن خاموشی سے کاموں میں لگی رہتی۔ رات کو بھی بہت دیر سے کام نبٹا کر کمرے میں آتی۔ تب تک زوار سو چکا ہوتا۔ وہ بھی کب سے اس سے بات کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن عشوہ اس سے بھاگتی پھر رہی تھی کیونکہ وہ اس سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن آج اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ عشوہ سے بات کر کے ہی سوئے گا۔ اسی وجہ سے وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ وہ جب پانی کا جگ لے کر کمرے میں آئی تو لائٹ روشن تھی اور زوار بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے لیپ ٹاپ سامنے رکھے مگن سا بیٹھا کام کر رہا تھا...... وہ اک خاموش نگاہ اس پر ڈال کر چلتی ہوئی سائڈ ٹیبل کی طرف آئی۔ اور پانی کا جگ رکھ کر جیسے ہی مڑی۔ زوار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''کچھ چاہیے آپ کو......؟'' وہ اس کا بے تاثر و سپاٹ انداز دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

''میں جانتا ہوں عشوہ تم ناراض ہو مجھ سے......''

''نہیں! میں بھلا کیوں ناراض ہوں۔'' اس نے بے لچک لہجے میں کہا اور اس کی گرفت سے ہاتھ نکالنے لگی۔

''بیٹھ جاؤ......! آئی نو میں نے اس دن بہت برا سلوک کیا تمہارے ساتھ اس لیے بہت شرمندہ ہوں میں......'' وہ اس سے اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگ رہا تھا لیکن اب اس معافی کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ جو مان اسے زوار پر تھا۔ وہ کب کا ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا تھا۔ اس نے تو بغیر سنے ہی اسے اتنی بڑی سزا دی تھی۔ اس پر سب کے سامنے ہاتھ اٹھایا تھا۔ جس کا دکھ وہ چاہ کر بھی نہیں بھول پا رہی تھی۔

''مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا......! لیکن میں امی اور آپی کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اگر میں ان کے سامنے تمہاری طرفداری کرتا تو انہوں نے تمہارا جینا عذاب کر دینا تھا تم جانتی تو ہو ناں ان کو......'' اس نے اک نظر شرمندگی سے بولتے زوار پر ڈالی اور رخ موڑ لیا...... لیکن کچھ بولی نہیں۔

''کچھ بولو تو سہی پلیز......''

''میں آپ سے ناراض نہیں......! بلکہ میں تو کسی سے بھی نہیں ناراض۔ میری قسمت میں ہی ایسے ہونا لکھا تھا......'' وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

''لیکن میں جانتا ہوں تمہیں بہت دکھ پہنچا ہے میرے رویے سے اور تم ناراض بھی ہو......''

''ناراض ان سے ہوا جاتا ہے زوار۔ جنہیں اس بات کا احساس ہو کہ ہمارے رویے سے اگلے کو تکلیف ہو گی یا جنہیں فرق پڑتا ہوں ہماری ناراضی سے...... بھروسا اور مان توڑنے والوں سے کیا ناراضی...... ویسے بہت شکریہ آپ کا مجھے میری حد یاد کروانے کے لیے......'' اب اس کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا تھا وہ روتے ہوئے بولی...... شرم سے زوار کا سر جھک گیا تھا۔ کتنا یقین کرتی تھی وہ اس پر لیکن اس نے تو ایک بھی نہیں سنی تھی اس کی۔

''میں بہت شرمندہ ہوں عشی......! لیکن میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ کبھی ایسا نہیں ہو گا...... پلیز اس بار معاف کر دو......'' اس نے کہتے ہوئے عشوہ کے ہاتھ تھامے۔

''آپ شرمندہ نہ ہوں میں ناراض نہیں آپ سے......! مجھے بہت زیادہ دکھ ہوا تھا...... کیونکہ آپ نے میری کوئی بات ہی نہیں سنی اس دن...... اس لیے

میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی ...... مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ جب امیدیں اور مان ٹوٹتے ہیں بہت دکھ ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات آپ نہیں سمجھیں گے زوار ......" اس نے روتے ہوئے اپنا سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔

زوار نے اسے بہت زیادہ دکھ دیا تھا۔ اس لیے وہ اس سے بہت خفا تھی اور ناراض بھی۔ لیکن اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی وہ اس گھر کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی ...... کیونکہ شادی کے بعد لڑکی کی سسرال ہی اس کا اصل گھر ہوتا ہے اور اس کا گھر بھی اب یہ ہی تھا اور زوار اس کا شوہر ...... اگر وہ اس سے ناراض تھی۔ تو بھی اس نے ہمیشہ یہیں رہنا تھا۔ اور اب تو زوار بھی اپنے کیے پر اچھا خاصا شرمندہ تھا ...... تو وہ بھی غصہ کر کے بات کو مزید بڑھانا نہیں چاہتی تھی ...... اس لیے گلے شکوؤں کے بعد اس نے زوار کو دل سے معاف کر دیا تھا ... لیکن اگر وہ ایسے ہی منہ بنا کر پھرتی رہتی تو امی کو پھر سے موقع مل جاتا تھا اسے بے عزت کرنے کا اور وہ تینوں تو پہلے سے ہی اسی انتظار میں تھیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ اسی دن اسے اٹھا کر باہر پھینک دیتیں۔

"لیکن اب ایسے نہیں ہو گا عشی ......" اس نے عشوہ کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پیار سے کہا۔ وہ بھی اس دن سے بہت زیادہ پریشان تھا ... ! کیونکہ اس سے عشوہ پر ہاتھ اٹھانے والی سنگین غلطی پہلی بار ہوئی تھی۔ پہلے بھی گھر میں ان تینوں کے کافی جھگڑے ہوتے تھے لیکن وہ ان کی سن کر چپ کر جاتا تھا یا پھر عشوہ کی سائڈ لیتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اس کی ماں اور بہنیں اسے پسند نہیں کرتی تھیں ... لیکن اس دن وہ آفس سے ہی غصے میں آیا تھا اور پھر گھر آتے ہی ایک نیا فساد تیار تھا۔ اس کا غصہ مزید بڑھ گیا اور وہ ایسے ری ایکٹ کر گیا ... اور ماں بہنوں کے بجائے سارا غصہ بیچاری عشوہ پر اتار دیا۔ وہ یہ بات اچھے سے جانتا تھا عشوہ بھی بلاوجہ کسی بڑے کے ساتھ بدتمیزی سے بات نہیں کرتی تھی اور نہ ہی وہ فارغ بیٹھنے کی عادی تھی سارا کام بھی اس نے ہی کیا تھا ...... امی اور آپی نے تلاوت پڑھی کی تھی لیکن پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ غصے میں اس کی نہ ہی نہیں پایا تھا۔

"اس دن میں نے سارا دن کام کیا تھا زوار۔ اور کسی نے میرا نام تک نہیں لیا۔ اور الٹا خوب بے عزتی ہوئی ......" وہ اس کے ساتھ لگی شکوے پر شکوے کیے جا رہی تھی۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ اس سے لڑے، شکوے کرے اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لے ... "بس پھر مجھے بھی آپ پر غصہ تھا اور اسی وجہ سے میں نے اتنے دن آپ سے بات بھی نہیں کی ......"

"ہم ...... م۔ جانتا ہوں میں ......"

"ہونہہ ...... ! اگر جانتے ہوتے آپ تو ایسے تھوڑی کرتے میرے ساتھ ......" نروٹھے پن سے بولتے ہوئے اس نے اپنا سر اس کے کندھے سے اٹھا لیا۔

"اب کیا ہوا ......؟" اس نے خفگی سے پوچھا۔

"ناراض ہوں آپ سے ...... پتا نہیں لگ رہا آپ کو ......" وہ سوں، سوں کرتے ہوئے معصومیت سے بولی۔

"ہیں یہ کیا بات ہوئی عشی ...... ! ابھی تو معافی مانگی میں نے۔ اب پھر سے ناراض ہو ......" اس نے مصنوعی غصے سے بھویں سکیڑیں۔

"جی ......" اس نے بھی منہ بنا کر کہا۔

"اچھا تو کب تک رہنا ہے ناراض تم نے ......" اب کے وہ بھی مسکرایا۔

"تب تک ناراض ہوں ...... ! جب تک آپ مجھے میری امی کے گھر نہیں لے کر جاتے ......"

"اتنی سی بات۔ چلو کل ہی چلیں گے ......"

"وعدہ ......؟" اس نے خوشی سے ہاتھ آگے کیا۔

"جی ہاں ...... ! پکا وعدہ ......" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا اور اسے بانہوں کے گھیرے میں لے لیا ... وہ بھی مسکرا کر اس کے شانے پر سر ٹکا گئی۔

☆☆☆

شاہم کی شادی کو چھ، سات ماہ ہو گئے تھے ... لیکن ابھی تک اس کی روٹین شادی کے پہلے دن جیسی ہی تھی۔ وہ ہر روز ہی میکے دوڑی آتی تھی کبھی شوہر کے ساتھ، کبھی ڈرائیور کے ساتھ اور کبھی اکیلی ہی۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ تھی اسے رضیہ بیگم نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ شاہم تم روز، روز میکے نہ آیا کرو۔ اپنے گھر اور شوہر کو سنبھالو۔ انہیں تمہاری ضرورت ہے۔ لیکن اگر عشوہ میکے جانے کا نام بھی لے دیتی تو اس کی ساس صاحبہ اتنا واویلا کرتیں اور اسے اتنا کچھ سناتیں کہ وہ بیچاری ایک بار تو میکے جانے کا خیال ہی دل سے نکال دیتی تھی۔ جس کا اسے دکھ تو بہت زیادہ ہوتا لیکن پھر بھی وہ خاموشی سے سہہ جاتی۔ کیونکہ اس کی ماں نے رخصتی کے وقت کہا تھا اب سسرال ہی اس کا اصل گھر ہے اور وہ بھی یہ بات ذہن میں رکھتی تھی ...... اس دن اپنے رویے کی معافی مانگنے کی بعد زوار میں بھی بہت تبدیلی آئی تھی۔ وہ اب اس کا بہت خیال کرتا تھا اس کی سائڈ لیتا تھا یا پھر وہ دونوں طرف کی باتیں سن لیتا تھا۔ کئی بار تو وہ اس کے لیے دونوں بہنوں سے بھی الجھ پڑا تھا اور کئی بار اسے بھی سمجھانے لگ جاتا اور اسے چپ رہنے کا کہہ دیتا۔ اب وہ بھی کافی مطمئن تھی ...... لیکن یہ بات بھی ان لوگوں کو کھلنے لگی تھی۔

سونے پر سہاگا یہ ہوا کہ اب شاہم ماں بننے والی تھی۔ اور اب پچھلے ایک ہفتے سے وہ آئی ہوئی تھی میکے۔ اس وجہ سے اس کا کام اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ کبھی شاہم کا کچھ کھانے کو دل کرتا تو کبھی کچھ۔ وہ بھی کبھی کچھ بنا رہی ہوتی اس کے لیے تو کبھی کچھ۔ وہ اس کی فرمائش پوری کرتی لیکن پھر بھی رضیہ بیگم اسے طعنے مارنے سے باز نہیں آتی تھی۔ اب بھی وہ شاہم کو نیم گرم دودھ کا گلاس دینے گئی تو اس کی ساس صاحبہ اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئیں۔

"اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟ مجھے لگتا ہے تمہیں شاہم کا یہاں رہنا اچھا نہیں لگ رہا ......" اس نے تعجب سے ان دونوں کو دیکھا ...... لیکن بولی کچھ نہیں اور خاموشی سے گلاس شاہم کے سامنے رکھ دیا جسے اس نے فوراً ہی اٹھا لیا تھا۔

"تمہاری خاموشی سے تو یہی لگ رہا ہے ......" اسے خاموش دیکھ کر انہوں نے دوبارہ سے کہا۔

"ایسی کوئی ......" اس نے کچھ بولنا چاہا۔ لیکن شاہم نے اس کی بات کے بیچ میں بولنا شروع کر دیا۔

"چھوڑیں امی، یہ اس کا نہیں ہمارا گھر ہے ... ! یہ خوش ہو یا دکھی ہمیں کیا لینا دینا۔ ویسے بھی خود تو یہ اتنے سال سے پوتے، پوتیوں کی خوشی دے نہیں سکی آپ کو۔ الٹا اب مجھ سے جلنے لگ گئی ہے ......"

''ایسی کوئی بات نہیں ہے امی......! آپ غلط سمجھ رہی ہیں مجھے۔'' اس نے نم......آواز میں کہا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ اور کچن میں جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ جیسا وہ ماں بیٹی سمجھ رہی تھیں۔ حالانکہ شاہم اتنے دن سے آئی ہوئی تھی...... لیکن اس نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ وہ اپنے گھر کیوں نہیں گئی یا سعد بھائی اس سے ملنے کیوں نہیں آئے۔ نہ ہی اس کے ماتھے پر کوئی شکن آئی تھی۔ وہ تو اس کی خدمت میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن ایک بات جو اسے حیرت میں ڈال رہی تھی وہ یہ کہ ہر بار کی طرح اس بار شاہم نے بھی اپنے گھر جانے کی بات نہیں کی تھی...... کیونکہ پہلے تو جب بھی وہ آتی تھی اسے واپس جانے کی جلدی ہوتی تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر جو بات اسے تعجب میں ڈال رہی تھی وہ یہ کہ رضیہ بیگم نے ایک بار بھی شاہم کو سسرال جانے کا نہیں کہا۔ الٹا اس کے لاڈ اٹھانے میں مصروف تھیں۔ وہ بھی خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ لیکن رات کو اس بات کا ذکر اس نے زوار سے ضرور کیا تھا...... اسے بھی حیرت تو بہت ہوئی تھی۔ لیکن پھر مصروفیت کی وجہ سے وہ آفس سے بھی لیٹ آتا تھا۔ اس لیے ابھی تک شاہم سے کچھ پوچھ نہیں سکا تھا۔

☆☆☆

صبح فجر کی نماز کے لیے جب وہ اٹھی تو اسے اپنی طبیعت کافی بوجھل محسوس ہو رہی تھی۔ سر چکرانے کے ساتھ، ساتھ درد سے بھاری بھی ہو رہا تھا۔ پہلے تو وہ کسلمندی سے لیٹی رہی لیکن پھر درد کو نظر انداز کر کے اٹھی اور وضو کرنے باتھ روم میں چلی گئی۔ پھر نماز پڑھ کر سونے کے بجائے زوار کے جلدی آفس جانے کا سوچ کر چکراتے سر کو سنبھالتی کچن میں آ گئی۔ لیکن اسے بار، بار چکر آ رہے تھے اور اب کچن میں آنے کی وجہ سے جی بھی متلانے لگ گیا تھا۔ اس نے جیسے تیسے کر کے زوار کے لیے ناشتا تیار کیا۔ پھر تیاری میں اس کی مدد کرنے کمرے میں آ گئی۔ لیکن اچانک ابکائی آنے کی وجہ سے وہ جلدی سے بھاگ کر باتھ روم چلی گئی۔ ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ٹائی باندھتے زوار نے تعجب سے اسے بھاگ کر جاتے دیکھا اور پھر اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا...... کچھ دیر بعد وہ تولیے سے منہ صاف کر باتھ روم سے نکلی۔ الٹیاں کر کے وہ ادھ موئی سی ہو گئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا......اور پریشانی سے بولا۔

''کیا ہوا اشی؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری ...؟''

''زوار ...لگتا ہے مجھے فوڈ پوائزننگ ہو گئی ہے۔ صبح سے ہی جی خراب ہو رہا ہے اور سر درد بھی۔ کمزوری بھی بہت ہو رہی ہے......'' اس نے تولیے کو سائڈ پر رکھ کر آہستہ سے کہا۔

''چلو پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں......'' وہ اس کی بات سن کر فکرمندی سے بولا۔

''نہیں، آپ آفس جائیں......! میں احد کو کہہ دیتی ہوں وہ مجھے لے جائے گا ڈاکٹر کے پاس......'' اس نے جلدی سے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے میں خود کال کر دیتا ہوں احد کو۔ وہ لے جائے گا تمہیں۔'' اس کا وقت پر آفس جانا ضروری تھا اس لیے اس نے بحث کرنے کے بجائے سیل فون نکال کر احد کو کال ملائی۔ اور اس کا حال احوال پوچھنے کے بعد اسے عشوہ کی طبیعت کا بتایا تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔ پھر زوار نے اسے جلدی آنے کا کہہ کر کال بند کر دی۔

''احد آ جائے گا تم یاد سے چلی جانا......'' وہ اسے تاکید کرتا آفس کے لیے نکل گیا۔ وہ کچھ دیر لیٹی رہی۔ تقریباً دس بجے کا وقت تھا...... جب اس نے احد کے آنے کا سوچ کر جلدی سے چینج کیا اور کمرے سے باہر آ گئی۔

''یہ اتنا تیار شیار ہو کر کہاں جا رہی ہو میڈم؟'' ڈرائنگ روم میں ہی اسے شاہم مل گئی۔ جو شاید ابھی اٹھی تھی اور ناشتا نہ بنا دیکھ کر کچن سے نکل کر اس کے کمرے کی طرف ہی آ رہی تھی۔ وہ بھی جان گئی تھی کہ

ایک بار پھر نیا جھمیلا شروع ہونے والا تھا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں......! میں احد کے ساتھ اسپتال جا رہی ہوں۔ وہ آنے ہی والا ہے مجھے لینے۔'' اس نے بات کو زیادہ گھمانے کے بجائے اصل بات بتائی اور احد کے آنے کا بھی بتا دیا اور چہرے پر آئے پسینے کو چادر کے پلو سے صاف کیا۔

''کیا ہو گیا تمہیں ابھی رات کو تو بالکل ٹھیک تھیں۔'' اس نے ابرو چڑھا کر تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''پتا نہیں صبح سے چکر آ رہے ہیں مجھے۔ اور دل بھی خراب ہو رہا......'' اس نے دھیرے سے کہا اس میں الجھنے کی ہمت نہیں تھی بحث کرنے کی۔

''واہ عشوہ بھابی بڑی نازک ہو تم! اچانک ہی بیمار بھی ہو گئیں۔'' وہ اس کا بغور جائزہ لینے کے بعد...... ہنسی سے ناک بھوں چڑھا کر بولی۔

''بات نازک کی نہیں شاہم میری طبیعت سچ میں خراب ہے۔ اور ویسے بھی طبیعت خراب ہونے میں کوئی زیادہ وقت تو نہیں لگتا......''

''میں بحث کے موڈ میں نہیں......! تم ناشتا بنا دو ہمارا۔ پھر جدھر مرضی چلی جانا۔'' اس نے عشوہ کو گھورتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ عشوہ کو اس کے انداز پر حیرت نہیں ہوئی تھی لیکن اس وقت وہ رک نہیں سکتی تھی ناشتا بنانے کے لیے۔

''مجھے احد لینے آ رہا ہے ناشتا آج تم خود بنا لو۔ اپنے اور امی کے لیے......'' اس نے بھی نارمل لہجے میں کہا۔

''کیا بحث چل رہی ہے یہاں؟ اور یہ تم کہاں جا رہی ہو صبح صبح تیار ہو کر......؟'' اس کی ساس صاحبہ بھی ان کی آوازیں سن کر وہیں تشریف لے آئیں۔

''آپ کی بہو صاحبہ کی طبیعت نہیں ٹھیک۔ اسپتال جا رہی ہے اپنے بھائی کے ساتھ۔'' شاہم نے فوراً تیر چلایا۔

''کیا ہوا تجھے؟'' انہوں نے بھی تیکھی نظروں سے اس کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے پوچھا...... تب ہی [illegible] ہوئی۔ شاہم دروازہ کھولنے باہر چلی گئی۔

''وہ امی مجھے چکر آ رہے ہیں۔ دل بھی خراب ہو رہا ہے۔ بار، بار الٹیاں آ رہی ہیں......'' وہ بمشکل بول پا رہی تھی۔

''تو بی بی کوئی گولی شولی کھا لیتیں۔ اب اتنا بھی کیا شور ڈالنا۔ جاؤ جا کر ناشتا بنا دو ہمارے لیے۔'' یقیناً وہ بھی کچن میں دیکھ چکی تھیں۔ ناشتا نہیں بنا تھا اس لیے انہوں نے بھی حکم جاری کیا۔

''مجھے احد لینے آیا ہے میں جا رہی ہوں...! خود ہی بنا لیں......'' ان کی بے حسی دیکھتے ہوئے وہ بھی انہی کے انداز میں بولی۔

''تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی۔'' اس کے صاف، صاف جواب دینے پر رضیہ بیگم بھی تپ گئیں۔

''السلام علیکم آنٹی...!'' تب ہی احد نے اندر آ کر انہیں سلام کیا...... اس کے پیچھے ہی شاہم بھی آ کر کھڑی ہو گئی۔

''ایک بات بتاؤ تم لوگوں نے یہ تمیز سکھائی ہے بہن کو کہ کبھی بڑوں کی بات نہیں ماننی...'' وہ بیچارہ تو اپنے سلام کے جواب میں ایسا سوال سن کر ہکا بکا سا ان کی شکل تکنے لگ گیا۔

''امی میں نے آپ سے کوئی بدتمیزی نہیں کی......! احد تم چلو......'' اس نے آگے بڑھ کر احد کا ہاتھ پکڑا لیکن وہ ابھی تک حیرت زدہ کھڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ کہا ناں......" انہوں نے بھی غصے سے اس کا بازو پکڑ کر اسے روکا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ وہ تو اسے دو لگانے سے بھی دریغ نہ کرتیں۔

"آنٹی، آپی کی طبیعت ٹھیک نہیں! زوار بھائی مصروف ہیں۔ اسی لیے انہوں نے مجھے کال کی ہے، میں آپی کو لینے آیا ہوں۔ آپ عشوہ آپی کے ساتھ ایسے کیوں کر رہی ہیں مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ بڑی بہن کے ساتھ ان کا اتنا برا سلوک دیکھ کر آخر کار بول ہی پڑا۔

"ڈرامے ہے یہ تیری بہن کے......! کوئی بیمار شیمار نہیں یہ۔" وہ نخوت سے سر جھٹک کر بولیں تو احد نے دکھ سے ان کی طرف دیکھا اور پھر عشوہ کو...... جو بہت مشکل سے وہاں کھڑی تھی۔ اس کی رنگت پیلی پڑ رہی تھی۔

"چلو احد انہیں صرف اپنا اور اپنی بیٹیوں کا درد نظر آتا ہے۔ دوسروں کا درد تو انہیں ڈراما لگتا ہے۔ بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں......" وہ بھائی کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف بڑھی۔

"عشوہ اگر آج تم گھر سے باہر گئیں تو پھر کبھی نہیں آ پاؤ گی واپس۔ اب سوچ لو پھر نہ کہنا۔" انہوں نے غصے سے دروازے میں تن کر کھڑے ہوتے ہوئے یہ آخری حربہ اپنایا اور اسے دھمکی دی۔ جسے سن کر ان دونوں کے قدم ہی ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ اس نے بے بسی سے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا جو ایک بار پھر حیرت وصدمے میں کھڑا تھا۔ یہ سب وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا کیونکہ ان کے گھر میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

"امی آپ فضول میں بات کو کیوں بڑھا رہی ہیں! میری طبیعت نہیں ٹھیک۔ میں بس میڈیسن لینے جا رہی ہوں۔ لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ ایسے کیوں کر رہی میرے ساتھ۔ آپ کو اپنا درد تو فوراً نظر آ جاتا ہے۔ لیکن میرا نہیں...... پلیز کچھ تو خیال کریں آپ......" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ بھائی کے سامنے ہونے والے اتنے بڑے ہنگامے سے وہ پریشان تھی۔

اوپر سے ان کی دھمکی کے خوف سے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی۔ ایک تو پہلے ہی اس کی طبیعت خراب تھی...... اوپر سے ایسی باتوں نے اسے اور ٹینشن میں ڈال دیا۔

"مجھے نہیں چاہیے تم جیسی زبان دراز بہو! آنے دو آج زوار کو میں فیصلہ کروا کر ہی رہوں گی۔ یا اس گھر میں تم رہو گی یا پھر میں اور آج زوار کو میری بات ماننی پڑے گی۔ اب جاؤ جہاں مرضی جانا ہے۔"

"آج تو انہوں نے صاف، صاف لفظوں میں اس کو اپنی ناپسندگی کا بتا دیا تھا...... احد جو ان کی یہ حرکتیں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس کا تو دماغ ہی سن ہو گیا تھا ان کی باتیں سن کر۔ اوپر سے بہن کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر یک دم ہی اسے غصہ آ گیا۔

"چلیں آپی میرے ساتھ......! میں بھی دیکھتا ہوں یہ لوگ کیا کر لیں گے......" اس نے بہن کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"لیکن احد......"

"چھوڑیں لیکن ویکن کو آپی...... بس آ گیا میرے ساتھ......" وہ اسے لے کر چلا گیا۔ جبکہ دونوں ماں بیٹی غصے میں اول فول بکتی کچن کی طرف چلی گئیں۔ آج ناشتا انہیں بنانا پڑ رہا تھا۔ تو ان کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ اس لیے غصہ بھی ساتویں آسمان پر پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے ماہم کو بھی فون کر کے آنے کا کہہ دیا۔ اب زوار کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

لیکن جب شام کو زوار آیا تو عشوہ بھی اس کے ساتھ تھی اور آتے ہی وہ ان پر خوب برسا۔ کیونکہ صبح جو کچھ بھی ہوا تھا احد نے اسے سب بتا دیا تھا تب وہاں سعد بھی موجود تھا۔ جس پر وہ اچھا خاصا شرمندہ ہو گیا اور بہت زیادہ غصہ بھی۔ غصہ تو احد کو بھی بہت آیا ہوا تھا۔ لیکن پھر عشوہ نے اسے گھر میں کچھ بھی بتانے سے روک دیا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بہن کی بات مان کر خاموش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

دو دن پہلے گھر میں جو ہوا تھا اس وجہ سے گھر میں مکمل خاموشی کا راج تھا۔ رضیہ بیگم اور شاہم تو اس سے پہلے ہی سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھیں۔ اور اب تو ضد اور غصے میں ان کا رویہ اور زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ اس نے بھی فی الحال ان دونوں کو نہیں بلایا اور بس اپنے کام سے کام رکھ رہی تھی...... شام کو ماہم بھی اپنے دو بچوں کے ساتھ تشریف لے آئی تھیں! اور تب سے وہ تینوں کمرے میں کھسی سرگوشیوں میں مصروف تھیں۔ لیکن وہ انہیں نظر انداز کیے اپنے کام میں مصروف تھی......! اس نے کھانا لگایا اور پھر زوار کو بلانے کمرے میں چلی گئی...... جب وہ واپس آئی تو وہ تینوں بھی ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھیں۔ زوار انہیں سلام کر کے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ بھی خاموشی سے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے شاہم کافی دنوں سے آئی ہوئی ہو تم لیکن سعد ایک بار بھی نہیں آیا۔ نہ ہی اس نے کوئی فون کیا۔ خیر تو ہے۔ کہیں کوئی لڑائی جھگڑا تو نہیں ہو گیا......؟" زوار نے سالن اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے نارمل انداز میں بات شروع کی۔ آج دو ہفتوں بعد اسے وقت مل ہی گیا تھا شاہم سے پوچھنے کا۔ وہ بھی اس لیے کیونکہ آج سعد اس کے آفس آیا تھا اور اس نے اسے بتایا تھا شاہم لڑ جھگڑ کر گئی تھی اور اس نے یہ شرط رکھی تھی کہ جب وہ الگ گھر میں شفٹ ہو گا تب ہی وہ واپس آئے گی۔ سعد کی بات سن کر وہ چپ کر گیا تھا۔ لیکن اسے شاہم پر بہت غصہ آیا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ نارمل انداز میں بات کر رہا تھا۔

"پتا نہیں مجھے خیر ہی ہو گی! اگر آپ کو ان کی اتنی فکر ہو رہی ہے تو آپ خود پوچھ لیں ان سے کال کر کے۔" اس نے انتہائی بدتمیزی سے جواب دیا۔ اور لاپروائی سے سر جھٹک کر کھانا کھانے لگی۔ گلاس میں پانی انڈیلتی عشوہ نے حیرت سے اس کا یہ انداز دیکھا...... جبکہ ماہم اور رضیہ بیگم کھانے میں مصروف تھیں۔

"یہ کیا بات ہوئی، بیوی ہو تم اس کی تمہیں خیال ہونا چاہیے اس کا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بنا سنجیدگی سے گویا ہوا اور پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"میں رکھ لوں گی خیال......! پہلے آپ تو رکھیں اپنی بیوی کا خیال......" اس نے پھر بدتمیزی سے جواب دیا۔ اس بار ماہم اور رضیہ بیگم نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

"شٹ اپ شاہم! میں تم سے پیار سے بات کر رہا ہوں اور تم آگے سے بدتمیزی کر رہی ہو۔" اس کا پھر سے بدتمیزی بھرا جواب سن کر یک دم ہی وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔

"یہ کس طرح بات کر رہے ہو چھوٹی بہن سے......" ماہم جو پہلے خاموشی سے سن رہی تھی وہ بھی بیچ میں بولی۔

"اور وہ کس طرح بات کر رہی ہے مجھ سے۔ یہ نظر نہیں آیا آپ کو۔ حیرت ہے ویسے......" وہ غصے سے بولا۔

"وہ تو چھوٹی ہے۔ ابھی نا سمجھ ہے۔" ماہم نے چھوٹی بہن کی طرفداری کی۔

"چھوٹی ہے تو کیا بدتمیزی کرے گی اب وہ بڑوں سے......" وہ چیخا۔

"تم جانتے تو ہو وہ ماں بننے والی ہے تو تھوڑی چڑچڑی سی ہو گئی ہے۔ اس لیے ایسے بول گئی......" رضیہ بیگم نے بھی اس کی سائڈ لی۔

"اگر چڑچڑا ہو جاتا ہے انسان تو کیا وہ چھوٹے بڑے کی تمیز بھی بھول جاتا ہے۔ اور اگر ماں بننے والی ہے تو کیا یہ دنیا کی پہلی لڑکی ہے جو ماں بن رہی۔" وہ تو آج ان کی سننے کے بجائے آپے سے باہر ہوئے جا رہا تھا۔ عشوہ خاموشی سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

"اب آپ کچھ زیادہ ہی بول رہے ہیں بھائی۔" شاہم رونے لگی تھی۔ ماہم نے اسے پیار سے ساتھ لگا لیا۔ بیٹی کو روتے دیکھ کر رضیہ بیگم نے توپوں کا رخ عشوہ کی طرف موڑا۔

"اب خوش ہو تم دونوں بہن بھائی کو لڑوا کر۔" وہ تو منہ کھولے انہیں تکنے لگی۔

"بس کر دیں امی! ہر بات کا الزام آپ اس پر کیوں لگاتی ہیں۔ جبکہ اس نے کچھ کہا بھی نہیں۔ مجھے تو

سعد نے خود آ کر بتایا ہے آفس میں......'' تینوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا بتایا سعد نے......؟'' رضیہ بیگم نے پوچھا۔

''یہی کہ آپ کی لاڈلی شاہم لڑ کر آئی ہے اور ساتھ میں سعد کو یہ بھی کہہ آئی ہے جب واپس آؤں گی جب الگ گھر لو گے......'' اس نے ماں کو بتایا۔ عشوہ نے حیرت سے زوار کو دیکھا۔ اسے اب بات سمجھ آنے لگی تھی ساری۔

''تو اس میں کیا برائی ہے؟ نہیں رہ سکتی میں اس گھر میں جہاں روز، روز کے جھگڑے ختم ہی نہیں ہوتے۔ میں اپنے بچے کی پرورش ایسے گھر میں نہیں کر سکتی......'' شاہم نے ڈھٹائی سے کہا۔ ماہم بھی اس کی مدد کے لیے بیچ میں کودی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے......سعد کو اگر بیوی اور بچے سے پیار ہے تو وہ ضرور الگ ہوگا......''

''وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا......! کیونکہ والدین کا اکلوتا بیٹا ہے وہ بھی میری طرح۔ اس لیے وہ بھی اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑے گا۔'' اس نے بھی صاف گوئی سے کہا کیونکہ سعد اسے صاف، صاف بتا کر گیا تھا۔ ''ویسے بھی اگر عشوہ آپ لوگوں کے ساتھ رہ سکتی ہے تو پھر تم کیوں نہیں رہ سکتی وہاں۔ تمہارا تو اتنا خیال کرتے ہیں وہ۔ اتنی عزت کرتے ہیں سب تمہاری......لیکن یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں پھر بھی عشوہ رہ رہی ہے آپ سب کے بیچ......'' اس نے ماں بہنوں کو آئینہ دکھا کر بیوی کی سائڈ لی۔ جس پر دونوں بہنوں کو بھی پتنگے لگ گئے اور وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔

''واہ بڑا خیال ہے تمہیں اپنی بیچاری بیوی کا......! ہمارا تو احساس تک نہیں تمہیں۔ بس یہی دن دیکھنا رہ گیا تھا اب۔'' ماہم نے عشوہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ رضیہ بیگم نے تو باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی واویلا بھی کرنے لگیں۔

''ٹھیک کہہ رہی ہو اس کو بوڑھی ماں کا ذرا خیال نہیں......''

''امی مجھے آپ سب کا خیال ہے...... الٹا آپ ہر وقت ہی عشوہ کو برا بھلا کہتی رہتی ہیں۔ نہ آپ اسے سناتی ہیں اگر اتنا آپ دونوں بیٹیوں کو بھی سناتی ہوتیں تو آج وہ دونوں اتنی بدتمیز اور بدلحاظ ہوتیں اور نہ ہی آئے روز یوں ہمارے گھر میں جھگڑے ہوتے......'' اس نے پلیٹ پیچھے کی اور کرسی دھکیل کر اٹھا اور اک نظر ان پر ڈال کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کی بات سن کر وہ تینوں ہکا بکا سی بیٹھی اسے جاتا دیکھ رہی تھیں۔ رضیہ بیگم تو رونا بھی بھول گئی تھیں اور شاہم ماہم کے اندر تو آگ جلنے لگی تھی۔

''خوش ہو اب تم میرے بھائی کو ہمارے خلاف کر کے۔''

شاہم جارحانہ تیور لیے اس کی طرف مڑی۔

''میں نے زوار کو کچھ نہیں کہا شاہم اچھے جاگتے انسان ہیں وہ۔ اسی گھر میں رہتے ہیں سب نظر آتا ہے انہیں بھی۔ تم سے پوچھ کچھ کرنا ان کا حق تھا اور تمہارا انہیں سب کچھ بتانا فرض تھا لیکن تم نے نہیں بتایا۔ الٹا تم نے زبان درازی کی ان سے......میں تو بس یہی کہوں گی اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھو شاہم نہیں تو ایک دن بہت پچھتاؤ گی تم اور امی، زوار نے آپ سے جو بھی کہا وہ بالکل ٹھیک کہا ہے۔ یہ سب آپ کے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہی ہے۔ جو آپ نے بیٹیوں کو دے رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ چھوٹے بڑے کی تمیز بھول گئی ہیں۔ یاد رکھیے گا امی یہ سب جو ہوا ہے آپ کی بیٹیوں کی زبان کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا اور اس کے لیے آپ ایک دن بہت پچھتائیں گی۔ لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ آپ لوگ دوسروں پر الزام لگانے کے بجائے خود کو دیکھیں۔ آپ کو سب سوالوں کے جواب مل جائیں گے......'' وہ رسانیت سے ان تینوں کو آئینہ دکھا کر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

''بہت زبان چلنے لگی ہے اس کی......! اس سے تو میں کل پوچھوں گی۔ تم دونوں پریشان نہ ہو تمہاری ماں ابھی زندہ ہے۔ چلو شاباش کھانا کھاؤ۔'' رضیہ بیگم

کپل آف پاکستان یعنی لعل محمد ناصر محمود اور بیگم شگفتہ ناصر نے سیلاب سے متاثرہ خاندانوں کے لیے فنڈز بھی جمع کیے اور اس میں اپنا خطیر حصہ ڈالا۔ یہ جوڑا اب کپل آف پاکستان ہی نہیں بلکہ کپل آف ایشیا کے نام سے جانا جاتا ہے جو سماجی سرگرمیوں اور فلاحی کاموں میں ہمہ وقت پیش، پیش رہتا ہے۔

نے دونوں بیٹیوں کو پچکار کر کہا۔ تو وہ بھی کھانے میں مصروف ہو گئیں۔

اگر رضیہ بیگم شروع سے ان دونوں کو گھر گرہستی سکھاتیں تو آج وہ دونوں اپنی، اپنی سسرال میں نام بنا چکی ہوتیں۔ ماہم اپنی سسرال میں زبان دراز بہو کے نام سے مشہور تھی اور اب دوسری بھی اسی کے نقش قدم پر چل رہی تھی......! اور یہ سب وہ ماں کی شہ پر کرتی تھی۔ عشوہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ کھانے میں ایسے مصروف تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''یہ تینوں سمجھنے والی نہیں......'' وہ تاسف سے گردن نفی میں ہلاتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

آج اتوار تھا۔ زوار نے آفس نہیں جانا تھا۔ پھر بھی اس کی آنکھ فجر کے وقت معمول کے مطابق کھل گئی۔ لیکن اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ پھر بھی وہ نماز پڑھ کر دوبارہ لیٹ گئی۔ لیکن وہ یہ بھی اچھے سے جانتی تھی کہ اب بات پر بھی اک نیا ڈراما شروع ہو جاتا تھا۔ لیکن وہ پُرسکون و مطمئن بھی تھی۔ کیونکہ زوار گھر پر تھا۔ کسلمندی سے لیٹے، لیٹے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسے پتا ہی نہیں لگا۔ اس کی آنکھ باہر سے آتی آوازوں کے شور سے کھلی...... کچھ دیر تو وہ چپ کر کے لیٹی رہی لیکن پھر اٹھ گئی اور دوپٹا اٹھا کر باہر نکل آئی۔ ان تینوں ماں بیٹیوں نے زوار کو گھیرا ہوا تھا۔

''امی آپ لوگوں کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ آخر چاہتی کیا ہیں آپ؟ کیوں بری لگتی ہے آپ لوگوں کو عشوہ؟ آج مجھے بتا ہی دیں آپ لوگ؟'' زوار غصے سے بول رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے کھڑی ہو کر سننے لگی۔

''نہیں چاہیے مجھے ایسی بہو جو پچھلے تین سال میں ایک بار بھی مجھے پوتے پوتیوں کی خوشیاں نہیں دے پائی۔ کب سے انتظار کر رہی ہوں میں۔ لیکن مجھے لگتا ہے یہ کبھی کوئی خوشی دے ہی نہیں سکتی۔ اوپر سے اتنی بدتمیز اور زبان دراز کیا بتاؤں؟ ایسی عورت کی میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ نکلوا سے گھر سے۔'' رضیہ بیگم تو

غصے میں پھٹ ہی پڑیں۔ اور لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا، نچا کر بولتی گئیں۔ ماں کے منہ سے ایسی باتیں سن کر ایک پل کے لیے تو وہ بھی چپ رہ گیا۔ لیکن پھر سنبھل کر بولا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ امی؟''

''بالکل صحیح کہہ رہی ہیں امی......'' ماہم بھی بیچ میں کودی۔ جبکہ وہ تو پھٹی، پھٹی نظروں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''صحیح کہہ رہی ہوں میں......! گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں اور محترمہ کو آرام سے ہی فرصت نہیں۔ خود ہی دیکھ لو۔ صبح سے کمرے میں بند ہے ناشتا تک نہیں بنایا۔'' انہوں نے مزید کہا۔

''تو امی، ماہم آپی خود بنا لیں ناشتا! یا پھر شاہم بنا لے۔ یہ دونوں کوئی مہمان نہیں بیٹیاں ہیں اس گھر کی۔ یہ گھر ان دونوں کا بھی ہے۔'' وہ جو پہلے حیرت میں تھا ان کی اگلی بات سن کر غصے سے بولا۔

''تو تمہاری بیوی کو کیا مسئلہ ہو رہا ناشتا بنانے سے......؟ شاہم کی طبیعت نہیں ٹھیک اور امی کبھی گئی نہیں کچن میں تم جانتے ہو اور میرا ابھی رات سے سر دکھ رہا ہے۔'' ماہم نے ماں اور بہن کی سائیڈ لی اور بات کرتے ہوئے اپنے سر کو دبانے لگی۔

''عشوہ کی طبیعت بھی پچھلے دو تین دنوں سے ٹھیک نہیں...... لیکن مجال ہے جو آپ لوگوں نے اس سے ایک بار بھی پوچھا ہو اس کی طبیعت کا۔'' اس نے بڑی بہن کو ناگواری سے دیکھ کر کہا۔ وہ بھی روز، روز کے جھنجٹ سے اب تنگ آ چکا تھا۔ کیونکہ اس گھر میں کوئی کام لڑائی جھگڑے کے بغیر ہوتا نہیں تھا۔

''کوئی طبیعت نہیں خراب اس کی بس ڈرامے کر رہی ہے یہ۔'' رضیہ بیگم بے حسی سے بولیں...... وہ جو بت بنی کھڑی سن رہی تھی یک دم غصے سے پھٹ پڑی۔

''بس کر دیں امی پلیز......! کچھ تو احساس کر لیں۔ کتنی بے حس ہیں آپ۔ میں ہر بار چپ کر جاتی ہوں۔ یہ سوچ کر کہ کبھی تو آپ لوگوں کو میرا احساس ہوگا لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا...... آپ لوگوں کو اپنا درد تو نظر آتا پر دوسروں کا نہیں۔ اب اگر میں ڈرامے کر رہی ہوں تو آپ لوگ مجھ سے بھی بڑے ڈرامے باز ہیں۔'' زوار نے آواز پر چونک کر پیچھے مڑ کے دیکھا۔ ماہم کو تو لگی تلوے سے لگی اور سر پر بجھی۔ وہ غصے سے بولی۔

''زبان سنبھال کے بات کرو بدتمیز لڑکی۔''

''یہی زبان اگر آپ نے اپنی سنبھالی ہوتی تو آج آپ کا سسرال میں ایک مقام ہوتا۔ لیکن آپ کو تو اس بات سے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا اور نہ کچھ سمجھ آتی ہے......'' وہ بھی دو بدو بولی۔ آج وہ سب حساب بے باق کر رہی تھی۔

''بکواس بند کرو جاہل لڑکی۔'' شاہم نے غصے سے ناک چڑھائی۔

''تم تو بیچ میں بولو ہی مت شاہم اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو اک دن بہت پچھتاؤ گی تم بھی۔ اور امی اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ میں اس گھر سے چلی جاؤں تو ٹھیک ہے میں جانے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہاں سے صرف میں نہیں بلکہ ہم تینوں جائیں گے۔'' اس نے شاہم کو ٹوکتے ہوئے رخ اپنی ساس کی طرف کیا اور پھر چلتی ہوئی ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تین لوگ مطلب......؟'' ان تینوں نے چونک کے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تینوں مطلب میں عشوہ اور میرا ہونے والا بچہ......''

اب کے زوار نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ اسے تو آج پتا لگا تھا۔ کتنی مجبور ہو کر عشوہ ان لوگوں کے آگے بولتی تھی۔ اسے حیرت بھی تھی کہ اس کی بہنیں ایک ذرا سی بات کے پیچھے سسرال چھوڑ کر میکے آ جاتی تھیں اور وہ بڑی سے بڑی بات بھی اپنے گھر میں نہیں بتاتی تھی۔ یہی تو فرق تھا ان میں اور عشوہ میں۔

''مطلب تم بھی ماں بننے والی ہو......؟'' شاہم نے تم بھی پر زور دے کر آنکھیں سکیڑتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں الحمدللہ......! اس لیے تو طبیعت خراب تھی۔

لیکن افسوس آپ لوگوں نے تو ذرا سا بھی خیال نہیں کیا اس کا...... لیکن ایک بات میں آپ سے ضرور کہوں گا امی اب بھی وقت ہے آپ سنبھل جائیں اور ان کو بھی سمجھا دیں کہ یہ بھی گھر بار سنبھالیں اپنا۔ روز، روز میکے آنا اچھی بات نہیں ہوتی۔ عشوہ کو دیکھا ہے کبھی آپ نے اس طرح میکے جاتے ہوئے؟ اور اگر وہ تین ماہ کے بعد چلی بھی جائے تو صرف ایک دن کے لیے جاتی ہے۔ اس نے تو آج تک گھر میں یہ بھی نہیں بتایا کہ اس کے ساتھ یہاں کیا سلوک ہوتا ہے۔ وہ ڈرامہ جو آپ نے اس کے بھائی کے سامنے کیا تھا اس۔ وہ بھی عشوہ نے اپنے گھر نہیں بتانے دیا۔ لیکن پھر بھی آپ لوگوں کو اپنے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ ایک بار آنکھیں کھول کر دیکھیں امی۔ آپ دونوں بیٹیوں کے ساتھ اپنے بیٹے کا گھر بھی خراب کر رہی ہیں۔ اب خود دیکھیں شاہم سسرال والوں سے لڑ جھگڑ کر کتنے دنوں سے آئی ہوئی ہے لیکن آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔ اور نہ ہی اسے سمجھایا۔ الٹا اسے شہ دے رہی ہیں اور وہ اتنی بیوقوف ہے اپنا ہی گھر توڑ رہی ہے۔ ماہم آپی کا بھی یہی حال ہے...... اگر کل کو شاہم کی سسرال والوں نے تنگ آ کر نہ رکھا اسے تو پھر کیا کریں گی آپ؟ جس طرح آپ عشوہ کے ساتھ کرتی ہیں سلوک۔ اگر اس طرح آپ کی اپنی بیٹیوں کے ساتھ ہو تو کیا کریں گی آپ؟ بتائیں...... پر نہیں کوئی جواب نہیں ہے آپ کے پاس۔ جب عشوہ جیسی سگھڑ لڑکی آپ کے دل میں جگہ نہیں بنا پائی تو کیا ماہم آپی اور شاہم جیسی زبان دراز لڑکیاں بنا پائیں گی؟ کبھی نہیں۔ شاہم کو وہ لوگ ابھی تک نہیں لینے آئے۔ کیونکہ ان کو کوئی فرق ہی نہیں پڑتا......'' وہ بولنے پر آیا تو پھر جو بھی اس کے منہ میں آیا وہ بولتا ہی چلا گیا۔

''بس کرو اور بہت بول لیا تم نے۔ کیوں نہیں رکھیں گے وہ ہماری شاہم کو۔ کیا کمی ہے اس میں۔ کمانے والی ہے، پڑھی لکھی اور اب تو ماشاء اللہ ماں بھی بننے والی ہے اور کیا چاہیے ان کو؟ اور تم ہمارا مقابلہ اپنی بدتمیز بیوی سے نہ کرو۔'' ماہم، عشوہ کو گھورتے ہوئے بولی۔

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے! عشوہ بھابی کا آپ لوگوں سے کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں۔ کہاں وہ اور کہاں آپ لوگ......'' سعد جو کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا اور ڈرائنگ روم کے دروازے میں رک کر ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ ایک ناگوار نظر ان سب پر ڈال کر بولا۔ سب نے پیچھے مڑ کر تعجب سے دیکھا اور پھر ششدر رہ گئے۔ رضیہ بیگم کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ یہی حال شاہم کا بھی تھا...... البتہ ماہم خود کو جلدی سے سنبھل کر تیزی سے آگے بڑھی۔

''ارے سعد شکر ہے تمہیں بھی خیال آیا اپنی بیوی کا۔''

اس نے بیزاری سے اس کی طرف دیکھا۔

''سعد بیٹا آؤ بیٹھو! وہاں کیوں کھڑے ہو؟''

رضیہ بیگم بھی لہجے میں چاشنی سموئے اس کی طرف بڑھیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے پیار کرتے ہوئے بولیں۔

''کیسے ہو سعد؟'' زوار نے بھی جھٹ پٹ سلام کیا۔ آخر کو وہ اس گھر کا داماد تھا۔

''کیسے ہیں آپ سعد بھائی؟ آئیں بیٹھیں۔''

عشوہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''سوری زوار بھائی، عشوہ بھابی میں آج بیٹھنے نہیں آیا۔ امی کی طبیعت نہیں ٹھیک اور چھوٹی دونوں سسٹرز کے پیپرز ہو رہے ہیں تو اسی لیے میں شاہم کو لینے آیا ہوں۔ گھر کو اس کی ضرورت ہے۔'' اس نے ایک نظر خاموش کھڑی شاہم پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''اوہ......! تو یوں کہیں آپ کو اپنے گھر کے لیے بیوی نہیں ایک عدد ملازمہ چاہیے۔ جو سارا دن آپ لوگوں کے کام کرے......'' اس کی بات سنتے ہی شاہم تو ہتھے سے اکھڑ گئی اور پھر بدتمیزی سے بولی۔

''گھر کے کام کرنے سے کوئی ملازم نہیں بن جاتا شاہم۔ عشوہ بھابی کو ہی دیکھ لو انہوں نے سارے گھر کو سنبھالا ہوا ہے۔ پھر بھی وہ تم لوگوں کو اچھی نہیں لگتیں۔ لیکن میرے گھر میں تو تم اتنی بدتمیزی کرتی ہو۔ کوئی کام

بھی نہیں کرتی ہو پھر بھی میرے گھر والے تمہاری راہ تک رہے ہیں......'' وہ بھی سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے تلخی سے گویا ہوا۔

''تم شاہم کو اس جاہل سے ملا رہے ہو سعد......''

ماہم کو اس کی بات پر غصہ آیا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں! مجھے عشوہ بھابی کی طرح بیوی چاہیے تھی۔ جو ہم سب کو سنبھال سکے لیکن میری بدقسمتی کہ میں یہاں پھنس گیا۔ اگر مجھے پتا ہوتا تمہاری زبان درازی کا تو میں کبھی نہ کرتا شادی......'' وہ تو آج سارے حساب چکتا کرنے آیا تھا شاید اس لیے بولے جا رہا تھا۔

''اگر آپ کو اتنی ہی اچھی لگتی ہیں عشوہ تو آپ کر لیں اس سے شادی۔ زوار بھائی اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کی تو شروع سے ہی نیت خراب ہے اس پر۔ کچھ تو شرم کی ہوتی۔'' شاہم بغیر کسی کا لحاظ کیے غصے سے بولی۔ زوار نے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔ جبکہ عشوہ تو صدمے سے کھڑی تھی۔ لیکن اس کی بات سن کر سعد کا بھاری ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پر نقش چھوڑ گیا۔

''شٹ اپ جاہل عورت شیم آن یو! تم اتنا گر سکتی ہو، مجھے اس بات اندازہ نہیں تھا۔ کان کھول کر میری بات سنو میں تو یہاں آنا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ کیونکہ تم اس قابل ہی نہیں۔ مجھے امی بابا نے مجبور کر کے بھیجا۔ اب سڑتی رہو یہیں۔ میرے گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہیں تمہارے لیے۔ میں سعد حسن اپنے ہوش و حواس میں تمہیں طلاق......'' اس نے غصے سے بولتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑا اور پھر غصے میں بولنے ہی والا تھا۔ جب زوار اور عشوہ ہوش کی دنیا میں آئے اور تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ شاہم کی آنکھیں تو پہلے ہی پھٹی کی پھٹی تھیں۔ رضیہ بیگم نے بھی دل کو تھاما اور لڑکھڑا گئیں۔ شاہم بھی گرنے کو تھی جب ماہم نے اسے سنبھالا۔

''پلیز سعد بھائی چپ کر جائیں خدا کے لیے......''

عشوہ نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا... کچھ بول ہی نہیں پایا تھا۔ ایسا تو ایک شاک... تھا کیونکہ ہر کوئی عشوہ کی طرح نہیں ہو سکتا... صبر سے برداشت کرنے والا۔

''سعد بیٹا یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ اس... وقت غصے میں ہیں اور وہ نا سمجھ۔ ٹھنڈے دماغ سے... سوچیں۔ وہ بیوی ہے آپ کی۔ اور اب تو ماں بننے... والی ہے۔ اگر بچے کو کچھ ہو گیا تو......'' رضیہ بیگم خود کو... سنبھال کر آگے بڑھیں اور اسے سمجھانے لگیں۔

''آنٹی وہ نہ تو نا سمجھ ہے نہ ہی معصوم اور... بھی تو بہت سمجھدار ہیں۔ آخر کو اس کی ماں ہیں۔ اب... اسے سمجھائیں کہ ایسے کسی پر کیچڑ نہیں اچھالتے۔ بلکہ... کیا سکھائیں گی اسے کچھ بھی اگر آپ انہیں سکھاتیں... آج آپ کی دونوں بیٹیاں عشوہ بھابی کی طرح... باتیں، طعنے، تشنے سننے کے باوجود بھی اپنی سسرال... ہوتی۔ ایسے لڑ جھگڑ کر نہ آئی ہوتیں میکے۔ ایک... ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیے گا ضرور۔'' وہ... بولا رضیہ بیگم کو آئینہ دکھا کر شاہم کی طرف مڑا۔

''بہت شوق ہے ناں تمہیں اپنے میکے میں رہنے... کا تو اب تم ادھر ہی رہو۔ میں کبھی نہیں آؤں گا لینے... جہاں تک بچے کی بات ہے۔ وہ تو ہے ہی میرا اور... میں تم سے لے ہی لوں گا۔ ایک بات اور بتا تا چلوں... میں یہاں امی اور بابا کے کہنے پر آیا تھا اس شرط پر کہ اگر... تم نہ آئیں تو میں دوسری شادی کروں گا اور اس کے... لیے میں نے لڑکی بھی پسند کر لی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے... کہتا۔ ایک شرمندہ سی نظر زوار اور عشوہ پر ڈال کر وہاں... رکا نہیں تھا۔

''اسی بات کا ڈر تھا مجھے امی...... دیکھ لیا اب... آپ نے اپنی غفلت کا نتیجہ...... آپ لوگ عشوہ کو گھر... سے نکالنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے آپ لوگوں نے... کیا کیا نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی اس نے سب کچھ صبر سے... برداشت کیا اور دیکھیں اب۔ یہ ہے مکافاتِ عمل۔'' زوار کہہ کر وہاں رکا نہیں بلکہ گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

...بری طرح روئے ہی جا رہی تھی ...... جبکہ ماہم اور... بیگم اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ لیکن... ہوئے وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

''یہ سب آپ دونوں کی وجہ سے ہوا ہے امی۔ آپ لوگوں نے مجھے ایک بار بھی نہیں کہا کہ میں غلط کر رہی ہوں۔ اگر آپ میرے منہ پر مارتیں تو آج ایسے نہ ہوتا۔ امی میں سعد سے بہت پیار کرتی ہوں۔ یہ بچہ... ہمارا ہے۔ امی کچھ کریں پلیز۔ آپ لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے سب۔ میرا گھر تباہ ہو جائے گا...... میں کہاں جاؤں گی؟ میری اولاد کیا کرے گی؟'' عشوہ وہاں کھڑی دکھ سے ان سب کو دیکھ رہی تھی۔

''بکواس بند کرو شاہم! یہ سب تمہاری اپنی وجہ سے ہوا ہے۔ تم ہی کر لیتیں کچھ عقل......'' ماہم تو غصے سے بھڑک ہی اٹھی تھی۔

''چپ کرو تم دونوں۔ لڑنا بند کرو......'' رضیہ بیگم... چیخ کر بولیں۔

''آپ بھی چپ کریں امی یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ نے اولاد پیدا تو کر لی لیکن پالنی نہیں آئی آپ کو۔ اگر آپ ہماری اچھی تربیت کرتیں تو آج یہ نہ ہوتا۔ امی مائیں تو بیٹیوں کے گھر بساتی ہیں۔ لیکن آپ نے تو ہمارے گھر اجاڑ دیے۔'' شاہم ایک بار پھر بھڑک گئی اور روتے ہوئے چیخی۔ رضیہ بیگم تو... تڑپ کر رہ گئیں۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ ...بیٹیوں کے لیے انہوں نے اتنا سب کچھ کیا۔ آج... وہ دونوں انہیں آئینہ دکھا رہی تھیں۔ اور یہ سب سچ ہی... تھا۔ ...کی اپنی بیٹیوں سے بے پناہ محبت نے انہیں... سسرال والوں سے دور کر دیا اور نفرت نے عشوہ... کی زندگی اجیرن کر دی جس کا احساس آج انہیں ان کی... اپنی بیٹیاں کروا رہی تھیں......

''یہ ہوتی ہے تربیت۔ امی کتنا فرق ہے ہماری... اور عشوہ کی تربیت میں۔'' ماہم کو بھی آج احساس ہوا تھا... اپنے عمل کا۔ وہ دل ہی دل میں اپنی کوتاہیوں کا... ازالہ کرنے کا ارادہ باندھ کر فوراً ہی بچوں کو لے کر اپنی سسرال چلی گئی۔

رضیہ بیگم وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں... انکار ہی تھیں... سب ختم ہو گیا تھا آج ان کی انا اور اکڑ کی وجہ سے اور انہیں اب سمجھ آئی تھی جب کہ سب ختم ہونے جا رہا تھا۔ اب کوئی فائدہ نہیں تھا رونے کا، پچھتانے کا۔

''مجھے معاف کر دو عشوہ۔'' اپنے کمرے کی طرف مڑتے اس کے قدم ٹھٹک کر رک گئے...... لیکن وہ پیچھے نہیں مڑی۔

''ہم نے بہت زیادہ غلط کیا تمہارے ساتھ۔'' امی روتے ہوئے شرمندگی سے بول رہی تھیں۔ اس بار اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ رضیہ بیگم کو ایسے دھاڑیں مارتے ہوئے وہ پہلے بار دیکھ رہی تھی۔ ان کا جھکا ہوا سر، آنکھوں سے بہتے آنسو، جڑے ہاتھ۔ ان کی انا اور اکڑ ٹوٹنے کا ثبوت دے رہے تھے۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا۔ لیکن وہ بس اتنا ہی بول پائی۔

''امی آپ میرے سامنے ایسے مت کہیں دراصل غلط آپ نے میرے ساتھ نہیں......! بلکہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ کیا ہے۔ اپنے آپ کے ساتھ کیا ہے۔ انہیں آپ وہ تربیت نہیں دے پائیں جو دینا آپ کا فرض تھی۔ آپ ہمیشہ ہی اس سے غافل رہیں اور پھر جو ہوا وہ سب آپ کے سامنے ہے......'' وہ اتنا کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ لیکن رضیہ بیگم کا سر شرم سے اور زیادہ جھک گیا تھا۔ وہ وہیں صوفے پر گر گئی تھیں۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی عشوہ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کی بوڑھی ماں اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

''یہ دنیا واقعی مکافاتِ عمل ہے......'' اس نے کچھ دور جا کر پیچھے مڑ کر انہیں اجڑی حالات میں دیکھ کر بس اتنا ہی سوچا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ آگے کیا ہونا تھا یہ اللہ بہتر جانتا تھا۔ لیکن اس نے اپنے پروردگار کا شکر ادا ضرور کرنا تھا جس نے اسے اس کے بے تحاشا صبر کا پھل آج دے ہی دیا تھا۔

☼☼☼

آگہی

شگفتہ ناز ملک

''ہیلو صبا کیسی ہو......؟'' امبر نے کہا۔
''تم سناؤ واپس آ گئیں گاؤں سے؟''
''ہاں یار، میں تو دو تین دن ہوئے واپس آ گئی
تھی۔ تم کہاں غائب ہو؟'' صبا نے شکوہ کیا۔
''کہیں نہیں یار بس وہی گھر کی مصروفیت...... تم
سناؤ گاؤں کا ٹور کیسا رہا؟'' دونوں لگ گئیں باتوں میں
تو بازار جانے کا پلان بھی بن گیا۔

امبر اور صبا دوست ہونے کے ساتھ خالہ زاد بھی
تھیں۔ قسمت کی بات کہ دونوں کی شادی بھی ایک ہی
فیملی میں ہوئی سو دونوں کی دوستی شادی کے بعد بھی اسی
طرح برقرار رہی۔
اگلے دن جب صبا بازار ساتھ جانے کے لیے
امبر کے گھر پہنچی تو دروازہ ایک دس، گیارہ سالہ بچے
نے کھولا۔ صبا حیران ہوئی کہ صورت دیکھ

...والا یہ بچہ کون تھا کیونکہ امبر کے اپنے
...بیٹا شان جو کہ تقریباً اسی بچے کا ہم عمر تھا اور
...سوہا جو کہ ابھی چار سال کی تھی۔ ابھی وہ اس
...کرے اور داخل ہوئی تھی کہ امبر بھی کمرے سے
...وہ جا رہی تھی۔
''چلو صبا بس دیر ہو رہی ہے۔'' پھر وہ اس بچے
...طب ہوئی۔
''اچھا ظفر تم بچوں کا خیال رکھنا، شان کو کھانا گرم
کر کے دے دینا، سوہا کو دودھ دے دینا، برتن دھو لینا،
...سارا وقت ٹی وی نہ دیکھتے رہنا۔'' امبر نے اس بچے
...کہا...... صبا منہ کھولے یہ سب سن رہی تھی۔
''ارے کون ہے یہ بچہ......؟''
''تم چلو بتاتی ہوں سب۔'' امبر نے صبا کا ہاتھ
...کر اور باہر نکل آئی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی صبا نے پھر
...اس بچے کے بارے میں تو امبر نے بتایا۔
''ارے یہ بچہ گاؤں سے میرے ساتھ آیا ہے،
...ماں مر گئی ہے بے چارے کی۔ باپ نے دوسری شادی
کر لی سوتیلی ماں ساتھ رکھنے کو تیار نہیں، اس کا...... باپ
...میرے سسر کا پرانا ملازم ہے۔ اس نے مجھ سے
...درخواست کی کہ میں اس بچے ظفر کو اپنے ساتھ شہر لے
...جاؤں کہ گھر کا کام کر دے گا۔ میں بھی لے آئی کہ کام
...بھی کر دے گا اور ثواب کا ثواب بھی۔''
''مگر یہ بچہ تو ابھی چھوٹا سا ہے کیا کام کرے گا؟''
''ارے چھوڑو تم اس کو سب کر لیتا ہے۔ تم بتاؤ
کس برانڈ کے آؤٹ لیٹ جانا ہے۔'' پھر دونوں زور و
شور سے شاپنگ کی باتیں کرنے لگیں۔
کچھ دن گزرے تو صبا کو پتا چلا کہ امبر کے بیٹے
شان کی طبیعت خراب ہے تو وہ اسی شام وقت نکال کر
ملنے چلی آئی۔ معمولی سا موسمی بخار تھا لیکن امبر کی تو جان
جان پر بن آئی تھی۔ وہ بچے کے ساتھ بیٹھی تھی اور ظفر پر
چلا رہی تھی کہ اس نے مشین لگائی تو شان کے کمرے کی
بیڈ شیٹ نہیں دھوئی اور وہ بے چارہ صفائیاں دے رہا تھا کہ
باجی شان نے بیڈ شیٹ اتارنے نہیں دی تھی۔ صبا کو دیکھ
کر امبر دھیمی پڑ گئی۔ صبا کو سخت افسوس ہوا کہ دسمبر کا مہینہ
تھا ظفر نے کوئی سوئیٹر بھی نہیں پہنا ہوا تھا اور امبر نے
سارے کاموں کا بوجھ ہی اس معصوم پر ڈال رکھا تھا۔
''امبر تم اس بچے کے ساتھ کچھ زیادتی نہیں
کر رہیں۔'' صبا نے کچھ دیر بعد سب کچھ دیکھ کر سہیلی
سے کہا۔ ''تم اسے بھی اسکول میں داخل کرا دیتیں۔''
''چھوڑو یار، اسے پڑھائی کا شوق نہیں ہے اور کیا
زیادتی کر دی ہے میں نے۔ آرام سے رہتا ہے، کھاتا، پیتا
ہے۔ شان کے کپڑے پہن لیتا ہے اور کیا چاہیے یار۔''
''پھر بھی بہتر نہیں تھا کہ اس کی اسکولنگ پر توجہ
دیتیں۔'' صبا نے دھیرے سے کہا۔
''اوہو...... کہا تو ہے اسے پڑھائی کا شوق نہیں
ہے۔'' امبر نے تنگ کر کہا تو صبا بھی اس کے بدلتے
موڈ کو دیکھ کر چپ ہو گئی۔
گھر واپس آ کر بھی صبا کو ظفر کا خیال رہا لیکن وہ
اس سے زیادہ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ دن گزرتے رہے
اور امبر کا رویہ ظفر کے ساتھ خراب سے خراب تر ہوتا
چلا گیا۔ صبا نے ایک دو بار سمجھانے کی کوشش کی تو امبر کا
وہی ایک جواب کہ......
''کیا کمی ہے ظفر کو سب کچھ تو مہیا ہے، کھانا پینا،
رہنے کو جگہ اور کیا چاہیے اسے......''
ایک دن تو حد ہی ہو گئی امبر اور صبا نے کہیں میلاد
شریف پہ جانا تھا اور چونکہ صبا کا گھر ذرا دور تھا تو وہ ہی
پہلے آتی تھی اور امبر کو پک کرتی تھی جونہی صبا گھر میں
داخل ہوئی اس نے دیکھا کہ شان نے ظفر کو بالوں سے
پکڑا ہوا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے تابڑ توڑ کئی تھپڑ اس
بچے کے منہ پر مار دیے، صبا اسے چھڑانے کو بڑھی اتنے
میں شور سن کر امبر بھی باہر نکل آئی۔
پوچھنے پر پتا چلا کہ ظفر، شان کو کرکٹ میں
باؤلنگ کرا رہا تھا بال ٹھیک سے نہیں ہوئی تو شان کو غصہ
آ گیا۔ صبا نے ملامتی نظروں سے امبر کی طرف دیکھا۔
''یار تمہیں پتا تو ہے شان اکلوتا ہے، لاڈلا ہے، ذرا ضدی
بھی ہے۔ غصہ جلدی آ جاتا ہے۔'' امبر جلدی سے بولی۔

اس کو سمجھانے کی نوبت آتی تب ناں.....اس نے رو، رو کر برا حال کرلیا تھا۔ ناشتے کی ٹیبل پر اس نے آنے سے انکار کردیا تھا۔ رہبر نہایت سنجیدہ بیٹھا تھا۔ تسیہ کو بیٹے کے ماتھے کے بل صاف نظر آرہے تھے۔ وہ حیران ہوئیں۔

''بیٹا ٹھیک سے ناشتا کرو ناں..... یہ حلوہ پوری تمہاری پسندیدہ ہے بھی بنوائی ہے میں نے۔''

''امی آپ کو بیٹے کا اتنا خیال ہے اس کی خوشیوں کی کوئی پروا نہیں۔''

غنوئی اور ثمن نے پہلے بھائی کو پھر ماں کو دیکھا۔ یہاں تو راتوں رات انقلاب آگیا تھا۔ دونوں کی نگاہوں میں طنز بھری ہنسی تھی۔

''کون ماں ہے جو بیٹے کا گھر نہیں بسانا چاہے گی ایسے کیوں کہہ رہے ہو تم؟''

''تو پھر دل بھی تھوڑا بڑا کرلیں۔ آپ بہو لائی ہیں نوکرانی نہیں.....'' ماں سے کبھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی رہبر نے یہ کون تھا پھر.....ایک دم سے سناٹا چھا گیا تھا وہاں۔ سبھی نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

''یہ..... یہ کیسے بات کررہے ہو تم ماں سے؟'' تسیہ کی حیرانی میں ڈوبی آواز جیسے پاتال سے آئی تھی۔

''یہی میں آپ سے کہنے والا تھا اسے گھر میں آئے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ اور آپ کو کوئی خیال ہی نہیں ہے اس سے اس لہجے میں بات نہ کیا کریں۔ جس کی وہ عادی نہیں ہے۔'' تسیہ کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر وہ بغیر ناشتا کیے وہاں سے چل دیا تھا۔

''رہبر..... بیٹا رکو تو.....'' تسیہ پہلے تو اس کے لفظوں پر غور کرتی رہیں پھر اسے رکنے کو آگے بڑھیں۔ وہ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

''آپ دیکھ رہی ہیں امی، بھائی کے تو رنگ ہی بدل گئے.....'' یہ غنوئی سے چھوٹی ثمن تھی۔

''رنگ ہی نہیں ڈھنگ بھی.....'' یہ غنوئی تھی۔

''یہ ہو کیا رہا ہے اس گھر میں.....؟'' اماں حیران سی تھیں ابھی کل ہی تو وہ اسے (ہما کو) سمجھا کر آئی تھیں وہ تو الٹی چال چل رہی تھی۔

''میرا تو ایک ہی بیٹا ہے اماں وہ بھی ہما پر قربان کردوں.....اب اس کی بیوی کو میں اس ڈر سے نصیحت بھی نہ کروں کہ کہیں اپنے بیٹے کو کھو نہ دوں۔''

''کیا بات ہے بھابی کیوں ایسی باتیں کررہی ہیں خدانخواستہ کچھ غلط کردیا ہما نے؟''

ادیبہ بیگم (ہما کی ماں) نے تسیہ بیگم کا آخری جملہ سوئے اتفاق سن لیا تھا۔ آج ان کا بیٹی کے ساتھ ناشتا کرنے کا دل کررہا تھا۔ دھیمے مزاج کی ادیبہ بیگم کی پوری فیملی کے ساتھ بنتی تھی۔ ان کے رکھ رکھاؤ اور سلیقہ مزاجی نے پورے خاندان میں ان کی دھوم مچا رکھی تھی۔ اب اپنی بیٹی کے لیے ایسی باتیں وہ بھی اتنی اچھی بھابی کے منہ سے سن کر ان کا دل مٹھی میں آگیا۔ وہ مزاج کی تھوڑی کڑوی لیکن دل کی بے حد اچھی تھیں۔

''ارے میری بیٹی آگئی.....'' اماں ایک دم کھل سی گئیں لیکن تسیہ چپ رہیں یہی ان کے مزاج کا خاصا تھا وہ غصے کو کنٹرول کرلیتی تھیں۔

''آؤ بیٹھو ادیبہ، اچھا کیا جو چلی آئیں۔ تمہارے بھائی بھی کافی دنوں سے تمہیں یاد کررہے تھے۔'' غصے میں وہ چاہے ادیبہ کو کچھ بھی غائبانہ کہہ دیتیں لیکن دل سے اس کی اچھائی کی قائل تھیں۔

''میرا بھی کافی دنوں سے دل کررہا تھا آپ سب سے ملنے کو..... دیکھیں صبح، صبح ہی آن پہنچی.....'' ادیبہ بیگم شرمندہ تھیں دونوں باتوں پر۔

''تمہارا اپنا ہی گھر ہے..... جب چاہو جم، جم آؤ.....'' تسیہ نے نند کا دل خوش کردیا تھا۔

''جی بھابی..... ہما نظر نہیں آرہی.....کہاں ہے؟'' ادیبہ نے اِدھر، اُدھر نگاہیں دوڑائیں لیکن ہما کہیں بھی نظر نہ آئی۔

''سو رہی ہوگی.....'' اب کے اماں نے جواب دیا۔ تسیہ پھر سے ہونٹ بھینچے رہیں۔

''اتنی دیر تک سو رہی ہے؟ رہبر کو ناشتا بھی نہیں کروایا۔ وہ باہر ملا تھا ابھی جاتے ہوئے۔'' تسیہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئیں اماں کے ماتھے پر بھی بل پڑ گئے تھے۔

''پھپھو، بھائی کو ناشتا ہمیشہ امی ہی دیتی تھیں۔ ابھی بھائی کے کام بھابی، بھائی سے ہی کرواتی ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ جاتیں تو اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیتیں۔'' ثمن پھوپی سے مل کر اِدھر ہی بیٹھ گئی تھی۔ اس کی گل افشانی کو پھر سے تشویش میں مبتلا کرگئی تھی۔

''میں دیکھتی ہوں جاکے.....'' ادیبہ اگر وہاں سے نا اٹھتیں تو شاید پریشانی سے بے ہوش ہی ہوجاتیں۔

کمرے میں فل اے سی آن تھا۔ بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی ہما کو نہ تو ماں کے آنے کا پتا چل پایا تھا اور نہ ہی رہبر کے جانے کا.....وہ گہری نیند میں تھی۔ ادیبہ کو تو یہی لگا تھا اور واقعی وہ گہری نیند میں تھی۔ وہ چپ چاپ واپس آگئیں۔

ناشتا بے دلی سے کرکے وہ ہما سے ملے بغیر ہی بجھی، بجھی سی واپس آگئیں۔ حتیٰ کہ تیسرا دن بھی آن پہنچا.....انہوں نے ہما کی کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی میسج کا جواب دیا تھا۔ چوتھے دن وہ خود ماں کے پاس چلی گئی تھی۔

''امی، امی.....'' وہ آوازیں دیتی داخل ہوئی۔ ادیبہ کچن میں تھیں سن کر بھی انجان بن گئیں۔ وہ انہیں ڈھونڈتی کچن تک آ پہنچی تھی۔

''امی..... کہاں رہ گئی ہیں آپ، اتنی کالز کیں کوئی خیر خبر نہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں، آپ کی تین دن سے رہبر سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے آپ کے پاس چھوڑ آئیں لیکن وہ مصروف تھے۔ امی آپ مجھے سن رہی ہیں؟ کیا ہوا؟ ناراض ہیں مجھ سے؟'' ادیبہ مسلسل اس کی طرف پشت کیے ہوئے تھیں اور وہ پیچھے بول رہی تھی۔ جیسے روبوٹ کا کوئی بٹن آن کردیا گیا ہو۔

''میں تمہاری ماں نہیں ہوں اور نہ ہی تم میری بیٹی ہو، آج کے بعد نہ تم مجھے فون کروگی اور میرا نمبر بھی اپنے موبائل سے نکال دو.....'' درشت لہجہ، الفاظ کی تلخی اور غصہ چھلکاتی آنکھیں، ایسا تو اس نے بچپن سے جوانی کے کسی دور میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی.....؟'' ہما بے یقینی میں تھی۔

''وہی جو تم نے سنا.....'' ادیبہ آج یکسر بدلی ہوئی تھیں۔

''امی میرا قصور تو بتادیں۔ ایسا کیا کردیا میں نے؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟'' ہما نے پوچھا..... کچھ بھی تھا، اسے اپنی ماں کو ہر صورت راضی کرنا تھا۔ وہ ان کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

''شکر کرو کچھ بھی نہیں کہا کسی نے اگر کہہ دیتا تو میں تو جیتے جی مرجاتی۔ ابھی کچھ بھرم باقی ہے۔ اسی لیے تمہیں کچھ دیر کے لیے برداشت کررہی ہوں ورنہ اسی وقت ہاتھ سے پکڑ کر چلتا کردیتی۔''

''امی.....'' مارے صدمے کے ہما کی زبان گنگ رہ گئی۔ اتنی بیزار ہوگئی تھیں وہ اس سے کہ اسے گھر سے نکالنے پر آمادہ ہوگئیں۔

''جب میری شادی ہوئی تو میری ماں نے مجھے کہا تھا کہ نازک معاملہ ہوتا ہے ایک پرائی انجان لڑکی کو اپنے گھر لے آنا کہ جانے وہ کیسی نکلے۔ گھر کو گھر بنائے رکھے یا مکان بھی نہ رہنے دے۔ تو میں ڈر گئی۔ میں بھی تو بہو بن کر جارہی تھی۔ مجھے ڈر لگا تھا کہ کہیں میں کسی کو دکھ دینے کا باعث نہ بن جاؤں..... میں نے جاتے ہی اس گھر سے دل لگالیا اور اپنی ساس کے پاؤں تھام لیے وہ دن اور آج کا دن میری سسرال کا ہر، ہر فرد میرا گرویدہ ہوگیا۔ میرے بغیر ان کا ہر فنکشن ادھورا ہوتا تھا۔ اتنی عزت تو میرے میکے میں بھی نہیں کی تھی کسی نے لیکن اب.....؟ اب مجھے لگتا ہے کہ ساری عمر کی کمائی خاک میں ملنے والی ہے، تم..... تم نکل جاؤ یہاں سے..... غائب ہوجاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔'' ادیبہ غصے کے ساتھ، ساتھ رونے والی بھی ہوگئیں۔ ہما پل میں سمجھ گئی کیا ماجرا کیا ہے۔

''مگر امی! آپ کو مجھ سے کیا مسئلہ ہے۔ پلیز مجھے کھل کر بتائیں کسی نے میری شکایت کی ہے آپ سے۔'' ہما روہانسی ہوگئی۔ انہوں نے کوئی جواب

نہیں دیا وہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہی دونوں کے درمیان مکمل خاموشی حائل تھی۔ ایک دم سے اسے اجنبیت کا احساس ہوا۔ وہ اپنے آنسوؤں کو پونچھتی وہاں سے چل دی تھی۔ جبکہ کافی دیر اسی کی طرف پشت کر کے کھڑی ادیبہ بیگم نے اس کے جاتے ہی اس طرف رخ کیا تھا جہاں وہ کھڑی تھی۔ ان کے دل کو کچھ ہوا تھا وہ اس کو روکنے کے لیے نہیں گئیں۔ بلکہ اُدھر ہی کھڑی رونے لگیں۔ غصہ اپنی جگہ لیکن ماں تھیں، وہ اس کی۔ اور وہ ان کی پہلی اولاد، پہلی خوشی لیکن بعض روایات جنہیں انہوں نے اب تک قائم رکھا ہوا تھا وہ اپنی بیٹی میں بھی زندہ رکھنا چاہتی تھیں لیکن اس نے ان کا سر جھکا دیا تھا جو انہیں کسی طور پر گوارا نہیں تھا۔ انہیں ہر حال میں اسے سدھارنا تھا۔ چاہے کوئی بھی حربہ آزمانا پڑتا۔

☆☆☆

وہ جب سے آئی تھی اپنے کمرے میں بند تھی۔ کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ پہلے بھی اپنا زیادہ وقت ادھر ہی گزارتی تھی لیکن اس بار وجہ کوئی اور تھی۔

شام ڈھلے وہ کمرے سے نہ نکلی تھی تو اماں کو تشویش ہوئی۔ عنوی اور محسن اس کے کمرے میں جانے کے لیے تیار نہ تھیں۔ تسمیہ اپنے کمرے میں تھیں انہوں نے نوکرانی کو بھیجا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ خود ہی اُدھر جا پہنچیں۔ دروازہ فوراً ہی کھول دیا گیا۔ اسے کسی کا کندھا درکار تھا۔ اور اس وقت نانی سے بڑھ کر اور کوئی اپنا نہیں لگا تھا اسے۔

”نانی میں اتنی بری انسان ہوں کہ مجھے میری ماں دیکھنا بھی پسند نہ کریں اتنی بری..... میں نے ایسا بھی کیا کردیا.....؟“ اس کی سوجی ہوئی آنکھیں نانی کے دل کو دہلا گئیں۔ ادیبہ فون پر سب کچھ ان کے گوش گزار کر چکی تھیں۔ رو بھی رہی تھیں انہیں تو اس بات کا غم ہی نہیں بھولتا تھا کہ انہوں نے بیٹی کو رُلا کر گھر سے نکالا تھا۔

”بیٹا بری تم نہیں ہو..... انسان برا نہیں ہوتا اس کی عادتیں بری ہوتی ہیں۔ بری عادتیں ایک انسان کی ہوتی ہیں لیکن دوسرے کو ڈس لیتی ہیں..... اور جو ڈسا

جاتا ہے وہ پھر عمر بھر نہیں بھولتا۔“ نانو چپ نہ رہ سکیں۔ ”بیٹا ماں، باپ جیسے بچیوں کے سوتے میں رشتہ کرواتے ہوئے ڈرتے ہیں اسی طرح بہو سے بھی ان کو امیدیں ہوتی ہیں۔ ایک بہو جو بہو کے گھر آتے ہی کانٹوں کا درخت بن جائے تکلیف کا باعث ہوتی ہیں۔ بات ساری احساس کی ہے اگر یہ زندہ ہے تو گھروں میں سکون ہے۔ ورنہ ہمارے اردگرد تو بے حسی کی موت مرنے والوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہے۔ بدقسمتی سے تم بھی انہی میں شامل ہو۔“ ہمانے تڑپ کر ان کے کندھے سے سر اٹھایا۔

”بہوئیں تو گھر کی رونق ہوتی ہیں۔ دونوں گھروں کا چراغ ہوتی ہیں۔ یہی چراغ اگر روشنی کے بجائے جلانے لگیں تو لوگ خود ہی ایسے چراغ بجھا دیتے ہیں۔“ نانی کی باتیں تو اس کی ماں سے بھی زیادہ دل جلانے والی تھیں۔ وہ کلس کر رہ گئی۔

”برا ہونا اتنی بڑی بات نہیں ہوتی جتنا دوسروں کی نظروں میں برا بن جانا ہوتا ہے۔“ نانی پھر سے شروع ہوئیں۔

”مگر میں نے ایسا کیا کردیا کہ آپ اور امی میری عزت نفس اور میری ذات کی دھجیاں اڑا رہی ہیں۔ ایک کھانا ہی تو نہیں بنایا تھا۔ یہاں تو محاذ ہی کھڑا کیا میرے خلاف.....“ ہما کو غصہ آگیا تو نانی کو وہ ایک چھوٹی سی معصوم بچی کی طرح لگی جو منہ پھلا کر اپنے ناراض ہوجاتی ہے۔

”دوسرے لوگ آپ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ اس سے زیادہ بے عزتی والی بات اور کیا ہوسکتی ہے.....؟“ نانی نے اسے لاجواب کردیا۔

”بیٹا عزت دار بن کے جینا اتنا آسان نہیں— من مارنا پڑتا ہے۔ پھر جاکر انسان دلوں پر راج کرتا ہے۔ پھر ہر کوئی اس کی مدد کرنے کو ہر دم تیار رہتا ہے۔ اس کے لیے آسانیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس میں وقت لگتا ہے لیکن پھر سب کچھ اپنا ہوجاتا ہے۔ وہ لوگ بھی جنہیں ٹھکرائے ہوتے ہیں اور ان کا ساتھ بھی..... بس

ذرا اپنا سمجھو..... صرف ایک بار اس گھر کو اپنا سمجھو، اس کے تقاضوں کو سمجھو اگرچہ مشکل ہوتا ہے..... صرف ایک بار ان کے تقاضوں کو ..... لیکن ایک بار سب کے دل جیت کے ان کو مٹھی میں لے لو..... پھر سب کے سب تمہارے ایک اشارے پر قربان ہونے کو تیار ہوجائیں گے۔ شوہر کو مٹھی میں کرنا پھر اسے ہتھیار بنا کر دوسروں پر حملہ کرنا انتہائی گری ہوئی حرکت ہے۔ تہماری ماں جو صبح سے اور سب کو اکٹھا دیکھنے کی خواہش رکھتی ہے تمہیں تو کبھی الٹی ڈگر پر چلنے نہیں دے گی۔ اس کے لیے یہ تو زندگی موت کا مسئلہ ہے۔ ساس بھی ماں ہوتی ہے نندیں، بہنیں ہوتی ہیں تو سسر، باپ..... پھر پرایا کون ہے یہاں ان کی خدمت کرو..... دعائیں سمیٹو..... خدمت کا جو ثواب ہے وہ تو عبادت کا بھی نہیں— حقوق العباد پر تو اللہ نے پوچھ کچھ لازمی کرنی ہے۔ اگر کسی کا دل تمہاری ذات سے دکھے تو اللہ کی نظر میں بھی کوئی مقام نہ ہوگا اور دنیا بھی اچھا مقام نہ دے گی۔ ایک ہاتھ دے ایک ہاتھ لے والا معاملہ ہے بھئی..... ویسے بھی یہ سب تمہارے اپنے ہی تو ہیں.....“ نانی اس کی خاموشی سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھیں ورنہ اس جیسی ازیل کو قابو کرنا آسان کام نہیں تھا۔

”بہوئیں کوئی ملازم ہوتی ہیں؟“ ہما کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ نانی نے ماتھا پیٹ لیا۔

”ہر شخص دوسرے کے لیے ملازم ہی ہوتا ہے۔ ماں، بچوں کے لیے باپ، بیوی، بچوں کے لیے..... بیوی، شوہر کے لیے..... ملازمت اچھی نہ کی جائے تو نوکر ڈانٹ ہی کھائے گا ناں اور نوکری سے بھی جائے گا۔ ایسا ہی ہے ناں.....“ نانی نے رسان سے سمجھایا۔

”بچوں والی عادتیں چھوڑ دو اب ذرا سنجیدہ ہو جاؤ کل کو تمہارے بچے بھی ہوں گے ان پر کیا تاثر چھوڑو گی۔“

”نانی.....!“ اس نے شرما کر نانی کی گود میں سر چھپا لیا تھا۔ نانی نے اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔ ادیبہ کی بیٹی تھی وہ۔ جانتی تھیں اس کی تربیت ستارے کی طرح

عقیدت کے سنہرے پھول

حلیمہ میں تیرے مقدروں پہ صدقے.....
تو مدنی کو جھولا جھلاتی بھی ہوگی
سوہنے مدنی کا مکھڑا نورانی نورانی
تو..... تکتی ہوگی چومتی بھی ہوگی
نہلا کے دھلا کے سرمہ لگا کے
ٹھوڑی ہلا کے ہنساتی بھی ہوگی
ہنستا ہوگا جب سوہنا مدنی
تو پھر اسے سینے پہ لٹاتی بھی ہوگی
انگلی پکڑ کر ویڑھے کے اندر
خدا کے سجن کو چلاتی بھی ہوگی
کبھی ساتھ نزاکت کے نخا مدنی
روٹھا ہوگا گلے سے لگا کر مناتی بھی ہوگی
دو جہانوں کی رحمت لوٹ کر
شکر رب کا مناتی تو ہوگی
زمانے کی گرم ہواؤں سے
نبوت کے پھول کو چھپاتی تو ہوگی
جب بہت پیار آتا ہوگا تو
گدگداتی بھی ہوگی سینے سے لگاتی بھی ہوگی
تکتی تو ہوگی
جب سوہنے پھول کی پیشانی چومتی تو ہوگی

عقیدت گزار: زرینہ خانم لغاری، مظفر گڑھ

چمکے گی۔ انہیں اسی تبدیلی کا انتظار تھا۔ وہ اسی امید کے ساتھ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”دیکھو بہو کو اگر بیٹی بنا کر لاتے ہیں تو ان کی خواہشات اور ارمانوں کا بھی خیال رکھتے ہیں، کولہو کا بیل بنانے کی کوشش کریں تو وہ رسیاں تڑوا کر بھاگ جاتی ہیں۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کو لے کر بھاگ گئی۔“

شام کو تسمیہ چائے دینے اماں کے کمرے میں آئی تھیں آج ان کی چائے لیٹ ہوگئی تھی وہ آئیں تو انہوں نے انہیں وہیں روک لیا۔

فیصلہ

حنا حورین

وہ کافی دیر سے فٹ پاتھ پر کھڑا تھا...... اِکا دُکا لوگ گزرتے اور اس کے ہاتھ میں رکھے کٹورے میں کچھ نہ کچھ ڈال دیتے۔ ٹریفک سگنل پر سرخ بتی جلی تو گاڑیوں کا بہتا سمندر ایک دم تھم گیا۔

وہ وہیل چیئر کو خود ہی جلدی، جلدی دھکیلتا مختلف گاڑیوں کے پاس جانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر سڑک کے دوسری جانب ایک ایسے چہرے پر پڑی کہ پھر وہ نگاہیں ہٹانا بھول گیا۔

''اماں ذمے داریاں ڈالی ہی کب ہیں میں نے۔ اور ڈال بھی دوں تو اٹھانا کس نے ہے؟ بہویں، بیٹیاں کب بنتی ہیں اماں...... رشتے تو احساس کے ہوتے ہیں۔ جب احساس ہی نہیں ہو تو پھر رشتے کیسے......؟'' تسمیہ کو بھی لاکھوں گلے تھے۔

''تھوڑا دل بڑا کر لو تسمیہ...... تم بہو تو اچھی رہی ہو ساس بھی اچھی بن جاؤ...... بیوی کا اپنے شوہر پر کچھ حق ہوتا ہے۔ وہ شوہر پر اپنی مرضی چلا سکتی ہے۔ اپنی پسند ناپسند اس پر لاگو کر سکتی ہے۔ تبھی تو رشتے میں خوب صورت پیدا ہوتی ہے ایک دوسرے سے تعلق میں مضبوطی آتی ہے۔ ایک دوسرے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ ساری زندگی ماں کے ساتھ اس کی من مانی کے ساتھ زندگی گزاری۔ اب بیوی کو بھی اپنی کرنے دو......''

اماں کی بات تسمیہ کو شرمندہ کر گئی۔ وہ رہبر کو واقعی اپنی پراپرٹی سمجھ بیٹھی تھیں۔

''لیکن اماں کچھ رنگ ڈھنگ بھی تو ٹھیک ہونے چاہئیں ناں...... یہ کیا بات ہوئی کہ سارا دن کمرے میں موبائل پکڑ کر بیٹھے رہو...... کیا ساس کو اس عمر میں بھی سکون نصیب نہیں ہوگا۔ ادیبہ کی تربیت پر مجھے کوئی شک نہیں، یہ تو اس کی بیٹی کے اپنے انداز و اطوار ہیں۔'' تسمیہ نے ادیبہ کا اب بھی فیور ہی کیا تھا۔ وہ تھی ہی قابلِ ستائش...... اس سے زیادہ سننے کا ہما میں حوصلہ نہیں تھا۔ لیکن خود کو بدلنے کا حوصلہ اس کے اندر آ گیا تھا۔ اسے اپنی ماں کی طرح بننا تھا اس کا عملی مظاہرہ اس نے شروع کر دیا تھا۔ جب صبح، صبح کچن سے خوشبوئیں اٹھنا شروع ہوئیں تو تسمیہ حیرت سے کچن کے دروازے تک پہنچیں تو اُدھر ہی جامد ہو گئیں۔ ہما جس طرح تیزی سے موبائل پر انگلیاں پھیرتی تھی اسی رفتار سے وہ ناشتا بنا رہی تھی۔ چائے دم پر چڑھا کر جونہی وہ مڑی تو دروازے میں مامی (ساس) کو کھڑے پایا۔

''ارے ممانی جان اِدھر کیوں کھڑی ہیں کوئی کام ہے تو مجھے بتائیں۔'' تسمیہ کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے وہ انتہائی نرمی اور محبت سے بولی تو تسمیہ کو لگا کہ ادیبہ آ گئی ہے ان کے گھر میں...... وہ نہال ہی تو ہو گئیں۔

''ارے نہیں بیٹا مجھے تو خوشبو کھینچ لائی، میں بھی تو دیکھوں کیا کیا بنا رہی ہے میری بیٹی......'' اب خوش ہونے کی باری ہما کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ اس نے محبت دی تو محبت ہی ملی تھی اسے۔

''میں برتن لگا لوں......'' کھانے کی ٹیبل پر ہاٹ پاٹ لگا کر ہما بولی تو تسمیہ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھا دیا۔

''نہیں برتن غنویٰ اور ثمن لگائیں گی۔'' تسمیہ بولیں۔

''جی بھابی، آپ کافی دیر سے کچن میں کام کر رہی ہیں اب ہماری باری ہے۔'' ثمن نے کہا اور غنویٰ کو اشارہ کرتی کچن کی طرف چل دی۔ رہبر اس کا یاپلٹ پر حیران تھا اور مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا گھر ڈسٹرب ہو چلا تھا۔ آج وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ چہرے سے مخلصانہ اور پُرمسرت مسکراہٹ چھلک رہی تھی۔ سب یک دم سے جیسے کسی ڈور سے جڑ گئے تھے۔ اماں اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں جو نظروں ہی نظروں میں ان کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ جبکہ وہ دل ہی دل میں اس خاندان کی دائمی خوشیوں کی دعا مانگ رہی تھیں۔ اور ادیبہ کو بھی اس کی کاوش کا نتیجہ بتا دیا تھا۔ ساتھ یہ بھی کہ وہ نانی بننے والی تھی۔ شام میں وہ مٹھائی کے ٹوکروں کے ساتھ آئی تھی۔ ہما کو ڈھیروں پیار کیا تھا اور پھر معذرت بھی۔

''نہیں امی! آپ کے اس رویے سے دلبرداشتہ نہ ہوتی تو...... کبھی نہ سدھر پاتی۔ آپ کی ناراضی کی بھٹی سے گزر کر ہی تو سونا بنی ہوں، خالص سونا...... آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔'' ہما ماں کے گلے لگ کر رو دی تھی۔

جبکہ باہر تسمیہ اور اماں رہبر کے ساتھ مل کر ہما کی گود بھرائی کی رسم کا پلان بنا رہی تھیں۔ گھر بھر میں رونق ہی رونق تھی جیسے عید کا سماں اور اب تو ہر دن عید ہی کی طرح ہوتا تھا۔

❁❁❁

وہ وہیں رک گیا۔

***

نذیر احمد اپنے والدین رحمتاں بی بی اور بشیر احمد کی شادی کے بیس سال بعد پیدا ہوا تھا مگر بدقسمتی سے دنیا میں آنکھ کھولتے ہی یتیمی نے بڑی بے رحمی سے اسے گلے لگا لیا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے اپنی ماں کو غربت کی چکی میں پستے دیکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماں اس سے بے تحاشا محبت کرتی ہے۔ اسی لیے وہ اس کے لیے دن رات محنت کرتی ہے تاکہ اس کے بیٹے کو بھوکا نہ سونا پڑے۔ وہ لوگوں کے گھروں میں کام کرتی اور اپنے بچے کی ضروریات پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتی۔ لیکن نذیر احمد نے ضروریات کے ساتھ، ساتھ خواہشات بھی پال لی تھیں۔ جن کا اس قلیل آمدن کے ساتھ اتنی مہنگائی کے دور میں پورا ہونا تقریباً ناممکن ہی تھا۔

وہ کچھ سمجھدار ہوا تو رحمتاں بی بی نے اسے تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکول بھیجنا چاہا۔ مگر وہ کسی طرح نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑ گیا۔ آخر تھک ہار کر ماں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

وہ شروع سے ہی اپنی اکلوتی اولاد کی ہر ضد پوری کرتی آئی تھی۔ اس کی خوشی کے آگے وہ اپنا آپ ہار بھی جاتی تو اسے کوئی ملال نہ ہوتا۔ شاید ہر ماں ایسی ہی ہوتی ہے لیکن وہ تو نذیر احمد کی ماں اور باپ دونوں تھی۔ باوجود ہر کوشش کے نذیر کو چھوٹی عمر میں ہی احساسِ محرومی نے بری طرح گھیر رکھا تھا۔

وہ جھونپڑی میں رہ کر محل کے خواب دیکھتا۔ ماں کے ساتھ گھسے ہوئے جوتوں کے ساتھ کئی، کئی میل پیدل چلتے ہوئے ایک شاندار گاڑی بھی اس کے خوابوں میں شامل ہوتی مگر وہ کوئی کام کرنے کی حامی نہ بھرتا۔

اس کچی آبادی میں جہاں وہ رہا کرتے تھے کسی کے بھی حالات اگر بہت اچھے نہیں تھے تو اُن کی طرح اتنے بُرے بھی نہیں تھے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہاں بچے، بڑے، عورت، مرد سب محنت مزدوری کرتے تھے۔ پڑوسی ہوں یا اپنے محلے، وہاں کے ٹوٹے پھوٹے گھروں، گندے نالوں اور اپنی طرح کے بدتر حالت میں رہنے والے وہاں کے لوگوں سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔

وہ ہمیشہ خدا سے شکوہ کرتا۔ ”اگر دنیا میں بھیجا ہی تھا تو امیر بنا کے بھیجتا یوں لقمے، لقمے کے لیے محتاج بنا کے تو کیا فائدہ ایسی زندگی کا؟“

اور جن گھروں میں اماں برتن دھونے جایا کرتی جب، جب وہ ان کی شاندار عمارتوں کو دیکھتا تو حسرت اور محرومی زور پکڑ لیتی۔

وہ اکثر سوچا کرتا تھا ”جو اللہ ان لوگوں میں اور ہم میں ساری دولت آدھی، آدھی تقسیم کر دیتا؟“

وہ گناہ اور ناشکری سے ناآشنا بس پیٹ کی بھوک کے بارے میں ہی سوچتا تھا۔ لیکن اس کی سوچیں جہاں سے شروع ہوتیں وہیں ختم بھی ہو جاتیں۔ نتیجتاً بجائے وہ محنت کرنے کے بری صحبت میں پڑتا گیا۔

اور ایک مزید پریشانی یہ بھی ہوگئی کہ رحمتاں اب نحیف اور کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے لیے اب کام کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ مگر کام کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

نذیر احمد بھی کئی، کئی دن گھر سے غائب رہتا۔ ماں پوچھتی تو ٹال مٹول کر دیتا۔ اسے بیٹے کے آوارہ ہونے کا بھی غم تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رحمتاں بی بی چارپائی سے لگ گئی۔

گھر میں کھانے کو دانے نہیں تھے تو دوا دارو کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ شام تک مانگ تانگ کہیں سے ایک وقت کی روکھی سوکھی روٹی لے آتا اور رات کٹ جاتی۔

ایک دن ایسے ہی وہ گلیوں میں آوارہ پھر رہا تھا کہ کہیں سے کچھ کھانے کو مل جائے تب اس کی نظر ایک نو، دس سالہ بچے پر پڑی جو ہر گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کے بھیک مانگتا اور آٹا، دال جو بھی ملتا اپنے تھیلے میں بھرتا جاتا۔ کچھ لوگ تو پیسے بھی دے رہے تھے۔

اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور شام کو جب اس نے اپنے دوستوں سے یہی بات کی تو انہوں نے کہا۔ ”تم تو سدا کے بھولے ہی رہے۔ آج کل مارکیٹ میں سب سے فائدہ مند یہ بھکاری طبقہ جا رہا ہے۔ ان کا بڑا کاروبار چل رہا ہے۔“

”تم یقیناً کبھی مین روڈ تک نہیں گئے۔ اگر گئے ہوتے تو تمہیں پتا چلتا کہ وہاں بھکاری ایک دن کا ہزاروں کماتے ہیں۔ میری اماں اور بہن جاتی ہیں اس لیے تو ہم باپ بیٹا عیش کر رہے ہیں۔“ ایک اور بولا۔

”تو تم کیوں نہیں جاتے؟“ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہا.....ہا..... پگلے یہ معاشرہ عورت کے لیے زیادہ ہمدردی رکھتا ہے۔“ وہ پھر سے ہنسا اور ہنستا چلا گیا۔

گھر آنے تک نذیر احمد فیصلہ کر چکا تھا۔

اس کی بوڑھی ماں چارپائی پر پڑی بری طرح کھانس رہی تھی اور اس کے ذہن میں دوست کی باتیں گونج رہی تھیں۔

”تم تیار رہنا ہم کل تمہاری دوا لینے جائیں گے۔“

اگلے دن اس نے میل سے بھرے ہوئے پھٹے پرانے کپڑے پہنے اماں کو کہیں سے لائی ہوئی وہیل چیئر پر بٹھایا اور اسے دھکیلتا ہوا مین چوک پر جا کے کھڑا ہو گیا۔

وہ واقعی حیران ہوا تھا وہاں اس جیسے میلے کچیلے کپڑوں والے، ٹوٹے ہاتھ پاؤں والے بہت سے بچے، جوان، عورتیں اور بوڑھے سب تھے۔

سگنل کے اشارے پر گاڑیاں رکتیں اور بھکاریوں کا جم غفیر اکٹھا ہو جاتا۔ بھوک بھوک کی صدائیں گونج اٹھتیں۔ اور جیسے ہی سبز بتی دوبارہ جلتی ان میں سے اکثر کونوں کھدروں میں چھپے سگریٹ پھونکتے یا نشہ کرتے نظر آتے۔

چند ہی دنوں میں وہ بھی جیسے وہاں کے ماحول میں رچ بس گیا تھا۔

رحمتاں اس سے سخت ناراض تھی مگر وہ مجبور و لاچار تھی۔ نذیر احمد نے روز ملنے والے نوٹوں کی بدولت کچا محلہ چھوڑا اور مین روڈ کے قریب ہی ایک چھوٹا سا گھر کرایے پر لے لیا۔ اس طرح آنے جانے میں آسانی رہنے لگی۔

محلہ چھوڑا تو اسے اپنے باقی خواب بھی یاد آنے لگے جو وہ وقتاً فوقتاً دیکھا کرتا تھا۔ مگر بھیک سے ملنے والے پیسے اتنے بھی نہ تھے کہ وہ انہیں پورا کر سکتا۔ بس اتنا تھا کہ اب تین وقت کی روٹی کے ساتھ کچھ دوسری ضرورتیں بھی پوری ہو رہی تھیں۔ وہ اب خوش ضرور تھا مگر مزید کی چاہ بھی کہیں اندر کنڈلی مارے بیٹھی تھی۔

اس دن بھی وہ معمول کے مطابق فٹ پاتھ پر کھڑا تھا۔ سگنل بند ہونے میں فقط چند سیکنڈ باقی تھے۔ جیسے ہی سرخ بتی جلی وہ فوراً بوڑھی ماں کی وہیل چیئر دھکیلتا ترتیب سے رکی ہوئی گاڑیوں کی طرف جانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر سڑک کے مخالف سمت پڑی اور وہ ساکت رہ گیا۔

وہ ایک پری چہرہ تھی۔ اتنی حسین کہ ایک بار جو نگاہ ڈالی تو دوبارہ نظریں جھکانا بھول گیا۔ وہ چاند ضرور تھی مگر گرہن لگا ہوا۔

اس نے دیکھا کہ وہ وہیل چیئر پر بیٹھی ہے جسے ایک پختہ عمر کے مرد نے سہارا دیا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں ٹانگوں سے معذور نظر آتی تھی۔

اس کے دیکھتے ہی دیکھتے لوگ دھڑا دھڑ اس کی جھولی ہرے لال نوٹوں سے بھرتے جا رہے تھے۔

نذیر احمد کس طرح گاڑیوں کے بیچ سے راستہ بناتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا وہ خود حیران تھا۔

اس لڑکی نے غیر ارادی طور پر اس کی طرف نگاہیں اٹھائیں تو نذیر احمد جیسے پتھر کا ہو گیا۔ اتنی بے بسی، اتنا درد تو اس نے آج تک کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھا تھا۔ جبکہ لڑکی کی کرسی دھکیلنے والا شخص بے تاثر چہرے کے ساتھ ہر گاڑی والے سے ایک ہی فریاد کر رہا تھا۔

”صاحب! میری بچی کی مدد کرو صاحب! میری

معصوم بچی بہت بیمار ہے۔ اس کے سارے جسم میں زہر پھیل جائے گا۔ صاحب! ایک دکھی باپ کی مدد کرو۔"

نذیر احمد کے لیے یہ سب بہت نیا تھا اسے رہ رہ کر اس لڑکی کا خیال آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب اس کی معصوم صورت کی وجہ سے تھا یا پھر اس کی معذور ٹانگیں اس کا سبب تھیں۔

وہ یہ راز جاننا چاہتا تھا۔ اور اگلے ہی دن وہ اس شخص کا پیچھا کرتے ہوئے اس کے ٹھکانے تک آ گیا۔

وہ ایک پرانی طرز کی عمارت تھی جس کے اندر وہ شخص اس لڑکی کو لے کر داخل ہوا تھا۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد جب واپس آیا تو نذیر نے اس سے بہانے سے لڑکی کی بیماری کے بارے میں پوچھنا چاہا۔ مگر وہ شخص اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔

"تم تو وہی ہو جو ایک بوڑھی عورت کے ساتھ فٹ پاتھ پر دھندا کرتے ہو۔" اس شخص کے تیور بگڑے ہوئے لگ رہے تھے۔ نذیر احمد واپس مڑنے لگا تو اس نے روک لیا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

اس نے نذیر کو گہری نظروں سے جانچتے ہوئے سوال کیا۔

"میں مدد کرنا چاہتا تھا؟" اس نے فوراً جھوٹ بولا۔

وہ شخص قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

"جتنا تم دیہاڑی کا کماتے ہو ناں اس سے زیادہ ہم گھنٹے بھر میں اکٹھا کر لیتے ہیں۔ مدد کی ضرورت تو تمہیں ہے سوہنے لوکو!" وہ ہنسا۔

"شکل سے بھولے لگتے ہو اس لیے ایک گر کی بات بتا رہا ہوں۔" وہ شخص شاید بولنے کا زیادہ ہی شوقین تھا یا پھر کچھ اور تھا جسے نذیر احمد سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے نذیر کا کندھا پکڑا اور کہنے لگا۔

"دیکھ لڑکے! جس کے سہارے بھیک مانگنی ہے اس کا لنگڑا، لولا، اندھا، کانا ہونا بہت ضروری ہے۔ جبھی تو دھندا دلوں میں چلے گا اور وارے نیارے ہو جائیں گے۔ باؤ! ان امیروں کو جتنا ہو سکے ہمدردی کی مار مارو پھر ہی یہ اپنی جیب خالی کریں گے۔ اور اگر صورت بھی حسین ہو تو پیسہ بارش کی طرح برستا ہے۔ تیری طرف تو بڑھاپا ہے مگر اب بھی بہت کچھ ہے بڑا کر سکتا ہے۔ میری مان تو آج ہی یہ کام کر دے اور پھر ساری عمر ہمیں دعا دے گا۔ بھئی ہم تو سب کا بھلا ہی سوچتے ہیں جبھی تو اوپر والا نوازتا جا رہا ہے۔" اس نے بے رخی سے کہتے ہوئے نذیر کا کندھا چھوڑا اور ایک تنگ گلی میں داخل ہو گیا۔

وہ دبے لفظوں میں کیا کہہ گیا تھا نذیر احمد اچھے سے سمجھ رہا تھا۔ مگر اس کا رواں، رواں لرز اٹھا۔

"ایک باپ اپنی بیٹی کے ساتھ اس طرح کیسے کر سکتا ہے وہ بھی فقط چند پیسوں کی خاطر!"

نذیر احمد بے حس ضرور ہو چکا تھا مگر کیا اس حد تک کہ...... وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

گھر جا کے وہ معمول کے مطابق ماں کی ٹانگوں کی مالش کرنے لگا تو اس شخص کی باتوں کی بازگشت اس کے ذہن میں گونجتی رہی۔ وہ لاکھ سر جھٹکتا مگر وہ باتیں تو جیسے اس کے ذہن پر حاوی ہو چکی تھیں۔ اس کے دماغ میں جنگ برپا تھی جو اسے کسی صورت سکون نہ لینے دیتی۔ بالآخر کئی دن کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد وہ ایک نتیجے پر پہنچ ہی گیا۔

وہ جیتا یا ہارا اس کا فیصلہ اس نے مقدر پر چھوڑ دیا اور اپنے تئیں جو تھا اس پر ہی قناعت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس دن وہ اماں کو گھر چھوڑ کے خود رات دیر سے آنے کا کہہ کر باہر دوستوں میں چلا گیا۔ آدھی رات کے بعد جب وہ گھر واپس لوٹ رہا تھا تو مین روڈ سے اپنی گلی کا موڑ مڑتے ہی وہ کسی وجود سے ٹکرایا۔

وہ شاید کوئی عورت تھی! سر سے پاؤں تک سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی وہ اندھا دھند بھاگ رہی تھی جب اس سے ٹکرائی۔

وہ ایک لمحے کے لیے پریشان ہو گیا کہ اکیلی لڑکی اس اندھیرے میں سڑک پر کیا کر رہی ہے۔ لڑکی ہار، ہوش و حواس باختہ لگ رہی تھی۔

وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی وہ حواس باختہ لگ رہی تھی۔ "پلیز تم...... مجھے جانے دو تمہیں خدا کا واسطہ! وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے پلیز...... پلیز میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

وہ بھاگنے ہی لگی تھی کہ گلی میں پڑے کسی پتھر سے زور سے ٹکرائی۔ نذیر نے اسے فوری سہارا دیا ورنہ وہ بری طرح گرتی۔ لیکن اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس کی چادر چہرے سے سرک چکی تھی۔ وہ منہ کھولے اس لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا جو اب دوبارہ اپنے چہرے کو لپیٹ رہی تھی۔

اسے اپنی آنکھوں پر بالکل یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ لڑکی یہاں کیسے آ سکتی ہے صد حیرت کہ وہ بھی خود اپنے پاؤں پر چل کر۔

وہ حیرت کا بت بنا جانے کتنی دیر کھڑا رہتا اگر وہ لڑکی اسے جھنجوڑ کر ہوش میں نہ لاتی۔ وہ بھی شاید اسے پہچان چکی تھی۔

اب وہ اس کی منت سماجت کرنے لگی کہ کم از کم آج کی رات وہ اسے پناہ دے دے۔ وہ لوگ اسے ڈھونڈتے ہوئے اِدھر ہی آ رہے ہوں گے۔ وہ بھاگ تو آئی ہے مگر اس کے پاس کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

"خدارا مجھے ان درندوں سے بچا لو۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔" وہ رونے لگی گڑگڑانے لگی۔

نذیر کو کچھ ہوش آیا تو معاملے کی نزاکت سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ بہت کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا مگر شاید وقت مناسب نہ تھا۔ وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے اس لڑکی کو اپنے گھر لے آیا۔

رحمتاں صحن میں کھلے آسمان تلے پڑی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھی۔ لڑکی ڈری سہمی سی ایک کونے میں لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا پورا وجود ہولے، ہولے لرز رہا تھا۔ رحمتاں نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ وہ اس کی چارپائی پر سٹ کر بیٹھ گئی۔ نذیر پانی کا گلاس لے کر آیا۔

لڑکی کی نظر بار، بار دروازے کی طرف جاتی۔

"یہاں کوئی نہیں آنے گا آپ یہاں بالکل محفوظ ہیں۔" نذیر نے اسے تسلی دی۔

پھر وہ دیوار کے ساتھ لگی چارپائی اٹھا کر لایا اور اماں کی چارپائی کے پاس بچھا دی۔ ان کے گھر میں یہ دو ہی چارپائیاں تھیں۔

"آپ اب آرام کریں، ہم صبح بات کریں گے۔" نذیر نے لڑکی سے کہا اور وہ خود ماں کو بتا کر باہر چلا گیا۔

لڑکی چارپائی پر لیٹی آسمان کو تکتی رہی ایسے جیسے اپنی منزل کا ستارہ ڈھونڈ رہی ہو۔ کہاں سے چلی تھی اور کہاں آ پہنچی تھی مگر منزل جانے اب بھی کتنی دور تھی۔

"پتر تو کہاں سے آئی ہے اور تجھے جانا کہاں ہے؟"

اندھیرے میں رحمتاں کی سرگوشی سی سنائی دی۔

"پتا نہیں اماں! ایک بار گھر کی دہلیز کو ٹھوکر مارنے کی غلطی کی تھی اور تب سے اب تک ان گنت ٹھوکریں کھا چکی ہوں مگر راستہ سجھائی نہیں دیتا۔"

"کیا مطلب بیٹا؟"

لڑکی اپنی چارپائی سے اٹھی اور رحمتاں کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"میں نے جب سے ہوش سنبھالا ماں باپ کو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتا دیکھا۔ وہ چار بچوں کے والدین تھے مگر انہیں پروا ایک کی بھی نہ تھی۔ امی پڑھی لکھی اور خوب صورت تھیں جبکہ ابو ان کے بالکل برعکس تھے۔ نانا نے ابو کی زمین جائداد دیکھ کر انہیں اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا تھا۔ دوسروں لفظوں میں اپنی بیٹی اور اس کی آئندہ آنے والی نسل کو رول دیا تھا۔ ہمارے گھر میں صبح شام لڑائیاں ملنے چلتے۔ اسکول جاتی تو وہاں جب دوسرے بچے اپنے والدین کی پیار بھری باتیں بتاتے تو میں مزید احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی۔ میری کوئی بہن بھی نہیں تھی۔ تین بھائیوں کی میں اکلوتی بہن تھی۔ وقت یوں ہی رینگ، رینگ کر گزرتا رہا۔ اور امی ابو کی لڑائیاں بھی چلتی رہیں۔ اس سب میں، میں بالکل تنہا رہ گئی۔" وہ لمحے بھر کو رکی۔

"جب میں گیارہویں کلاس میں آئی تو میرے

کالج آنے جانے کے لیے وین لگوادی گئی۔ کالج کی تو
دنیا ہی الگ تھی۔ وہاں ہر طرح کے لوگ تھے۔ اچھے،
برے، شوخ چنچل اور کچھ میری طرح کے گھٹے ہوئے
سنجیدہ اور آدم بیزار بھی۔ میری دو لڑکیوں سے اچھی
علیک سلیک بھی ہوگئی تھی۔ اور ہم ایک ہی وین میں
آتے جاتے تھے۔ جتنا وقت کالج میں گزرتا وہ اچھا ہوتا
مگر گھر آکر پھر وہی لڑائی جھگڑے چیخ و پکار۔'' وہ
مسلسل بول رہی تھی۔

''ان دنوں میری دوستیں مجھے چھیڑتیں کہ وین کا
ڈرائیور جو کہ بہت خوب صورت لڑکا تھا تمہیں روز خاص
نظر سے دیکھتا ہے۔ میں نے ان کی بات سنی ان سنی
کردی۔ حالانکہ مجھے بھی محسوس ہوتا تھا کہ وہ مجھے باقی
لڑکیوں کی نسبت زیادہ توجہ دیتا ہے۔ اس بات کو کچھ
دن ہی گزرے ہوں گے کہ ایک دن میری دوستوں
نے کالج سے چھٹی کرلی۔ وین میں میرے ساتھ اسکول
کے تین، چار بچے تھے۔ وہ انہیں اسکول چھوڑنے کے بعد
مجھے کالج چھوڑنے آیا۔ جب میں وین سے اتر کر گیٹ
کی طرف جانے لگی تو اس نے کہا۔'' وہ ذرا رکی۔

''سنو! تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو! کیا تم مجھ سے
دوستی کروگی؟'' وہ کچھ دیر میرے چہرے کو دیکھتا رہا۔
اور پھر چلا گیا۔ جبکہ مجھ سے اپنا دل سنبھالے نہیں سنبھل رہا
تھا۔ واپسی پر بھی میں اکیلی ہی تھی اس نے دوبارہ مجھ
سے وہی بات کی۔ اور یہ بھی کہا کہ اسے مجھ سے پہلی نظر
کی محبت ہوگئی ہے۔ وہ جب تک مجھے دیکھ نہ لے اسے
چین نہیں ملتا۔ اب میں ہی اس کی آنکھوں کی روشنی اور
دل کا سکون ہوں اور جانے کیا کیا۔'' وہ رکی۔

''میں بغیر اس کے بارے میں کچھ بھی جانے اس
کی چکنی چپڑی باتوں میں آتی چلی گئی۔ جو بھی تھا اس کی
باتوں میں اس کی شخصیت میں ایسا جادو تھا کہ میں
سارے غم بھولنے لگی۔ امی، ابو کی لڑائی سے بھی مجھے
کوئی فرق نہ پڑتا۔'' اس نے ذرا توقف کیا۔

''میری ایک الگ دنیا بن گئی تھی جس میں، میں
تھی اور اسلم تھا۔'' وہ بتا رہی تھی۔

اکثر کالج کے بعد سب کو چھوڑ کر وہ مجھے کھانا
کہیں کسی نہ کسی ریستوران میں لے جاتا۔ اس کے
سنگ گزارے گئے میں اپنے ہر پل پر ناز کرتی۔ میں تو
اس کے لیے جان بھی دے دیتی اپنا وڑبے نا گھر
چھوڑنا کیا معنی رکھتا تھا۔'' وہ بتا رہی تھی۔

''اسلم نے کہا کہ میں اکیلا ہوں محنت مزدوری
کرتا ہوں تمہارا باپ کبھی تمہاری شادی میرے ساتھ
نہیں کرے گا۔ اور میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ پاؤں
گا۔ اور ایک دن اس کے مشورے اور اس کی محبت
میں، میں اپنی دہلیز پار کر آئی۔ لیکن آگے دلدل پیچھے
کھائی کے مصداق درمیان میں ہی کہیں لٹک کر رہ گئی۔
اسلم نے مجھ سے میرا زیور اور رقم ہتھیالی جو میں اپنے
ساتھ لائی تھی اور مجھے ان لوگوں کے حوالے کردیا جن
کے ساتھ اس نے میرا سودا طے کیا ہوا تھا۔ میں لاکھ
چیخی، چلائی مگر اب تک بہت دیر ہوچکی تھی۔ میرے
آنسو میری فریاد میرے کسی کام نہ آئی۔ جن کے ساتھ
میرا سودا طے ہوا وہ ایک ایسا گینگ تھا جو خوب صورت
اور جوان لڑکیوں سے بھیک منگواتا تھا۔ ان کو لنگڑا لولا
اور معذور بنا کے لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا جاتا۔ مگر جو
لڑکی بھاگنے کی کوشش کرتی یا بھیک مانگنے سے انکار کر
دیتی وہ اسے حقیقت میں جسمانی اعضا کاٹ کر تکلیف
دیتے ہیں۔ آج تک جو بھی بھاگیں ان کا انجام برا ہی
ہوا۔ یہ لوگ بہت ظالم ہیں دن بھر لڑکیوں سے بھیک
منگواتے ہیں اور رات بھر ان سے دھندا کرواتے
ہیں۔ میں نے کئی بار بھاگنے کی کوشش کی مگر فرار کا کوئی
راستہ نہیں ملا۔ آج رات بڑی محفل تھی کچھ سیٹھ لوگوں
نے آنا تھا میری بولی لگانے۔ پسند آگئی تھی نا
میں!'' اس کے لہجے کا کرب ناقابلِ بیان تھا۔

وہ لمحے بھر کو رکی سیاہ چادر سے آنکھوں کے موتی
چنے اور پھر کہنے لگی۔

''مگر میں وہاں سے بھاگ آئی۔ اس یقین پر کہ
اللہ کی زمین بہت بڑی ہے وہ چاہے گا تو مجھے کہیں نہ

کہیں پناہ مل ہی جائے گی۔'' وہ بار، بار اپنی آنکھیں
رگڑ رہی تھی رجحاں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور
تھپتھپانے لگی۔

تبھی اس کی نظر دروازے کے پاس کھڑے
خاموش نظروں سے دیکھتے نذیر پر پڑی۔ جانے وہ
کب سے وہاں کھڑا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھی۔
وہ سست روی سے چلتا ان کے پاس آیا اور نم
آنکھوں سے اماں کی طرف دیکھنے لگا۔

''اماں! مجھے معاف کردے۔ میں نے بھی تو
تیری بے بسی کا فائدہ اٹھایا، ساری عمر تیری محنت کی کمائی
کھائی اور جب خود کمانے لائق ہوا تو تجھے یوں زمانے
بھر میں رسوا کیا۔ اماں مجھے معاف کردے۔ اماں اپنے
کلے نذیر کو معاف کردے۔'' وہ اماں کے گھٹنے سے لگا
زار و قطار رو رہا تھا۔

''بہت بڑا پاپ کیا ہے میں نے۔ ہائے میں تو
حیوان ہی بن گیا تھا۔ اماں ہم مرد ہمیشہ عورت سے ہی
فائدہ کیوں اٹھاتے ہیں پھر چاہے وہ اپنی ہو یا غیر؟''
رجحاں اسے حوصلہ دے رہی تھی وہ تو جیسے ٹوٹ
کے ایسا بکھرا تھا کہ سنبھلنے میں ہی نہیں آرہا تھا۔

''پتر! میرے سوہنے لعل! تو بھٹک گیا تھا مگر اب
تو سیدھے رستے پر آگیا ہے تو ماں کون ہوتی تجھ سے
ناراض ہونے والی؟ اور رب تو ماں سے کئی گنا زیادہ
محبت کرتا ہے اپنے بندے سے چل بس اب حوصلہ
کر۔'' وہ آنسو صاف کرتا ہوا لڑکی کی جانب مڑا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''جی میرا نام نورین ہے۔''

''سنیں! اب آپ اکیلی نہیں ہیں، میں اور اماں
آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کی ہر طرح سے مدد کریں
گے۔ ہم ان ظالموں سے ضرور حساب لیں گے!''

''اگر آپ واقعی میرے ساتھ مخلص ہیں تو میں
ایک ایسی بات جانتی ہوں جو اُن لوگوں سے بدلہ لینے
میں ہماری مدد کرے گی۔'' نورین نے کہا۔

''کیسی بات؟'' نذیر نے حیرانی سے پوچھا۔

''مجھے ان لوگوں کی باتوں سے پتا چلا تھا کہ شہر
میں کوئی نیا ایس ایچ او آیا ہے جو دھڑا دھڑ اس طرح
کے گینگ کو بے نقاب کرکے شہر سے ان کا مکمل صفایا کر
رہا ہے۔ اس لیے وہ لوگ تھوڑے سے محتاط ہو رہے
تھے۔ کل ہی اس طرح کے کسی دوسرے گروہ پر چھاپا
مار کے بہت سی لڑکیاں اور چھوٹے معصوم بچے بازیاب
کروائے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ ہمیں اِدھر اُدھر بیچ
کے خود فرار ہونا چاہتے ہیں۔''

نورین کی بات سن کر نذیر کی آنکھوں میں یک دم
چمک آئی۔ اس نے ایک فیصلہ کیا اور بے تابی سے صبح کا
انتظار کرنے لگا۔

صبح وہ نورین کو چھپ چھپا تا لے کر تھانے جا پہنچا۔
نئے ایس ایچ او کے آنے کا تھانے کے ماحول
پر واضح اثر نظر آرہا تھا۔ نذیر اور نورین کی بات دھیان
سے سنی گئی۔ رپورٹ درج کرنے کے بعد تھانیدار نے
کہا کہ اگر وہ ان کالی بھیڑوں کو بے نقاب کرنے میں
کامیاب ہوگئے تو اس شہر کو صاف کرنے میں ان کا بھی
پورا ہاتھ ہوگا۔

تین دن بعد جب نورین اماں کے سر میں تیل لگا
رہی تھی تو نذیر ہانپتا ہوا آیا۔

''نورین ٹیلی ویژن پر خبر آرہی ہے کہ اس
لڑکیوں سے بھیک منگوانے اور دھندا کروانے والے
گینگ کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق وہ
علاقہ چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے جب پولیس نے چھاپا
مارا۔'' اس نے ایک گہری سانس بھر کے پہلے آسمان کی
طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے نورین کی طرف
دیکھنے لگا۔
نورین بھی تشکری اسی کو تکے جا رہی تھی۔

''اچھا اماں! میں فیکٹری جا رہا ہوں کل سے ہی
کام لگا ہے۔ ان شاء اللہ اب پوری محنت کروں گا۔''
یہ کہتے ہوئے وہ ماں کی دعاؤں کے حصار میں دہلیز
پار کر گیا۔

❁❁❁

مکمل ناول

ابنِ مریم

عالیہ حرا
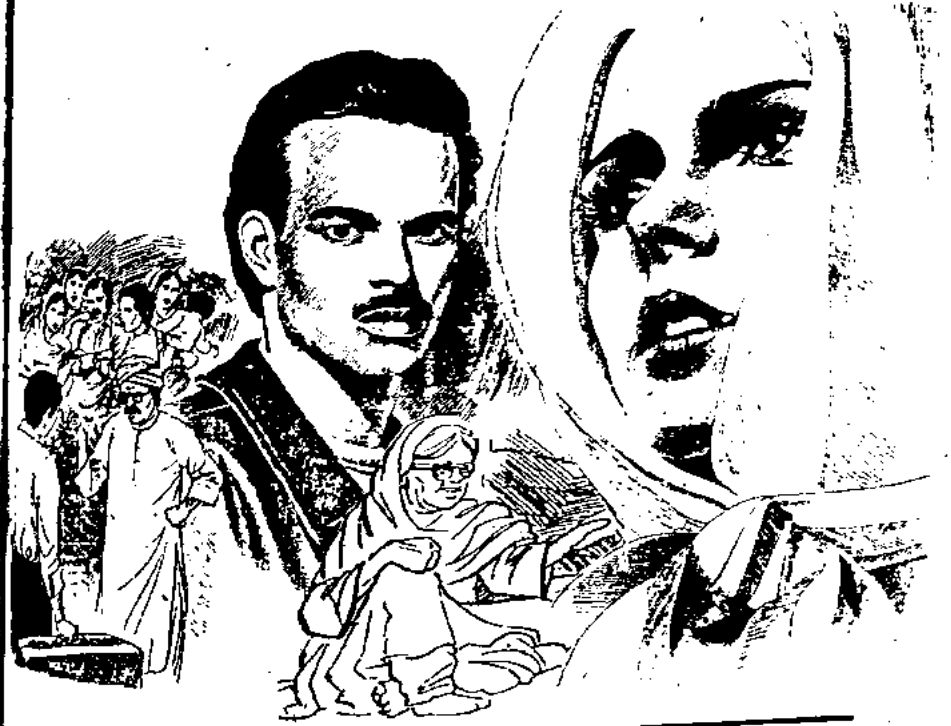
دھیرے، دھیرے وہ چرچ سے نکلی..... آس پاس دیکھا۔ سبز گھاس کا ہموار قالین ہر سو پھیلا تھا کناروں پر نوک پلک سنوارے گل داؤدی اور ڈم ڈم کی ہموار باڑیں، کناروں پر فاصلے سے کھڑے سفیدے کے درخت، طویل محرابیں، آتے جاتے لوگ، گلے میں اسکارف، مہذب انداز میں چلتے ہوئے نوجوان..... اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''عبادت گزار لوگ......''

بے دلی سے طویل گیٹ کراس کیا۔ اسکارف درست کیا۔ کندھے پر بیگ تھا، ہاتھ میں فائل تھی۔ آج اتوار کا دن تھا۔ چرچ میں ہفتے وار عبادت چل رہی تھی۔ اس کا دل بے قرار ہو رہا تھا۔

مگر اسے مطلق پروا نہیں ہوتی۔ ان میں سے ایک کینڈی
بھی تھا جو اس کے راستوں میں اکثر آتا، اسے مخاطب
کرتا، اکثر اسے پھول بھی دیتا تھا مگر الزبتھ نوٹس نہیں
کرتی تھی۔ کتنی دفعہ وہ محبت کا اظہار بھی کر چکا تھا۔
''محبت......'' سنگی بینچ پر بیٹھ کر وہ گہری سانس
لینے لگی۔ اسے کسی سے محبت نہیں ہوئی تھی۔
''محبت کیا ہوتی ہے......؟'' الزبتھ نے سر اٹھایا۔
سفید برف کے ننھے، ننھے ذرّے بارش کے
قطروں کی طرح گرتے تھے، سبزے نے سفیدے کا
لبادہ اوڑھ لیا تھا۔
اسنو فال ختم ہو جاتی...... سفید لباس اتر جاتا، نم
آلود سبز لبادہ ہلکا، ہلکا بھیگا سا نمایاں ہوتا، جسے تیز
دھوپ سکھاتی۔ کینڈی کا اس سے اظہارِ محبت ایسا ہی
تھا، اس کے دیے پھول محبت ہیں جنہیں وہ اس کے
سامنے پھینک دیتی، وہ اسے دیکھتا رہتا، ملتجی، نگاہوں
آس بھری نظروں سے...... اسے بالکل پروا نہیں تھی۔
محبت...... اس کی سمجھ سے باہر تھی۔
وہ یونیورسٹی کے لڑکے، لڑکیاں جنہیں وہ ریسٹورنٹ
میں دیکھتی، ساتھ چلتے دیکھتی فوڈ شیئر کرتے دیکھتی یا پھر کسی
درخت کے نیچے، بار میں، کیفے میں ایک دوسرے کے
بہت قریب دیکھتی...... یہ محبت تھی یا دوستی...... یا وقت
گزاری...... فرق کہاں تھا۔
محبت کیا ہوتی ہے؟ اسے ڈھونڈتا اسے محسوس
کرتا۔ محبت اور حاملِ محبت کے ساتھ وقت گزارتا تھا،
اسے دیکھتا تھا۔ کینڈی اداس نظروں سے اسے دیکھتا
گزر جاتا۔ کینڈی کو پڑھنے کا شوق نہیں تھا، وہ ایک
ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں کام کرتا تھا، رات ایک بار میں
گزارتا، وہ اچھی شکل صورت اچھے قد کاٹھ کا تھا، کیا
محبت اچھی شکل صورت سے ہوتی ہے۔ ایک ہندو لڑکا،
دیو اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسے اس سے گھن
آتی تھی۔ وہ ہمہ وقت بیئر کی بوتل کے ساتھ رہتا۔
روزی...... اس کی بے کلی ان چیزوں سے......
بے دلی اور ان سب سے دوری پر اسے ا-ینجل کہتی تھی۔
اور وہ ہنستی تھی۔

''تم چرچ میں رہنا اور نن بن جانا تمہاری ساری
خواہشات پوری ہو جائیں گی۔'' اس نے کہا تو جب
ڈنمارک سے آئے ہوئے ایک اسٹوڈنٹ کی اس نے
سفارش کی تھی۔
''وہ تمہیں بہت لائک کرتا ہے۔''
''تھینکس......'' مسکرا کر کہا اور روزی نے بچے
کے لیے اس کا اسٹائل ہی کافی تھی۔
''اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا......'' جواب میں وہ
بس اپنی فائل پڑھتی رہی تھی۔ کتنی دیر تک وہ اسنو
انجوائے کرتی رہی اور پھر گھر آ گئی۔
اسے اسامہ کے ساتھ یہ موسم انجوائے کرنا اچھا
لگتا، کافی پیتے، خوب باتیں کرتے۔
اس کا سمسٹر ختم ہو گیا۔ یونیورسٹی میں آخری دن
خاص طور پر اسامہ سے ملی وہ جانے کہاں تھا۔
موسم خاصا خوب صورت تھا سرما کے اوائل دنوں
کی برفباری تھی۔ ایگزام ختم تھے، دو دن بعد چھٹیاں
شروع ہو جاتی تھیں۔ سب ایک دوسرے سے مل رہے
تھے، کیمپس میں ایک رونق تھی، لڑکے، لڑکیاں
اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے، انتہائی قریب، بہت
دور...... ہنستے ہوئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے...... ایک
دوسرے کی کمر پکڑے، شانے سے شانہ جوڑے
...... لائبریری کے باہر لان میں چیری کے درخت کے
پاس وہ سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ اسامہ یہاں سے ضرور
گزرتا تھا۔ اسے دیکھ لیتا۔
پھر وہ اس سے مل کر پوچھتی...... کہ ''کیا پروگرام ہے۔''
''اے الزبتھ......'' اور وہ آ گیا تھا۔ ایک بیگ
اس کے شانے پر لٹکا تھا۔ اس نے مفلر سے خود کو لپیٹا
ہوا تھا گلوز، رین کوٹ اور لانگ شوز......
وہ مسکرا دی، اسامہ کو برفباری اور ٹھنڈ اچھی نہیں
لگتی تھی۔
''ہیلو......'' وہ مسکرائی۔
''میں تمہیں ہی دیکھتا ہوا آ رہا تھا۔ تمہارا
پاسپورٹ تیار ہے ناں......''
''ہوں......'' اس نے سر ہلایا۔ وہ اس سے ذرا

ہلے پر بیٹھا۔
''چلو میں ابھی جا رہا تھا، ہمیں جلدی جانا ہے،
دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس کا انداز پُر تفکر تھا۔
''اوکے......'' اس نے اپنے بیگ سے نکال کر
پلاسٹک شاپر میں لپٹا پاسپورٹ اس کی جانب بڑھا دیا۔
''اس میں ہی ٹکٹ کے پیسے ہیں۔''
''اوکے......'' اس نے شاپر اپنے بیگ میں ڈال لیا۔
''اسامہ...... مجھے شاپنگ کرنی ہے وہاں کا موسم
کیسا ہو گا آج کل؟''
''موسم...... ہاں اچھا موسم ہو گا ایسا ہی......
سردیوں کی آمد ہے مگر وہاں کی سردی تم پر اثر انداز نہیں
ہوگی...... اپنا لانگ کوٹ اور جیکٹ رکھ لینا۔ اسکارف
سارے رکھنا اور لانگ شرٹس رکھنا جینز کے ساتھ۔''
سرسری سے انداز میں کہا۔
''اسامہ میری ڈریسنگ اور پاکستانی لباس......''
شش و پنج و تذبذب بھرے انداز میں اسے دیکھا۔
''الزبتھ اگر تمہیں کسی مال سے پاکستانی ڈریسز
ملتے ہیں تو دو چار لے لینا...... ورنہ دادی تو تمہیں
پاکستانی بنا ہی دیں گی۔'' وہ ہنسا۔
ویزے کے مراحل طے ہو گئے تھے۔ الزبتھ نے باہر
نکلتے، نکلتے اسامہ کو بتایا کہ وہ اسے اب مریم ہی پکارے پھر
اس کے استفسار پر اس نے تفصیل بھی بتا دی تھی۔
''اوکے......!'' اسامہ نے مسکرا کر کہا تھا۔
مریم نے پاکستانی ڈریسز بھی لے لیے تھے اس
کی تیاری مکمل تھی۔ اگلے دو دن وہ موسم انجوائے کرتی
رہی۔ باہر ڈرائیو وے پر ڈیوڈ کے ساتھ سائیکل چلاتی
رہی، کافی اور ڈرائی فروٹ سے شغل جاری رہا۔ دو دن
بعد اسامہ کی کال آ گئی۔
''سنڈے کو فلائٹ ہے تم ائرپورٹ پہنچ جانا۔''
''اوکے......'' اس کا دل پہلے سناٹے میں آیا پھر
خوشی سے جھومنے لگا۔
''پاکستان......'' اس نے تو صرف سوچا تھا اب
جا بھی رہی ہے۔ پاپا کو بتایا۔ پہلے تو وہ اسے دیکھتے
رہے پھر دھیرے سے پاس بٹھا کر بہت ساری باتیں

سمجھائیں۔ خیال، دھیان سے رہنے کے لیے کہا۔
احتیاطی تدابیر بتائیں اور کچھ پیسے اور دیے۔
''ٹیک کیئر...... اینڈ کال می ریگولرلی......''
''اوکے......'' ان کے شانے پر اس نے سر رکھ
دیا۔ ماں سے بھی ملی۔ روزی اس سے ناراض تھی ملنے
نہیں آئی۔ اور وہ اپنا بیگ لے کر ائرپورٹ آ گئی۔
اسامہ اس کا منتظر تھا۔ اور...... وہ...... اسامہ کے ساتھ
جہاز میں بیٹھ گئی۔
بیں، بائیس گھنٹے کا سفر کا ان کی سیٹیں کھڑکی کے
ساتھ تھیں۔ دائیں جانب اسامہ تھا، اس کا ساتھ اسے
اچھا لگ رہا تھا۔
یہ الزبتھ (مریم) کی زندگی کا پہلا سفر تھا۔
اسامہ اس کا خیال دھیان رکھ رہا تھا۔ کچھ کھانا
ہے کچھ چاہیے sickhess نہیں ہو رہی۔ ساتھ،
ساتھ وہ اسے پاکستان کے بارے میں گھر والوں کے
بارے میں بتا رہا۔
اسے نیند آ گئی تھی۔ وہ سو گئی...... اسامہ کتاب
پڑھتا رہا یہاں تک کے اس کی منزل آ گئی۔
قائداعظم انٹرنیشنل ائرپورٹ پر اتر کر اسے بہت
اچھا لگا۔
''میرا پاکستان......''
اسامہ بانہیں پھیلا کر گول، گول گھوما اسامہ بہت
خوش تھا۔ وہ بھی ہنس دی۔
وہ ائرپورٹ کی حدود سے باہر آئے...... الزبتھ نے
دیکھا کہ وہ دو ہینڈسم سے لڑکوں سے گرمجوشی سے ملا۔
''الزبتھ یہ میرا بھائی زباب اور یہ میرا کزن رحمٰن......''
''ہائے۔'' سر کے اشارے سے ان کے ہیلو کا
جواب دیا۔
''ہائے...... السلام علیکم......'' زباب نے سینے پر
ہاتھ رکھا...... اور رحمٰن نے ماتھے پر۔
''اسامہ......'' اس نے پکارا۔
''ہوں......'' وہ اس کی جانب جھکا۔
''سنو آئی ایم ناٹ الزبتھ...... آئی ایم مریم انڈر
اسٹینڈ......''

''اوکے.....'' اسامہ نے اس کی جانب دیکھا۔
''الزبتھ اور.....مریم.....'' رحمٰن کے کان کھڑے ہوگئے۔

''مسٹری.....'' دونوں نے ایک دوسرے کو آنکھ ماری اور اسامہ نے اس کے شانے پر گھونسا.....تینوں ہنستے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ مریم چاروں جانب دیکھتے ہوئے ان کے پیچھے تھی۔

☆☆☆

وہ سب اسامہ کے رشتے دار تھے ماما، پاپا، بہن، بھائی، دادا، دادی..... سب اس سے مل رہے تھے پیار کررہے تھے۔ وہ کزنز کے گلے کا ہار تھا۔
الزبتھ ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔
وہ ہال کمرے میں بہت پیچھے داخلی دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے برابر زباب کھڑا اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ چہرے پر میٹھی سی مسکان، آنکھوں میں ایک خاص چمک اس کی سفید رنگت پر سیاہ آنکھیں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔
اور پھر ایک لمحے کو....، ہال میں سناٹا چھا گیا۔
اسامہ مڑا دھیرے سے اسے اشارہ کیا۔
''آؤ مریم.....'' اور ان بزرگ لوگوں کی جانب اشارہ کیا۔
''یہ مریم میری کلاس فیلو ہیں.....انہیں پاکستان گھومنے کا بہت شوق تھا۔ میرے ساتھ آئی ہیں، امی یہ مریم ہے اور مریم یہ میرے امی، ابو، یہ دادا جان اور ہر دلعزیز شخصیت میری دادی جان ہیں اور یہ سب میرے بہن، بھائی ہیں اور کزنز ہیں۔ چچا، چچی، وغیرہ، وغیرہ اور وہ.....'' اس نے امی کے پہلو میں کھڑی دھانی کپڑوں والی لڑکی کی جانب اشارہ کیا جس کے چہرے کی مسکراہٹ اب غائب ہوچکی تھی۔ جواب انہیں گھور رہی تھی۔ اس کے ساتھ کھڑی عورت جو اس کی پھپھو تھی کی بھی یہی کیفیت تھی۔ مسکرا کر اسامہ نے پہلو بدل لیا۔
''جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو.....'' اندر ہی اندر ورد کیا۔ دادا جان نے مریم کے سر پر ہاتھ رکھا..... ان کے انداز میں عدم اطمینانی تھی۔ زبیدہ بیگم چونک کر اسے دیکھ رہی تھیں۔ اسامہ کی امی زہرہ بیگم اور ابومحسن نواز نے بہت گہری نگاہ مریم پر ڈال کر برخوردار کو دیکھا تھا یوں کہ ''بیٹا یہ مہمان ہے یا دلدار جان ہے۔'' مگر وہاں ایسی کوئی بات نہیں نظر آئی۔
اب وہ قدرے فاصلے پر دادی کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسے اردو نہیں آتی تھی۔ اسامہ کو مترجم کے فرائض سرانجام دینے تھے اور مترجم اس وقت اپنا سر بچانے کے چکر میں باقی کزنز سے باتوں میں مصروف تھا۔ اس نے آمد سے پہلے مریم کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ کزنز کھسر پھسر کرتے کان میں گھسے جارہے تھے۔
''کیا سپر چیز لایا ہے امریکا سے۔''
''یہ تعلیمی ڈگری ہے؟''
''دوست ہے یا دوست کے پردے میں؟''
''تو اتنا ماڈ کب سے ہوگیا۔''
''دادا چپ ہیں خیر نہیں.....'' اسامہ نے دادا جان کی جگہ پر نظر ڈالی وہ اب وہاں نہیں تھے۔ دونوں کو گھورتے کب کے جاچکے تھے۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ اسامہ مذاق کررہا ہے مگر وہ سچ مچ اپنی کلاس فیلو کو لے کر آیا تھا۔
''انزلہ پلیز.....اسے گیسٹ روم میں لے جاؤ، یہ ذرا ایزی ہوجائے.....''
اسامہ نے محبت کی نظر اس دھانی کپڑوں والی پر ڈالی تھی۔ جس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں جس سے اس انگریز اوورکوٹ والی لڑکی کا ساتھ قبول نہیں ہورہا تھا۔
اسامہ کی بات سن کر وہ مڑی اور تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔ پہلو میں کھڑی خاتون اب اسے بے یقینی سے گھور رہی تھیں۔
''پھپھو.....'' وہ ان کی جانب بڑھا۔ وہ خفگی کا اظہار کرتی پلٹ گئیں۔
سہارے کے لیے اس نے حمزہ اپنے جگری دوست اور کزن کو دیکھا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔
''وہ.....انزلہ.....''
''تو نے اسے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔''
''یار اس سے میرا کوئی ایسا ناتا تھوڑی ہے جو اعتماد میں لیتا۔''

غزل

ہماری انا کو گوارا ہی نہ تھا
کہ محبت مانگ کر لیتے
اور تجھ میں اتنا ظرف نہ تھا
کہ بن مانگے لٹا دیتے
اِک مدت تک اس دل کی
بے قراریاں نہ گئیں
ہر روز تجھے خط لکھتے
ہر روز جلا دیتے
خود کو تیری محبت کے
قابل ہی نہ سمجھا
ورنہ ٹوٹ کر تجھے ایسا چاہتے
کہ خود کو بھلا دیتے
کبھی آزما کے دیکھ
تیری خوشیوں کی خاطر
تیرے قدموں میں بکھر جاتے
تیری راہوں کو سجا دیتے

از: ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

اگر جب کوئی ایسی بات نہیں ہے تو کیوں ڈر رہی ہو بیٹا۔
''زویا.....'' اس نے اپنے قریب کھڑی چھوٹی بہن کو نام لے کر آگے کیا۔
''انہیں اسے گیسٹ روم میں لے جاؤ..... وہ ریلیکس ہوجائے.....''
''اوکے بھائی.....'' وہ الزبتھ کی جانب بڑھی۔
زبیدہ بیگم اسے دیکھ رہی تھیں گا ہے بہ گاہے.....
''آیئے.....'' زویا نے مریم کا ہاتھ تھام لیا۔
''دادی جان میں انہیں گیسٹ روم میں لے جارہی ہوں یہ ریلیکس ہوجائے.....'' ان کی جانب دیکھا۔
''ہوں.....'' انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اجازت دی۔
اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر وہ اس کے ہمراہ ہولی..... سفری بیگ کونے میں رکھا رہ گیا۔
ابھی سب اسامہ کی گوشمالی کررہے تھے۔ اور اس کے جواب سے کوئی مطمئن نہ تھا۔ زویا اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ جب کھڑی تھی کہ دروازے پر ناک ہوئی۔ وہ باتھ روم کے دروازے پر رک گئی، ناک پھر ہوئی..... تولیہ ہاتھ سے رکھ کر آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔
''السلام علیکم..... میں حمزہ.....اسامہ کا چچا زاد بھائی..... کزن، یہ آپ کا بیگ.....'' ایک قدم آگے بڑھ کر اس کا سفری بیگ آگے کردیا۔
''اوکے.....'' وہ دھیرے سے سائڈ پر ہوئی۔ حمزہ بیگ رکھ کر مڑ گیا۔ الزبتھ دو سیکنڈ اسے دیکھتی رہی..... زویا اسے چھوڑ کر اس کے لیے کچھ لینے گئی ہوئی تھی۔ دروازہ بند کرکے وہ اندر آگئی۔

☆☆☆

''اسامہ..... دادا جان بلا رہے ہیں۔'' حمزہ نے اطلاع دی۔
''کیوں.....؟'' وہ جو آرام کی غرض سے لیٹا تھا، اٹھ بیٹھا۔
''عدالت میں حاضری ہے، تم جو درآمد کرکے لائے ہو اس کے متعلق پوچھ گچھ کرنی ہے۔'' ذومعنی انداز میں کہا۔
اسامہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔
''اوکے چلو..... دادا جان بھی نا بس، صبح ہوجاتا یہ کام.....'' بستر سے اترا۔
''تایا جان اور تائی امی بھی اُدھر ہی ہیں چلو'' کھڑا ہوگیا۔
مگر دادا جان کے بیڈ روم میں جانے سے پہلے گیسٹ روم میں آیا۔ الزبتھ کا دروازہ ناک کیا۔ دوبارہ ناک کیا۔ ''دروازہ کھل گیا۔''
''الزبتھ میں اسامہ..... کچھ چاہیے تو نہیں؟''
''تم ٹھیک ہو.....'' ''وہ زویا کافی اور سنیک دے گئی تھی۔''
''تو.....''
''اوکے ریسٹ کرو، صبح ملاقات ہوگی۔'' اس نے سر

عالیہ حرا کا خط نگہت نسیم کے نام

پیاری نگہت نسیم۔ امید ہے کہ اب آپ پہلے سے بہت بہتر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں آپ پر برستی رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا کرے، آمین۔ آپ کی تحریریں مجھے ذاتی طور پر بہت پسند ہیں۔ حقیقت سے قریب منفرد نگاری کرتی ہیں۔ آپ کا لکھا یوں لگتا ہے گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ آپ کی تحریروں کی خاص بات کردار سازی ہے۔ کہانی کے کردار کو اتنے بہترین انداز میں واضح کرتی ہیں کہ اس کی خوبیاں اور خامیاں... پڑھنے والے کو احساس ہوتا ہے کہ ہمارے اندر سے یہ خامیاں ختم ہوں اور خوبیاں بیدار ہوں (یہ میرا تجربہ و تجزیہ ہے۔) آپ کے موضوعات عام قاری کو بہت آسانی سے سمجھ آجاتے ہیں۔ آپ کے موضوعات کا انتخاب بھی حقیقت سے قریب ہوتا ہے۔ دکھ، سکھ اگر صحت کا حصہ ہیں تو بیماری بھی صحت کا صدقہ ہے۔ ایک بات طے ہے کہ آپ کو گھبرانا نہیں ہے۔ بیماریاں تو آتی جاتی رہتی ہیں۔ اپنی ہمت کو آپ نے اسی طرح جواں رکھا ہے جیسے ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سدا جواں و خوب صورت رہے۔ آپ کا قلم آپ کی طاقت ہے آپ کی جرأت و ہمت کی کہانی مجھے بہت اچھی لگی ہے۔ نگہت یہ ہماری آزمائش ہے اور آپ کو اس آزمائش میں پورا اترنا ہے۔ میری آپ سے ملاقات کی بھی خواہش تھی۔ پاکیزہ کی اتنی تقریبات ہوئیں مگر آپ سے ملاقات نہیں ہوگی۔ آپ کا غائبانہ تعارف میرے دل میں ہے اور...... یہ کہ آپ نے اپنا بہت خیال رکھنا ہے۔ وہ سب آئیڈیاز آپ نے لکھنے ہیں جو آپ کے خوب صورت ذہن میں موجود ہیں۔ اور جنہیں ہم پڑھنا چاہتے ہیں۔ ایک بات پوچھنی تھی آپ سے آپ کی تحریروں کا عکس آپ کے کسی بچے میں آیا؟
دوسرا یہ کہ لکھنے کا محرک کیا تھا؟
اور یہ کہ آپ کہانی کیسے اخذ کرتی ہیں...... شعر، جملہ، کوئی واقعہ، منظر، کسی کی محبت یا کوئی ان کہی... اور آپ کی زندگی میں محبت کیا ہے؟
اور یہ کہ آپ ڈاکٹر بھی ہیں اتنی مصروفیت میں قلم کو کیسے پکڑ کر رکھا۔
اور نئے لکھنے والوں کو کوئی مشورہ دیں۔ مجھے یقین ہے آپ میرا خط پڑھ کر جواب ضرور دیں گی۔
میں، عذرا رسول آپی، نزہت اصغر، تمام رائٹرز، تمام قارئین آپ کے لیے دعا گو ہیں۔ اللہ پاک آپ کو صحت کاملہ عطا کرے اور اپنے متحرک قلم کو اور زیادہ متحرک کریں، آمین۔

❁ ❁ ❁

موتی مالا

☆ انسان اگر کچھ سیکھنا چاہے تو اس کی ہر غلطی اسے کچھ نہ کچھ سکھا دیتی ہے۔
☆ اولاد کے لیے ماں، باپ کی مار ایسی ہے جیسے کھیتی کے لیے پانی......
☆ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم نیک بننے کی اس طرح کوشش کریں جس طرح خوب صورت بننے کی کرتے ہیں۔
☆ لڑکی کی عزت شیشہ ہے اور گھر کے باہر پتھر بہت ہیں۔

از: فرحانہ، حیدرآباد

"ہے ناں......" وہ چونکا...... "ہے ناں کچھ عجیب سی ہمارے جیسی لگتی ہے۔ بس یہی احساس مجھے بھی ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے ہمارا وہم ہو......" اسامہ پُرجوش ہوا...... زبیدہ بیگم اسے دیکھے گئیں۔
"آپ کو کیا لگتا ہے...؟"
"ہاں، اس کی آنکھوں میں کوئی کھوج ہے، کوئی چمک ہے، کل زویا نماز پڑھ رہی تھی تو اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ میں قرآن پاک پڑھ رہی تھی تو میرے پاس آبیٹھی۔"
"یہ تو اچھی بات ہے ناں دادی جان، وہ ہمارے دین سے متاثر ہو رہی ہے۔"
"تمہارا یہ مطلب تو نہیں کہ اسے متاثرین میں شامل کر کے نکاح کرو......" شک کی نظر سے دیکھا۔
"دادی جان وہ مسلمان ہو جائے تو اچھی بات ہے نسلوں کو ثواب ملے گا۔ مگر اس سے شادی نہیں کرنی......" صاف دل سے کہا۔
"اچھی پیاری بچی ہے، تجسس اور محبت سے ہر چیز دیکھتی ہے۔"
"ہوں......"
"تم کب تک یہاں ہو......؟"
"جب تک چھٹیاں ہیں......"
"ہوں......" ان کا لہجہ کچھ سوچتا ہوا تھا۔

☆☆☆

اسامہ، حمزہ کے ساتھ پرانے دوستوں، کلاس فیلوز سے مل کر آیا تو الزبتھ لان میں مل گئی۔ نعمان بھائی کے بیٹے حماد کے ساتھ زمین سے پھول چنتی...... شگوفے اٹھاتی، ان کے گلدستے بناتی...... اس کے چہرے پر خوب صورت چمک تھی۔
زویا پکوڑے، سینڈوچ اور مشروب لے آئی تھی۔ اسامہ اسے پکوڑے کھاتے دیکھ کر حیران ہوا۔
"بہت کم مرچوں کے ہیں ناں، یہ مرچیں نہیں کھاتی۔"
"ان دنوں میں اسے خاصا ٹرینڈ کر دوں گی۔"
اسامہ ہنسا۔
"اچھا ہے بہت اچھا ہے...... گڈ ویری گڈ......"

الزبتھ تعریف کر رہی تھی۔
تبھی...... معاذ آ گیا اسے مریم بہت اچھی لگتی تھی اتنی کہ دل آ گیا تھا۔ وہ اکثر آنے لگا تھا۔ اس کا مقصد بس خاموشی سے مریم کی حرکات و سکنات دیکھنا تھا۔ مریم اس کی جانب دیکھتی بھی نہیں تھی۔ زویا نے نوٹ کیا تھا اسے لڑکوں کی گیدرنگ اچھی نہیں لگتی تھی۔
وہ زویا، ماورا...... اور حنا کی گیدرنگ میں خوش رہتی اس کی کوشش ہوتی کہ زیادہ وقت دادی جان کے کمرے میں گزارے۔
اور زبیدہ بیگم کھوجتی نظروں سے اسے دیکھے جاتیں...... پوچھیں تو کیا پوچھیں۔
اس کے سر سے اسکارف نہیں اترتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں درد تھا۔
"اسامہ...... پاپا کو کال کرنی ہے......" اسامہ، دادا جان کے پاس بیٹھا تھا۔ ان کو اپنی تعلیمی رپورٹ بتا رہا تھا کہ مریم آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں موبائل تھا۔
"کرلو......"
"بیلنس نہیں ہے؟ یا کال نہیں مل رہی......"
سیل اس کی جانب بڑھایا۔
اسامہ نے تھام لیا۔ اس کے سیل میں سیٹ کا پاس ورڈ ڈالا۔ تین چار ہی نمبر فون بک میں تھے۔ اس کے پاپا کا نمبر ملا کر اسے پکڑا دیا۔
سیل لے کر وہ کاؤچ کے کونے پر بیٹھ گئی۔ کال مل گئی تھی وہ اپنے پاپا سے بات کر رہی تھی۔ کریم حسن نواز نے لمحے بھر کو دیکھا اور چونک گئے۔ دھیمی، دھیمی سی آواز چہرے پر خوشی بھری مسکان...... وہ انگلش میں بات کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک شباہت شبیہہ تھی پوری طرح متوجہ ہو کر اسے دیکھے گئے۔
اسامہ بھی چونک گیا۔
دادی جان کیوں رک کر اسے دیکھ رہی ہیں۔
دھیرے سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔
"کیا ہوا دادا جان......؟" دھیرے سے پوچھا۔
"آں...... ہاں...... کچھ نہیں......" وہ چونکے۔
وہ اردگرد سے بے خبر اپنے پاپا سے بات کر رہی

تھی۔ دھیمی اور شائستہ آواز میں۔
کریم حسن نواز کی نگاہ بار، بار اُدھر ہی اٹھ رہی تھی تو زبیدہ بیگم بے چین ہوگئیں۔
"زبیدہ ایک بات تم نے نوٹ کی.....؟" رات اپنے بستر پر دراز کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے مگر دل میں بے چینی تھی۔
"کیا.....؟" زیتون کا تیل ہاتھوں میں لگاتے ہوئے رخ موڑ کر میاں کو دیکھا۔
"یہ لڑکی مریم....."
زبیدہ بیگم کے ہاتھوں کی گردش رک گئی۔
"کیا ہوا.....؟"
"یہ لڑکی بلال احمد سے کتنا ملتی ہے....." دل کی بات بالآخر کہہ دی..... زبیدہ بیگم ساکت ہوگئیں۔
"اس کی مسکراہٹ، انداز، بولنے کا لہجہ، آنکھیں، کتنی شباہت ہے۔"
زبیدہ بیگم کے دل کی بات کریم حسن نواز کے لفظوں میں تھی۔
"تم نے نوٹ کیا.....؟" کتاب بند کر کے ان کی جانب گھومے۔
زبیدہ بیگم گم صم تھیں۔
"میرے خیال میں تم نے زیادہ نوٹ کیا ہوگا..... تمہارے پاس سارا دن گزارتی ہے۔"
"ہاں، میں نے بھی نوٹ کیا ہے....." دھیرے سے کہا۔ "ہوسکتا ہے ہمارا وہم ہے۔"
"ایک ساتھ دو لوگوں کو وہم کیسے ہوسکتا ہے....." خود سے کہا۔
"تو کیا مطلب ہے..... یہ بلال احمد کی بیٹی ہے کیا؟"
"پتا نہیں....."
"یہ تو امریکا میں رہتی ہے اور بلال استنبول گیا تھا پڑھنے کے لیے بس پھر اُدھر ہی رہ گیا پھر شادی کی اور مر گیا..... مگر..... اس بات کو چالیس سال ہوگئے ہیں۔ بیوی بچوں سے کوئی رابطہ نہیں۔" گوگوں سی کیفیت تھی۔
"ہوں....." وہ سیدھے لیٹ گئے سر کے نیچے دونوں ہاتھ رکھ دیے۔ زبیدہ بیگم شوہر کو دیکھے گئیں۔ ذہن میں ایک فلم سی چل رہی تھی۔ "یہ بلال احمد کی بیٹی کیسے ہوسکتی ہے وہ ترکی میں تھا۔ یہ امریکا میں ہے۔ درمیان میں پورے چالیس سال ہیں....." وہ بھی لیٹ گئیں۔
"جب بلال احمد کی ڈیڈ باڈی آئی تو اس کی بیوی آئی تھی ساتھ.....؟"
"نہیں..... ابا جان نے اسے قبول کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اسے پاکستان بھی نہیں آنے دیا۔" دور کہیں سے کھوجتی آواز آئی۔
"اسامہ سے پوچھتا ہوں میں....." کروٹ لی۔
"ہاں پوچھ لیں، مجھے بھی بہت بے چینی ہے۔" انہوں نے آنکھیں بند کرلیں۔
بند آنکھوں کے پیچھے دبلے پتلے لمبے بلال احمد کا پیکر گھومنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی، کھڑی ناک وہ ایک کامیاب انجینئر تھا۔ دھیما دھیما لہجہ، دھیما سا انداز، لہجے میں حلیمی تھی۔
اور.....
زبیدہ بیگم کھلی آنکھوں سے بھائی کی زندگی کو چلتے دیکھ رہی تھیں۔ ترکی لڑکی سے شادی کے عوض اس نے ملک بدری کی سزا کاٹی تھی۔
آنکھیں بھیگنے لگیں۔
"مریم اس سے اتنی مشابہہ کیوں ہے.....؟ وہ عیسائی ہے۔ بلال نے مسلمان لڑکی سے شادی کی تھی۔"
خواہ مخواہ میں ذہن الجھ رہا تھا۔ تھکے تھکے انداز میں انہوں نے آنکھیں موندلیں۔

☆☆☆

زویا اسے عمارہ پھپھو کے گھر لے آئی۔ ساتھ میں حنا اور سارہ بھی تھیں سوئے اتفاق کہ انزلہ بھی آگئی تھی۔ مریم کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔
"کیوں لائی ہو، اسے یہاں.....؟"
"پھپھو سے ملوانے کے لیے۔" وہ مسکرائی۔
"کس رشتے سے؟" کھا جانے والے انداز تھے۔
"انسانیت کے رشتے سے۔ میں پھپھو سے اپنی دوست کو ملوانے لائی ہوں....." زویا نے سنجیدگی سے کہا۔

"بیٹھو..... زویا....." تبھی عمارہ پھپھو آگئیں۔
"جاؤ یہاں سے اسے لے کر ہمیں کسی کی مہمان داری نہیں کرنی.....؟" وہ تقریباً چیخی۔
"پاگل ہوگئی ہو انزلہ..... یہ ہماری مہمان ہے، تم کن غلط فہمیوں میں پڑی ہو....." حنا نے گھرکا۔
"تو اپنے گھر میں رکھو ناں....."
"انزلہ، جاؤ یہاں سے....." عمارہ بیگم نے گھرکا۔
"..... اس دھوکے باز کی....."
"اگر میرا بھائی دھوکے باز ہے تو مت کرنا اس سے شادی تمہاری عقل پر تو پتھر پڑ گئے ہیں....." زویا کڑی ہوگئی۔ الزبتھ خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ کچھ سمجھی کچھ نا سمجھی کی کیفیت تھی۔ اس نے زویا کا ہاتھ لیا۔
"مجھے بھی نہیں کرنی اس مجنوں کی اولاد سے شادی....." زویا نے اسے غصے سے گھورا..... اور الزبتھ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی باہر چلی آئی۔ عمارہ پھپھو ارے، ارے کہتی رہ گئیں۔
"تم نے یہ اچھا نہیں کیا، انزلہ، دادی جان نے خاص طور پر اسے بھیجا تھا کہ عمارہ پھپھو اس کا انٹرویو لیں۔" انزلہ نے سر جھٹکا۔
"تم کب سے اتنی جذباتی ہوگئیں..... اور کیا تمہیں اسامہ بھائی کی نیت پر شک ہے؟" حنا نے ملامت سے کہا۔
"یہ کیسی محبت ہے تمہاری....." عمارہ بیگم نے ملال سے بیٹی کو دیکھا۔
"میں چلتی ہوں پھپھو..... اس کا دماغ درست ہوجائے تو سمجھایئے گا۔"
حنا پلٹ آئی۔ عمارہ بیگم انزلہ پر غصہ ہونے لگیں۔ وہ پاؤں پٹخ کر اندر چلی گئی۔
"اس نے کیا، کیا ہے یہ نہیں دیکھ رہیں۔ یہاں بھی میرا قصور ہے....." وہ بڑبڑاتی رہ گئی۔

☆☆☆

ایک انجانی فکر نے زبیدہ بیگم کا بلڈ پریشر ہائی کر دیا۔ کریم صاحب کو ڈاکٹر کو گھر بلانا پڑ گیا..... اسامہ ان

کے قریب ہی تک گیا۔ الزبتھ بھی بار، بار آرہی تھی۔ کریم حسن نواز کو یقین ہونے لگا کہ ان کا وہم بے جا ہے مشابہت ہوسکتی ہے مگر جانے کیوں انہوں نے اسامہ سے کہا۔ "اس لڑکی کا فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے۔ اس کے پیرنٹس وغیرہ..... تم پتا کرو....."
"میں آپ کو پتہ کر کے بتا دوں گا....."
"او کے..... کیا تم نہیں ملے ان سے.....؟"
"نہیں دادا جان، ہم صرف کلاس یا لائبریری میں ملتے ہیں..... ضرورت ہی نہیں پڑی کبھی گھر آنے جانے کی....."
"ہوں....." وہ کچھ سوچنے لگے۔

☆☆☆

اس روز اسے گھمانے کے لیے وہ سب نکلے.....
زویا، حنا، حمزہ، معاذ بھی ساتھ ہولیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ مریم کو دیکھنا چاہتا تھا۔ دل میں اتر رہی تھی۔ مگر وہ اک نگاہ کسی کو نہ دیکھتی تھی سوائے اسامہ کے۔
قائداعظم کا مزار دکھایا۔ بہت اشتیاق تھا اس کی آنکھوں میں..... پھر سی ویو آگئے..... واپسی پر نیشنل میوزیم کی بھی سیر کروائی۔
"چڑیا گھر بھی دکھا دو....." حمزہ ہنسا۔
"وہ کسی اور وقت کے لیے رکھو....."
"اسامہ انہیں کراچی یونیورسٹی بھی دکھاتا۔"
"ہاں، خاص طور پر ان کا ڈپارٹمنٹ..... نامی گرامی اسٹوڈنٹ ہیں..... انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ کے....."
"میں تو ابھی این ای ڈی میں ہوں....." وہ مسکرایا۔
"چلو دونوں دکھا دیں گے۔"
مریم بہت خوش تھی، یہاں اس کے چہرے پر سکون تھا۔ اسے اچھا لگ رہا تھا۔ واپسی پر گھر میں اترے تو سامنے ہی انزلہ کھڑی تھی۔ اسامہ نے..... بے اختیار جل تو جلال تو پڑھا۔
زویا، مریم کا ہاتھ پکڑ کر اندر چلی گئی۔
"تو یہ رنگ رلیاں منائی جا رہی ہیں۔" غصے سے لال بھبوکا چہرہ لیے انزلہ کھڑی تھی۔

بیگم کم صم سی ہو گئیں۔

''ان سے کیا ہوگا'' زبیدہ بیگم نے دھیرے سے کہا۔

''ہوں، یہ وہی ہوگا جو تم سوچ رہی ہو۔'' وہ مسکرائے۔

''مگر وہ تو عیسائی ہے۔''

''تم سو جاؤ، میں خود بات کرلوں گا احمر سے۔''

''اچھا ہوں ''

''ہوں''

صبح انہوں نے سب سے پہلے اسامہ سے بات کی

بلال کی تصویریں دکھائیں وہ دم بخود ہوا۔

''مریم میں بلال کی شباہت آرہی تھی۔

''دادا جان یہ صرف اتفاق ہے ...اور وہ ترکی

تھے۔ یہ امریکا میں رہتی ہے۔''

''کھوج لگانے میں کیا حرج ہے۔'' گہری

سانس لی۔ ''کم سے کم اس گناہ سے تو نجات مل جائے گی

جو ان سے ہو چکا ہے۔''

''گناہ......'' اسامہ ششدر رہ گیا۔

''ہاں، گناہ...... تمہارے ابا کے ماموں بلال

نے دورانِ تعلیم ایک ترک لڑکی سے شادی کی تھی پھر

اسے اُدھر ہی ملازمت مل گئی۔ وہاں ہی رہنے لگا۔ اس

کے والدین کو سخت اعتراض تھا اس کی شادی

پر...... بہت ناراض تھے۔ معاف نہیں کیا اسے۔ اُدھر

کی شدید ذہنی ٹینشن کی وجہ سے اسے برین ٹیومر ہوگیا۔

پھر وہ چند سال زندہ رہا اس کی اولاد میں ایک بیٹی تھی

گھر والوں نے اسے بھی قبول نہیں کیا۔ اس کا انتقال

ہوگیا۔ نثار اس کا بڑا بھائی تھا، کوششوں سے وہ بلال کی

ڈیڈ باڈی لے آیا۔ اور پاکستان میں لاکر دفن کیا مگر اس

کی بیوی اور بیٹی کو نہ لاسکا۔ بلال کے ماں، باپ نے

لانے نہیں دیا۔ وقت گزرتا گیا۔ پھر انہیں احساس ہوا۔

اولاد تو مسلمان تھی اولاد لے لیتے......لڑکی ذات

تھی۔ اس دکھ نے انہیں جینے نہیں دیا۔ تمہاری دادی بھی

اکثر ان کے بارے میں سوچتی ہیں۔'' بولتے، بولتے

وہ رک گئے۔

اسامہ اس افسانوی سچوئشن پر دم بخود ہوا۔ اس کو

یہ کہانی شک کی بنیاد پر قبول نہ ہوئی۔

''چلو شک ہی سہی شاید گئے وقتوں کا ازالہ

ہو جائے۔''

''ہوں ''

''اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

''میں نثار کے بیٹے احمر کو بلواتا ہوں، وہ پرانی تصویروں

کا البم لے کر آئے پھر آپا جان کو کہتا ہوں آئیں ادھر اکٹھ

کے ساتھ کچھ دن ہمارے ساتھ گزاریں۔''

''پردادا جان ہمارے جانے میں تھوڑے سے

دن رہ گئے ہیں۔'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''میرا آخری سمسٹر شروع ہوگا جو چھ ماہ کا ہے۔''

''اور مریم کا؟''

''مریم کے ابھی دو سمسٹر ہیں...... وہ بیمار ہوگئی

تھی اس لیے اس کا ایک سمسٹر مس ہوگیا تھا۔''

''ہوں......! اسامہ میں چاہوں گا کہ تم اگلی بار

بھی آؤ تو مریم کو ساتھ لے کر آؤ......''

''یہ تو مریم پر منحصر ہے کہ وہ آئے یا نہ آئے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ آئے گی۔ اسے یہ ملک، یہ

گھر اور ہم سب لوگ بہت اچھے لگے ہیں۔''

''یہ تو ہے......'' اسامہ مسکرایا۔

دادا جان بہت دور کی سوچنے لگے۔ پھر انہوں

نے احمر کو فون کیا اور ساتھ ہی آپا جان یعنی زبیدہ بیگم کی

بڑی بہن کو فون کرکے بلوایا۔

اگرچہ وہ خاصی ضعیف و کمزور تھیں مگر انہوں نے

حامی بھر لی آنے کی۔

کریم حسن نواز کو ایک کڑی مل گئی تھی۔

☆☆☆

صبح کے وقت انزلہ نے دیوار کی منڈیر سے نانا

کے گھر کی جانب جھانکا...... اسے معلوم تھا کہ اسامہ کو صبح

ایکسرسائز کی عادت ہے، صبح اسے دیکھ کر معذرت

کرلے گی۔ اگلی جانب منظر ہی دوسرا تھا۔

وہ انگریز لڑکی مریم...... لان میں ٹہل رہی تھی۔

اِدھر سے اُدھر اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔

اس نے شلوار قمیص پہن رکھا تھا، یہ بھی شاید زویا نے دیا

''جی...... آپ بھی شامل ہو سکتی ہیں۔'' اسامہ

نے سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔''

''تو کیوں جل بھن رہی ہو''

''اسامہ'' وہ تنک کر بولی۔

وہ سر جھٹک کر آگے بڑھا اسے انزلہ پر بہت غصہ

تھا۔ اس کو صفائی کا موقع دیے بغیر الزام لگا دیے یہ اس

کی کیسی محبت تھی...... مریم کو پتا چلے تو کیا سوچے گی۔

اسامہ اندر چلا گیا اسے اہمیت دیے بغیر......

''انزلہ......'' حمزہ اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

''کیا ہے یہ سب......؟''

''میں بھی یہی پوچھ رہی ہوں کیا ہے یہ

سب...... اتنی آزادی، بے باکی، بے شرمی، انگریز

عورت کے ساتھ یوں سرِعام گھومنا پھرنا، دعوتِ عیش،

تمہارے دادا جان کی آنکھیں بند ہیں کیا......؟''

''انزلہ......'' حمزہ نے ٹوکا۔

''تمیز سے بات کرو وہ مہمان اور ایک عزت دار

لڑکی ہے۔''

''ہوں...... عزت دار......''

''تبھی تو ایک غیر مرد کے ساتھ اتنی دور کا سفر طے

کرکے آئی ہے گھومنے پھرنے...... ان انگریز عورتوں

میں عزت اور شرافت ہوتی ہے بھلا......''

''تمہارا شک بے بنیاد، بے وجہ ہے، تمہیں اس

سے ملنا چاہیے، وہ ایک شریف لڑکی ہے اس بات کا

گواہ میں بھی ہوں......''

''پھر تم ہی اس سے شادی کرلو......'' وہ بپھر گئی۔

''لاحول ولاقوۃ......'' حمزہ اندر بڑھ گیا۔

''انزلہ تم غلط ہو، کسی پر تہمت لگانا جائز نہیں،

شرافت ہر مذہب میں ہوتی ہے، ہم بنا تصدیق کیے کسی

پر فردِ جرم عائد نہیں کرسکتے۔'' معاذ نے شاکی سے انداز

میں دیکھا۔ پتا نہیں اچھی خاصی باشعور انزلہ اتنی تنگ

نظری کیوں دکھا رہی ہے۔

''ہم دادا جان کی اجازت سے گئے تھے۔'' معاذ

کے کہنے پر اس نے مزید منہ بنایا۔

''کل ہم این ای ڈی اور کراچی یونیورسٹی جائیں

گے۔ تمہیں چلنا ہو تو بتا دینا۔'' حمزہ نے کہا

اور وہ آگے بڑھ گیا۔ مریم پر لگے الزامات

معاذ سے ہضم نہیں ہو رہے تھے۔

☆☆☆

زبیدہ، مریم سے دور، دور رہتی تھیں عجیب سا

اختلاج تھا۔ بیٹے کی وجہ سے چپ تھیں۔ کریم حسن نواز

نے اس روز باتوں، باتوں میں پوچھ لیا تھا اس کی فیملی

کے متعلق......

''میرے پاپا سوفٹ ویئر انجینئر ہیں، میری

سوتیلی مدر ہیں اور ایک بھائی ہے، ڈیوڈ۔'' اس نے

دھیرے، دھیرے بتایا تھا۔

شک باطل ہوگئے۔

''میں بہت چھوٹی تھی جب ماما کا انتقال ہوگیا

تھا۔ پاپا نے دوسری شادی کرلی تھی۔'' اداکاری سے

دھیرے، دھیرے بتا رہی تھیں۔ سیاہ آنکھوں کی پلکیں

بھیگ گئیں۔

زبیدہ بیگم اسے دیکھے گئیں۔ دل میں گماں بھی تھا

اور یقین بھی...... اس کے لفظ...... سچائی کے مظہر تھے۔

پھر دل...... دل کا کیا کرتیں...... جو انہیں کچھ اور کہہ رہا

چاہ رہا تھا۔ کچھ بتانا چاہ رہا تھا۔ بے چینی تھی جو انہیں

قرار نہیں لینے دے رہی تھی۔

''زبیدہ تمہیں یاد ہے، بلال نے شادی کی

تصویریں بھی بھیجی تھیں۔ رات سوتے ہوئے کریم حسن

نے اچانک کہا۔

''تصویریں...... ہاں بھیجی تھیں مگر مجھے نہیں نثار

بھائی کو بھیجی تھیں۔ بلال سے ان کی بہت دوستی تھی ان کو

ہی خط لکھتا تھا...... گھنٹوں فون کرتا تھا......'' وہ دکھ سے

مسکرائیں۔

''مگر ان کا تو انتقال ہوئے بھی عرصہ ہوگیا۔ نثار

بھائی کو بلال کی جواں موت اور وہ بھی پردیس کی موت

کا بہت دکھ تھا۔ ان کے بچوں سے پوچھو، آپا جان سے

پوچھو، شاید ان کے پاس ہوں......'' کریم حسن کے

اندر بھی بے چینی رقص کر رہی تھی جو نئی راہ سجھا رہی

نہیں تھا۔ دادا جان کی تربیت کا سب سے زیادہ اثر اس میں تھا۔
تبھی باہر شور ہوا، ہلچل مچی حمزہ سفری بیگ گھسیٹ کر لا رہا تھا۔ اسامہ ہنس دیا۔ پیچھے احمر، دادی جان کی بہن آپا جان کو پکڑ کر دھیرے دھیرے لا رہا تھا۔
''بڑی دادی جان ''
اسامہ تپاک سے ملا... اور دھان پان سی بزرگ آپا جان کو سہارا دے کر صوفے پر بٹھا دیا۔
زویا... معاذ، حمزہ ان کے دائیں بائیں سامنے بیٹھ گئے۔ شور سن کر زہرہ بیگم بھی آگئیں۔ سب کو آپا جان عزیز تھیں۔ دادی جان کو بڑی بہن...... وہ آج بہت عرصے بعد آئی تھیں۔
بڑی آپا جان... کے اولاد نہیں تھی۔ شادی کے چند سالوں بعد ان کے فوجی شوہر مجید احمد دورانِ محاذ شہید ہو گئے۔ ساری عمر انہوں نے شہید کی بیوہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ماشاء اللہ بہت دین دار، عبادت گزار خاتون درس، تدریس کا سلسلہ ان کے گھر میں جاری و ساری تھا۔ روحانی دم و درود بھی کرتی تھیں۔ اپنے بھائیوں اور بہنوں کے بچوں میں بے حد خوش رہتی تھیں اب بے جا خوشی و مسرت سے سب کے حال و احوال پوچھ رہی تھیں۔
درمیان میں فوراً زویا دودھ کا شربت بھی لے آئی جو انہیں بے حد پسند تھا۔ ساتھ ہی احمر انکل کو بھی دیا......اور پھر باہمی رضا و رغبت سے یہ جلوس دادا جان کے کمرے میں گیا۔ دادی جان نماز سے فارغ ہو چکی تھیں۔ بڑی محبت سے سب سے ملیں تبھی زویا، مریم کو لے آئی اور بڑی دادی جان کے سامنے کھڑا کر دیا۔
زبیدہ بیگم اور کریم حسن نواز ان کی شکل دیکھ رہے تھے۔
''اس... سلام...... عا...... لیکم......'' مریم ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام کرتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔
اس آواز پر آپا جان چونکیں......سر اٹھایا اور ساکت ہو گئیں۔ ان کی نظر......زیرِ لب مسکراتی سیاہ آنکھوں والی مریم پر ٹھہر گئی۔
''وعلیکم السلام......'' انہوں نے مشفقانہ انداز میں سر پر ہاتھ پھیر کر جواب دیا۔
مریم نے محبت سے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔
''میں، مریم ''
''تم... تم بلال کی بیٹی ہو... ؟'' آپا جان نظر شناس تھیں۔
''جی ؟'' وہ سمجھی نہیں۔
زبیدہ بیگم اور کریم حسن نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اسامہ چونک گیا۔
''زبیدہ... تم نے بلال کی بیٹی کو بلا لیا اور مجھے بتایا تک نہیں۔'' شکوے سے دیکھا۔
انہوں نے پہلو میں بیٹھی بہن کی جانب دیکھا۔
''بلال، بلال کون بلال کی بیٹی......؟ اسامہ یہ کیا...... مسٹری ہے......؟''
کمرے میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔
''بولو......'' پھر مریم کو دیکھا۔
''اسامہ سب کو باہر لے جاؤ۔'' دادی جان نے کہا۔ پل میں کمرا خالی ہو گیا۔
''کیا ہوا......کیا مسئلہ ہے؟''
''اسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے ہی تو بلایا ہے، ہمیں شک ہے اب آپ بتائیے کہ یہ شک ہے یا یقین......اس لڑکی میں بلال کی کتنی شبہات ہے، دیکھنے کا انداز، آنکھیں، ناک، نقشہ......''
کریم حسن نواز بتا رہے تھے۔
''یہ لڑکی کون ہے......؟''
''یہ لڑکی مریم ہے، اسامہ کی کلاس فیلو......امریکا سے آئی ہے، پاکستان کی سیاحت کے لیے......''
''اتنی کم عمر بلال کی بیٹی کیسے ہو سکتی ہے بھلا؟ یہ تمہارا وہم ہی ہے......کریم حسن......اور اس بات کو بھی چالیس پچاس سال کا عرصہ ہو گیا ہے......''
''مگر شبہات تو دیکھیے......''
''محض اتفاق...... ہے۔'' انہوں نے سر ہلایا اور عینک اتار دی۔
''اور یہ عیسائی ہے؟'' ایک اور انکشاف کیا۔
آپا جان تو ششدر رہ گئیں۔

''ایک عیسائی کو تم لوگوں نے گھر میں بٹھایا ہے، حد ہو گئی بھی... تم لوگوں کو پاکی، پلیدی کا نہیں پتا... '' ایک اور جنگ شروع۔
''آپا جان، وہ اہلِ کتاب ہے، بہت اچھی ہے ملیں تو۔''
''میں تو اتنا جانتی ہوں جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی، وہ کیا ہے کچھ بھی نہیں......تم لوگوں نے مجھے کیوں بلایا ہے۔'' دونوں کو دیکھا۔'' اسی لیے بلایا تھا۔'' کریم حسن نے زبیدہ بیگم کو دیکھا۔
''یہ صرف شباہت ہے، بلال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔
''بلال کی بیوی کا کیا نام تھا؟''
آپا جان نے کریم حسن کو دیکھا۔
''رباب......''
''اس کا نام بھی مریم ہے۔''
''مگر یہ تو عیسائی ہے، بلال نے مسلمان عورت سے شادی کی تھی۔''
''آپ کے پاس بلال کی شادی کی کوئی تصویر ہے؟''
''احمر سے پوچھو......اس کے پاس ہوں گی پہلے نثار رکھتا تھا۔''
''ہوں......احمر کو میں نے اسی لیے بلایا ہے۔''
''اس سے کیا ہوگا؟''
''شاید، اس سے بلال کا کوئی تعلق نکل آئے......''
''اب کیا فائدہ......؟''
''آپا جان......ہم ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ہم نے اس خاندان کی مسلمان اولاد کو بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا۔ نثار ٹھیک ناراض ہوتا تھا اسے بلال سے بہت محبت تھی کہ اس کی میت کو پاکستان میں دفنایا، اس کی زندگی وفا کرتی تو وہ اس کی بیوی اور بچی کو بھی پاکستان لے کر آتا......اس کا حق دلواتا...... بلال کی روح کتنی بے چین و بے کل ہوگی۔''
آپا جان خاموشی سے سن رہی تھیں۔
''ویسے بھی یہ آپ لوگوں کے گھر کا معاملہ تھا اس لیے میں کچھ بولا نہیں اور نہ ہی مجھے اس بات کا خیال آیا۔ لیکن اب بھی ہم کچھ کر سکتے ہیں۔''
''کیا کر سکتے ہیں بھلا ؟ اتنے برسوں گزر گئے ہیں کہاں جا کر ڈھونڈیں گے، اس کی بچی بھی اب بڑی ہو چکی ہوگی، شادی شدہ جانے کہاں ہوگی۔'' آپا جان زیرِ لب بڑبڑا رہی تھیں۔
''نثار...'' کریم حسن نے گہری سانس لی۔'' نثار ٹھیک کہتا تھا۔ مگر ابا جان نے ایک نہ سنی نہیں بلوانے دیا۔ پھر نثار مر گیا۔ قصہ ختم ہو گیا۔ بلال سے رابطہ، تعلق، سب کچھ ختم...''
ہلکا سا ملال، دکھ، تاسف تو۔ زبیدہ بیگم چپ چاپ شوہر اور بہن کی بحث و تکرار سن رہی تھیں۔ انہیں بھی اب صرف مشابہت ہی لگ رہی تھی محض اتفاق مگر ایسا اتفاق واقعی دنیا میں ایک جیسی سات شکلیں ہوتی ہیں۔

☆☆☆

احمر نثار نے اپنے بیگ سے پرانی تصویروں والا البم نکال کر اسامہ کے دادا کی طرف بڑھایا۔ وہ بے چینی سے کھولتے چلے گئے۔ بلال، نثار، زبیدہ، بڑی آپا، چھوٹی آپا، بڑے بھیا، کے بچپن کی تصویریں تھیں۔ دوسرا کھولا اس میں جوانی، تعلیمی اداروں کی، فیملی، خاندان کے افراد، شادیوں کی تصویریں تھیں ایک، ایک کر کے سب دیکھ لیں۔
بلال کی مختلف ادوار کی تصویریں تھیں۔ انہیں یاد ہے کہ بلال نے اپنی شادی کی تصویر بھیجی تھی۔ زبیدہ نے انہیں غصے میں دکھائی تھیں۔ نوعمر بلال سے ان کی دوستی تھی۔ زبیدہ کا چھوٹا بھائی تھا۔
''دیکھ لیں شادی کر لی، بلال نے ہمیں تصویریں بھیج رہا ہے......جانے کیا نظر آیا اس پردیس میں، خاندان کی کوئی لڑکی نہ ملی تھی اسے......''
دو چار بند لفافے بھی نظر آئے، کھول ڈالے۔ مایوس ہو کر وہ احمر سے سب سمیٹنے کے لیے کہہ رہے تھے کہ ایک چھوٹے سے لفافے پر نگاہ پڑ گئی۔ بے اختیار قالین سے اٹھایا۔ لفافے پر لکھا تھا۔
''جانِ عزیز میرا بھائی......'' بے چینی سے کھولا۔ تین تصویریں تھیں، ایک بلال کی، باقی دو مما

بلال اور اس کی بیوی تھے، اچھی خوش شکل، پیاری سی لڑکی بالوں میں اسکارف بندھا تھا ہاتھ میں بیگ تھا بلال کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔

''میں اور میری بیوی رباب'' پیچھے لکھا تھا۔

کریم حسن نواز دیکھنے لگے، زبیدہ بیگم اور آپا جان نماز عصر پڑھ رہی تھیں۔

وہ دیکھتے گئے، جانے کیوں نثار کی البم اٹھالی۔

نثار اور بلال کی مختلف پوز میں تصویریں تھیں۔

دوسری البم اٹھالی، نثار، اس کی بیوی اور بچے وہ دیکھتے رہے، دیکھتے رہے پھر رک گئے۔ ان کی مطلوبہ تصویر مل گئی تھی۔

یہ چار تصویریں تھیں ایک بچی کی جو تقریباً چھ، سات سال کی تھی۔ دوسری بلال، رباب کے ساتھ اور مختلف موقعوں پر نثار کے بچوں کے ساتھ بھی۔

کریم حسن نواز نے وہ تصویریں نکال لیں۔

''باقی سب سمیٹ لو اور اگر بلال چاچو کی کوئی تصویر ملے تو نکال لینا۔''

کریم حسن دلچسپی سے تصویریں دیکھ رہے تھے تصویر کے پیچھے لکھا تھا''میں رباب اور مریم۔'' بچی کی تصویر کے پیچھے لکھا تھا'' میری پیاری بیٹی مریم'' بے حد خوب صورت بچی تھی۔ اور انہوں نے گہری سانس لی۔

اسامہ کی دوست مریم کی شباہت بلال میں صاف نظر آرہی تھی، رباب کے نقش مختلف تھے۔

مسلمان لیلی......

''یہ مریم عیسائی ہے۔''

''ہاں۔'' انہوں نے گہری سانس لی۔

یہ صرف مشابہت، شباہت اور اتفاق تھا۔

تبھی...... زویا کے ساتھ مریم بھی آگئی۔

مریم کو آپا جان بھی اچھی لگی تھیں۔ ان سے ملنے کے خیال سے باتیں کرنے کے خیال سے وہ زویا کو لے کر آئی تھی۔

اب وہ ان سے باتیں کررہی تھی۔ زویا کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔

آپا جان اسے دیکھے گئیں۔ بلال تو ان کی گود میں کھیلا، بڑھا جوان ہوا تھا ان کی اماں بلال کی پیدائش کے بعد گٹھیا کے مرض میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھیں۔

انہیں لگا، سامنے بیٹھا بلال ہنس رہا ہو اس کی ذک آنکھیں، سامنے ہونٹ بے چینی ان کے اندر سرایت کر گئی وہی اضطراب جو زبیدہ بیگم کے اندر ہچکولے لے رہا تھا مریم کی بات پر نگاہ ترچھی کرکے زویا کو دیکھ رہی تھی۔

''زویا۔'' کریم حسن نے اسے پکارا۔

''جی۔ دادا جان''

''یہ کچھ پرانی تصویریں ہیں مریم کو دکھاؤ۔''

''جی۔'' وہ حیران ہوئی۔

''یہ کیا کرے گی دیکھ کر؟''

''او یہ لو ساتھ میں اپنی دادی کی جوانی بھی دکھادو۔'' کچھ اور تصویریں بھی دکھائیں۔ اور احراب بیگ میں البم رکھ رہا تھا پھر ایک تصویر اور نکال لی...... آپا جان کی دلہن بنی ہوئی۔ اب کے زویا چونکی تھی۔ اور اس نے پہلے مریم کو اور پھر آپا جان کو دیکھا تھا۔

''دکھاؤ......'' کریم حسن کے اندر بے چینی تھی۔

''یہ...... یہ دیکھو مریم......دادی کی جوانی اور شادی کی تصویریں......''

کریم حسن اٹھ کر قریب آگئے، مریم کے بالکل سامنے...... مریم ایک، ایک کرکے تصویریں دیکھ رہی تھی، ایک، دو، تین، سب دیکھ لیں، بلال، رباب اس بچی کی بھی...... مریم کے چہرے پر پہچان کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

کریم حسن گہری سانس لے کر رہ گئے۔

اب وہ دوبارہ سے تصویریں دیکھتے ہوئے زویا کو دے رہی تھی۔ بلال، رباب اور بچی کی تصویروں کو اس نے ایک بار پھر سے دیکھا تھا۔

محض اتفاق وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ ان کی آخری کوشش بھی بے سود گئی۔

''بگ گرینڈ ماما ویری پریٹی اینڈ بیوٹی فل۔'' مریم مسکرا رہی تھی۔ اور زویا، آپا جان کو دیکھ رہی تھی۔

(ان شاء اللہ اختتامی حصہ اگلے ماہ)

شمع ہدایت

اختر شجاعت

مودت اہل بیت

تمام تر حمد و ثنا اللہ رب العزت کے لیے ہے جو ہمارا مالک، خالق اور رازق ہے...... تمام تعریف اللہ کے لیے ہی ہے کہ اس نے ہمیں اپنی ذات کو پہچاننے کا شرف عطا کیا۔ حمد و شکر کا طریقہ سمجھایا اور اپنی پروردگاری پر علم و اطلاع کے دروازے ہمارے لیے کھول دیے۔ اے میرے رب! ایسی حمد کر سکیں کہ جس کی بدولت ہمارے لیے برزخ کی تاریکیاں چھٹ جائیں تو ہمارے لیے قیامت کی راہوں کو آسان کردے...... اور حشر کے دن ہماری قدر و منزلت کو بلند کردے۔

تمام تر تعریف اس خالق کے لیے جو ایسا اول ہے جس سے پہلے کوئی اول نہ تھا اور ایسا آخر ہے جس کے بعد کوئی آخر نہ ہوگا...... وہ رب جس کے دیکھنے سے دیکھنے والوں کی آنکھیں عاجز اور جس کی توصیف و ثنا سے وصف بیان کرنے والوں کی عقلیں قاصر ہیں۔ جو بلند و بالا شان والا ہے جس کی کوئی مثل و نظیر نہیں ہے۔ اے ہمارے مہربان رب! ہم پر مہربانی فرما...... ہم تیری بارگاہ میں اپنے گناہوں کی توبہ کرتے ہیں، ہماری خطاؤں کو، گناہوں کو معاف فرمادے کہ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے...... اے اللہ! ہم سے جہاں، جہاں کوتاہی ہوئی ہے اس کے لیے عفو و بخشش کی طلب گار ہوں۔

اے اللہ! تو رحمت اور برکت نازل فرما آقا ﷺ پر ان کی آلؑ پر اور اصحابؓ پر...... درود و سلام ہو......

اپنے موضوع پر بات کرنے سے پہلے کچھ باتیں کچھ چیزیں واضح کرنا چاہوں گی تاکہ میرے اس مضمون کو آپ بہ آسانی سمجھ سکیں۔ یہ مضمون لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ کچھ عرصے سے اس بات کا بہت شدت سے احساس ہورہا تھا کہ آج کل ہمارے معاشرے میں اس امت میں جہاں بہت ساری برائیاں ہمارے اندر سرایت کرتی جارہی ہیں وہاں بہت تیزی سے بدعقیدگی کا ناسور پھیلتا جارہا ہے۔ جہاں جس کا دل چاہا کچھ بھی بول دیا جو چاہا کہہ دیا۔ ان تمام باتوں اور ضابطوں سے آزاد ہوچکے ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں؟ کفریہ کلمات، گستاخانہ کلمات بہت تیزی سے ہماری زبانوں پر آرہے ہیں۔ ہماری زبان، ہمارے خیالات، ہمارے معاملات سب بے لگام ہوچکے ہیں اور ان کے بھیانک نتائج کا احساس تک نہیں...... ہم کیسے عجیب لوگ اور کیسے عجیب مسلمان ہیں۔ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان کسی غیر نے نہیں خود مسلمانوں نے پہنچایا ہے۔ مسلکوں میں بٹ کر، فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے علمی مقام و مرتبے سے گرتے چلے جارہے ہیں...... اس امت کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ خدارا رحم کیجیے اور تنگ نظری اور تعصب کی عینک اتار کر علم کی طرف آئیں اور اس کا بہترین منبع اللہ کی الہامی آسمانی کتاب ''قرآن حکیم'' ہے اور آج ہم اسی کتاب ہدایت سے دور ہوچکے ہیں...... اسی لیے ہمارے اندر چند ایسے شر پسند عناصر داخل ہوگئے ہیں جو ہمارے دین کو بگاڑ رہے ہیں، ہماری سوچ کو غلط سمت دے کر گمراہیوں کی طرف دھکیل رہے ہیں...... اسی لیے میں بات کروں گی اپنی پاک اور عظیم کتاب قرآن کریم کی اور اس کی روشنی میں اپنے موضوع پر بات کروں گی...... ان شاء اللہ...... ویسے تو میں الحمدللہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے موضوعات کو قلم بند

کرتی ہوں۔ اللہ پاک اس کاوش کو قبول فرمائے۔

آج ہمارا موضوع ''مودت اہل بیت'' ہے......

مودت کے لغوی معنی ہیں پیار، محبت، دوستی، انسیت، چاہت وغیرہ......

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں......اس میں ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے......'' (سورۂ بقرہ)

قرآن پاک میں صاف طور پر فرمایا گیا......

''نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ ان کی بات وحی ہوتی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔'' (سورۂ نجم)

''آپ فرمادیجیے......اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو......خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا......'' (سورۂ آل عمران)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''آپ فرمادیجیے......میں اس پر (تبلیغ رسالت) تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت'' (سورۂ شوریٰ)

کلام اللہ یعنی قرآن کریم......میرے خالق کے احکامات ہیں......جن پر میرے محبوب آقا کریم ﷺ نے عمل کرکے دکھایا......سمجھنے کی اہم بات یہ ہے کہ اس آیت میں یہ حکم اللہ ہے حکم رسالت نہیں......مودت کا معیار آپ سے خود قرآن مانگتا ہے۔ جو تقاضائے خدا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس تقاضے کو کہ نماز پڑھو......روزہ رکھو، حج کرو تو ہمیں اس آیت کو فرض جان کر ماننے کی ضرورت ہے کہ محبت و مودت اہل بیت تقاضائے خدا ہے۔ اور اس حکم پر سب سے پہلے عمل کرنے والے خود میرے کریم آقا ﷺ ہیں۔

آقا کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں تو ہمیں احساس ہوگا کہ آقا کریم نے خود اپنے قرابت داروں سے کس قدر محبت کی......اور ہمیں یعنی پوری امتِ مسلمہ کو کیا حکم دیا۔

☆☆☆

اب ابتدائی طور پر قرآن حکیم کی کچھ آیتوں کا ترجمہ تحریر کررہی ہوں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا مقام ہے......؟ اور آپ کی اطاعت اور اتباع کا کتنی شدت اور کتنی قوت سے حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ......''اور خوشی سے کہا مانو اللہ تعالیٰ اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کیے جاؤ گے......'' (سورۂ آل عمران)

''جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔'' (سورۂ نسا)

''آپ فرمادیجیے......کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے تو تم میرا اتباع کرو......خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا......'' (سورۂ آل عمران)

''اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں اور ان کا ارشاد وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے......'' (سورۂ نجم)

☆☆☆

جب کوئی مسلمان، باعمل ہو اور صاحبِ ایمان ہو تو وہ والہانہ اپنے رب سے محبت کرتا ہے پھر اس کے محبوب رسول اللہ ﷺ سے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خود جسے چاہیں اس کے ساتھ محبت ہونا لازمی ہے۔ اسی لیے اہلِ ایمان، عاشقِ اہل بیت بھی ہوتے ہیں۔

جن کی مدح وستائش اور تعریف وتوصیف قرآن بیان کرے انسان ان کی تعریف کا کیا حق ادا کرسکتا ہے۔ گلستانِ رسالت کی بہاروں اور چمنستانِ نبوت کے پھولوں کے حضور کون سے عقیدت کے پھول پیش کرنے کے قابل ہوسکتے ہیں......آفتابِ عالم کی درخشندہ کرنوں کے حضور ایک حقیر ذرہ کیا نذر پیش کرسکتا ہے۔

خداوند قدوس نے اپنے کلام بلاغت، قرآن پاک میں اپنے محبوب ﷺ کو ارشاد فرمایا......''محبوب اعلان فرمادیجیے کہ ہم نے تمہیں گمراہی اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کا راستہ دکھایا ہے اور ہم تجھ سے اپنا حقِ تبلیغ یہ مانگتے ہیں کہ ہماری اہل بیت اطہار سے محبت کرو مودت کرو......'' (سورۂ شوریٰ)

صحابہ کرامؓ نے خداوند تعالیٰ کا یہ حکم سنا تو دربار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا......یارسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں فرمادیجیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ لوگ قرابت والے ہیں جن کی محبت اور مودت ہم پر واجب کردی گئی ہے؟ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''یعنی علی فاطمہ، حسن وحسین......'' (تفسیر ابن عربی)

اس آیت کریمہ میں تو صحابہ کرام کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ نے حق تبلیغ مانگنے کے لیے ارشاد فرمایا......اور پھر صحابہ رضوان اللہ کے پوچھنے پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری، پوری وضاحت فرمادی ہے کہ تمہاری محبت ومودت کے حقدار جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم، جناب فاطمۃ الزہراؓ اور جناب حسنین کریمین سلام اللہ علیہم......ہیں۔

قرآن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ ہی نے اس کی تفسیر فرمادی پھر تاویلوں کی کیا ضرورت ہے......آقا کریم صاحب قرآن ہیں جس کے لیے جو چاہیں اعزاز مخصوص فرمادیں......آپ مالک و مختار ہیں صاحب اختیار ہیں۔

آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والہانہ محبت و شفقت کا اندازہ تو کیجیے جب یہ آیت نازل ہوتی ہے کہ ''اے نبی کے گھر والوں، اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر آلودگی کو دور کرکے تمہیں خوب پاکیزہ کردے......'' (سورۂ احزاب) جب اس آیت کا نزول ہوا تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز دی۔

''علی آجاؤ......بیٹی فاطمہ تم بھی آؤ اور حسن وحسین کو بھی ساتھ لیتی آؤ......'' چاروں نفوس قدسیہ حاضر ہوگئے تب آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرف حضرت علیؓ کو بٹھایا اور دوسری جانب سیدہ فاطمہ الزہراؓ کو بٹھایا جناب حسنؓ وحسینؓ کو گود میں لیا اور شانِ مزمل کی حامل مقدس کملی میں سب کو چھپالیا اور رب عالم عزوجل کی بارگاہ میں دعا کی۔

''یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر آلودگی کو دور فرماکر خوب پاکیزہ فرمادے......'' یوں تو آپ پوری کائنات کے لیے رحمت بن کر آئے ہیں،

[illegible]

......آقا کریم نے عرض کیا ''یا اللہ میں [illegible] ہوں اور یہ میرے محبوب ہیں تو بھی ان سے محبت فرما۔''

☆☆☆

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور حسنؓ وحسینؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا...... ''ہماری اس سے لڑائی ہے جو ان سے لڑے گا اور اس سے صلح ہے جو ان سے صلح رکھے گا......'' پھر فرمایا...... ''جو ان سے محبت رکھے گا ہم اس سے محبت رکھیں گے جو ان سے بغض رکھے گا ہم اس سے عداوت رکھیں گے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں میں سب سے زیادہ محبت فاطمہؓ سے فرماتے تھے اور مردوں میں سے علیؓ کے ساتھ......''

حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بے شک میں تم میں دو نائب چھوڑ کر جارہا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ آسمان و زمین کے درمیان پھیلی ہوئی رسی (کی طرح) ہے اور میری عزت یعنی میرے اہل بیت اور یہ کہ یہ دونوں اس وقت تک ہرگز جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں پہنچ پاتے۔''

''حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں

نے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے۔ ''اے لوگو! میں تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم انہیں پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے..... (ان میں سے ایک) اللہ تعالیٰ کی کتاب اور (دوسری چیز) میرے گھر والے ہیں۔''

حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خطبہ دینے کے لیے مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اس تالاب پر کھڑے ہوئے جسے خم کہتے ہیں..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا..... ''اے لوگو! عنقریب میرے رب کا پیغام لانے والا فرشتہ (یعنی فرشتۂ اجل) میرے پاس آئے گا اور میں اسے لبیک کہوں گا، میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب اللہ (کی تعلیمات پر عمل کرنے پر) ابھارا اور اس کی ترغیب دی پھر فرمایا۔ اور دوسرے میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں..... میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں.....''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور ان نعمتوں کی وجہ سے جو اس نے تمہیں عطا فرمائیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی خاطر محبت کرو.....''

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم میں سے بہترین وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل بیت کے لیے بہترین ہے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی طرف نظرِ التفات کی اور فرمایا۔ ''جو تم سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا جو تم سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا..... (یعنی جو تمہارا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو تمہارا دوست ہے وہ میرا بھی دوست ہے)''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے تھے کہ آخری چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ ''مجھے میرے اہل بیت میں تلاش کرو۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے پس جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا..... ''اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا (اور اس سے اناج اور نباتات اگائے) اور جس نے جانداروں کو پیدا کیا۔ حضور نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجھ سے عہد ہے کہ مجھ سے صرف مومن ہی محبت کرے گا اور صرف منافق ہی مجھ سے بغض رکھے گا۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''حسینؓ مجھ سے ہے میں حسینؓ سے ہوں.....''

اتنی احادیث کی روشنی میں یقیناً آپ کو مقامِ اہل بیت اور محبتِ اہل بیت سمجھ آگئی ہوگی۔

☆☆☆

نانا ہوں امام الانبیاؐ، نانی ہوں خدیجۃ الکبریٰؓ، باپ ہوں سلطان اولیاؓ، ماں ہوں سیدۃ النساؓ تو بیٹے پیدا ہوتے ہیں حسنؓ اور حسینؓ..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دونوں نواسوں سے بے حد محبت تھی۔ آپ کی شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ دونوں بھائی بچپن میں حالتِ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر چڑھ جاتے کبھی ٹانگوں کے درمیان میں سے گزرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالتِ نماز میں بھی آپ کا خیال رکھتے..... اپنا سجدہ طویل کردیتے، سجدے سے سر نہ اٹھاتے۔ جب تک یہ پشت سے اتر نہ جاتے..... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو گود میں لیتے کبھی کندھے پر سوار کرتے اور ان کا بوسہ لیتے، انہیں سونگھتے اور فرماتے تم اللہ کی عطا کردہ خوشبو ہو..... دونوں بھائی بہت ہی عبادت گزار تھے۔ دونوں نے بار، بار مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کا سفرِ حج پیدل چل کر طے کیا۔

اللہ کے راستے میں کثرت سے مال خرچ کرتے تھے... جو دو سخا ماں، باپ اور نانا جان سے وراثت میں ملی تھی..... سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مقدس شہزادوں کی فضیلت کون بیان کرسکتا ہے۔

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے..... کہ ''جس نے میرے شہزادوں سے محبت کی اس نے ہم سے محبت کی جس نے ان سے بغض رکھا اس نے ہم سے بغض رکھا جس نے ان کو غضبناک کیا اس نے ہم کو غضبناک کیا..... جس نے ہم کو غضبناک کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو غضبناک کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو غضبناک کیا... اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔''

دین میں جو بگاڑ ہے درحقیقت یہ کینہ پروری ہے جو صدیوں سے کینہ تھا۔ بدر کے مقام پر تھا..... خلافتوں پر تھا..... پھر کربلا میں نکلا اور اس کینے نے ہی ساری تباہی و بربادی پھیلائی۔

اس کینے کی بدولت خلفائے راشدین نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بہت تکالیف اٹھائیں۔ درحقیقت ہم قرآن سے دور ہوگئے۔ اس کی ہدایت اور رہنمائی سے دور ہوگئے..... قرآن فہمی کو راستے میں ہی روک دیا گیا بلکہ زیادہ اہمیت اس بات کی ہوگئی کہ فلاں محدث نے یہ کہا، فلاں نے یہ کہا..... گروہوں میں، مسلکوں میں الجھایا گیا' فرقہ واریت میں الجھایا گیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کوئی محدث، مفسر افضل ہوگیا قرآن کریم سے.....؟

بس جب قرآن اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبت و مودت کا تقاضا کیا تو پھر کسی کے قول کی ضرورت نہیں رہ جاتی..... تقاضائے محبت و مودت اہل بیت کسی مسلک، کسی فرقے، کسی جماعت کے لیے نہیں اترا ہے..... یہ تقاضائے محبت قرآن کا ہے تو جس دل میں بغض و عناد ہو وہاں تجلیاتِ الٰہی نہیں اترا کرتیں۔

جس طرح پروردگار رب العالمین ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت العالمین ہیں اور یہ قیامت تک کے لیے رحمت ہیں۔ تو یہ عقیدۂ محبت اہلِ ایمان کا ہے..... اور جس کا دل محبت اہلِ بیت اطہار سے خالی ہے وہ شخص اہل ایمان نہیں..... محبت رسول، محبت اہل بیت کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتی، وہ شخص جھوٹا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر اس کا دل محبتِ اہل بیت سے خالی ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہی بلکہ چودہ سو سال کی تاریخ میں ہمارے تمام ائمہ کا طریق اور مسلک و مشرب یہی رہا ہے۔ اہلِ سنت کے چاروں ائمہ فقہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مسلک تھا۔ وہ شخص جو محبت و مودت اہل بیت میں خام ہے، کمزور ہے، ناقص ہے تو وہ نہ حنفی ہے، نہ مالکی، نہ شافعی اور نہ حنبلی ہے۔

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ جب مدینہ منورہ گئے تو حضرت امام محمد باقرؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا..... ''آپؒ کی حرمت اور تعظیم و تکریم مجھ پر اسی طرح واجب ہے جس طرح صحابہ کرام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم واجب تھی۔''

حضرت امام ابو حنیفہؒ کو حضرت امام جعفر صادقؒ کے شاگرد ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔ آپؒ کے زمانے میں اہل بیت اطہار کے نو امام حیات تھے اور آپ نے ہر ایک کے پاس جاکر زانوئے تلمذ طے کیا..... ائمہ اہل بیت اطہار میں سے جو امام بھی بنوامیہ اور بنو عباس کی ظالمانہ حکومتوں یا حکمرانوں کے خلاف خروج کرتے..... آپؒ خفیہ، طور پر اپنے تلامذہ کے ذریعے بارہ، بارہ ہزار درہم تک بطور نذرانہ اہل بیت کی خدمت میں بھیجتے۔

حضرت امام مالک بن انسؒ آپ ائمہ اہل بیت کے شاگرد تھے اور ان کی محبت و مودت میں فنا تھے..... طلاق کے مسئلے کو بہانہ بنا کر بنو عباس کے حکمرانوں نے امام مالکؒ کو اہل بیت سے محبت کی یہ سزا دی یہاں تک کہ آپؒ کے سر اور داڑھی کو مونڈھ دیا اور سواری پر بٹھا کر مدینے کی گلیوں میں گھمایا اور حکم دیا کہ

سب کو بتاؤ کہ میں امام مالک ہوں..... آپؒ کہتے جاتے جو مجھے پہچانتا ہے پہچان لے کہ میں کون ہوں اور جو مجھے اس حال میں دیکھ کر نہیں پہچان رہا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں... اس واقعے کے بعد آپ 25 سال تک گھر میں گوشہ نشین رہے۔ اور باہر نہیں نکلے۔

حضرت امام شافعیؒ پر اہل بیت اطہار کی محبت و مودت کی وجہ سے ملاؤں نے آپؒ پر رافضی وشیعہ ہونے کے فتوے لگائے آپؒ کی فطرت میں محبت اہل بیت تھی۔ آپؒ کے علم اور ایمان کا خمیر محبت اور مودت اہل بیت سے اٹھا تھا۔ آپؒ نے اپنے دیوانوں میں ایک رباعی لکھی۔

(اے اہل بیت رسول تمہاری محبت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرض کر دی ہے اور اس کا حکم قرآن میں نازل ہوا ہے)

(اے اہل بیت تمہاری عظمت اور تمہاری شان اور تمہاری مکانت کی بلندی کے لیے اتنی دلیل کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی)

دوسرے مقام پر فرمایا..... کہ ”اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے کا مطلب رافضی وشیعہ ہو جانا ہے تو سارا جہان جان لے کہ میں رافضی ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی اہل بیت اطہار کے ساتھ محبت اور مودت بھی لاجواب تھی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کوڑے کھائے مگر مودت نہیں چھوڑی۔ امام مالکؒ نے کوڑے کھائے لیکن محبت نہیں چھوڑی..... امام شافعیؒ نے رافضی وشیعہ ہونے کی بات سہی مگر مودت نہیں چھوڑی..... امام احمد بن حنبلؒ نے کوڑے کھائے مگر محبت نہیں چھوڑی..... تمام اولیاء ابدال، اقطاب اور اغواث محبت ومودت اہل بیت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

حضرت امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے کہا..... یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب قریش باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے منہ سے..... جیسے کہ اجنبی ہیں.....“ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت غصہ آیا اور فرمایا..... ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی انسان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا جب تک وہ اللہ اور رسول کے واسطے تم لوگوں سے محبت نہ کرے.....“ (تفسیر مواہب الرحمان)

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں اور دیگر قریبی رشتے داروں سے اگر کوئی شخص محبت نہیں رکھتا وہ مومن نہیں ہوسکتا تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد فاطمۃ الزہراؓ، حسنؓ و حسینؓ سے جو محبت نہیں رکھتا وہ کیسے مومن ہوسکتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا کہ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وخوشنودی کو آپ کی اہل بیت میں طلب کرو.....“

☆☆☆

ایک آدمی نے امام زین العابدینؓ سے کہا کہ آپ ہر وقت ہی غم ناک ہی رہتے ہیں اور آپ کے آنسو بھی خشک نہیں ہوتے..... امام زین العابدین علیہ السلام نے جواب دیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہوئے تھے (فوت نہیں ہوئے تھے) تب حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں ان کے غم و فراق میں رو، رو کر سفید ہو گئی تھیں..... میں نے تو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے گھر کے اٹھارہ افراد دشمن کے ہاتھوں ذبح ہوتے ہوئے دیکھے ہیں، میں کیسے غم ناک نہ ہوں اور کیسے نہ روؤں کہ ان کے غم کی وجہ سے میرے دل کے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔

جب مختار ثقفی نے اعلان کیا کہ جو لوگ قتل حسینؓ میں شریک ہوئے ہیں ان سے بدلہ لیا جائے گا تو لوگ خوف کے مارے روپوش ہونے لگے۔ ان میں سنان بن انس بھی حضرت امام حسینؓ کے قتل کا مدعی تھا۔ چنانچہ روپوش ہو کر اپنی جان بچاتا پھر رہا تھا..... ایک دن بھوک اور پیاس کی شدت سے پانی اور خوراک کی تلاش میں تھا کہ صحرا میں کچھ خیمے نظر آئے وہ اس طرف بڑھا اور ایک خیمے کے نزدیک پہنچا اور خیمے کا پردہ اٹھایا تھا کہ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ خیمے حضرت امام زین العابدینؓ کے تھے جو سفر حج کے سلسلے میں لگائے ہوئے تھے..... آپؓ نے ایک خادم کو اس کے پیچھے دوڑایا..... جب خادم اسے لے کر واپس آیا تو آپؓ نے پوچھا..... اے شخص! تم کس لیے آئے تھے..... اس نے کہا کہ میں بھوک پیاس سے نڈھال تھا۔ خیمے دیکھ کر آیا تھا تاکہ کھانا اور پانی مل سکے..... آپؓ نے اسے تین دن مہمان رکھا تیسرے دن اشرفیوں کی تھیلی زادِ راہ کے لیے دے کر رخصت کیا۔ تو وہ شخص کہنے لگا کہ شاید آپؓ نے مجھے پہچانا نہیں.....؟ حضرت امام زید العابدینؓ نے فرمایا..... ہم نے تمہیں اسی وقت پہچان لیا تھا جب تم نے ہمارے خیمے کا پردہ اٹھایا تھا کیا تم سنان بن انس نہیں ہو جس نے میرے نوجوان بھائی علی اکبر کے کلیجے میں برچھی ماری تھی اس کے بعد اس برچھی کو فخریہ ہوا میں لہرایا تھا اس کے بعد امام نے فرمایا..... ”سنو..... وہ تمہارا کردار تھا اور یہ ہمارا اخلاق [illegible] دشمن کو بھی قدرت رکھنے کے باوجود کچھ نہیں [illegible] یہ نبیؐ کی آلؓ.....

☆☆☆

اب خارجیوں، ناصبیوں اور دشمنانِ اہل بیت کو یہ [illegible] سے زائد گزر گئے شہادت امام حسین علیہ السلام کا در [illegible] ہونے کو نہیں آتا..... حالانکہ اور شہادتیں بھی ہوئی ہیں..... لیکن جو لوگ نابینا ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے شعورِ ایمانی نہیں دیا جن کو معرفتِ وجدانی نصیب نہیں ہوئی۔ جنہیں احادیث وفرامین نبوی ﷺ کی معرفت نہیں..... وہ صرف یہی سوچتے ہیں کہ شہادتیں تو بہت ہوئیں ایک حسینؓ کی شہادت کا ذکر کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جتنی شہادتیں ہوئیں وہ اسی ایک مقدس ہستی کی شہادت تھی جس کی شہادت ہوئی۔ جبکہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت ایک فرد کی نہیں بلکہ پوری امت کی شہادت ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام گر ایک فرد ہوتے تو شاید ان کی شہادت کا ذکر بھی عام شہادتوں کی طرح ہوتا مگر وہ ایک امت میں بدل گئے تھے اب جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت قیامت تک ختم نہیں ہوسکتی اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر قیامت تک ختم نہیں ہوسکتا۔

”بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصود کائنات
خیر النساءؓ حسینؓ و حسنؓ مصطفیٰ علیؓ“
(بیدم وارثی)

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے محبتِ حسینؓ اور مودت اہل بیت مصطفیٰ ﷺ نصیب فرمائے... اور شر انگیزیوں سے ہمارے ایمان کو محفوظ رکھے، آمین۔

حرفِ آخر:

اے میرے رب کریم.....! تیرے محبوبؐ کی آلؑ کی شان ومحبت میں تھوڑا بہت لکھنے کی کوشش کی دکھ یہ ہے کہ جو لکھنا چاہتی تھی لکھ نہ سکی بہت زیادہ تشنگی باقی رہ گئی۔

تو اے میرے پیارے رب! اس مضمون میں کہیں کوئی غلطی، کوتاہی، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین میں ہوگئی تو میرے کریم رب اپنی اس کم فہم اور حقیر بندی کو معاف فرما..... اور میری اس تحریر کو ذریعۂ نجات بنا دے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور ان کی آلؓ سے اور ان کے اصحاب پاک سے محبت عطا فرما۔

اے رب کریم..... جن عظیم ہستیوں کے کتب سے مضامین منتخب کیے ہیں ان کے درجات بلند فرما..... آمین، الٰہی آمین.....

۱۔ مسند فاطمۃ الزہراؓ..... حضرت امام جلال الدین سیوطی
۲۔ شہید ابن شہید..... حضرت علامہ صائم چشتی
۳۔ امام زین العابدین..... مفتی غلام رسول نقشبندیؒ
۴۔ سفیرانِ حرم..... جناب خان آصف خان
۵۔ خرج البحرین فی مناقب الحسین..... ڈاکٹر محمد طاہر القادری

وہ آئے بزم میں

نزہت اصغر

سبق آموز، دلچسپ اور اصلاحی کہانیاں لکھنے والی مایہ ناز قلمکار

نگہت اعظمی کی بزم میں خوشگوار آمد

خواہرانِ عزیز...... آپ کے لیے ایک دفعہ پھر بزم سجائی گئی ہے...... جیسے، جیسے ہماری معزز رائٹر بہنیں وقت دیتی ہیں ہم آپ کے لیے یہ دلچسپ سلسلہ لے کر آجاتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے، بہنوں کو ہر ماہ کسی نہ کسی قلم کار سے ملاقات پسند ہے سو آپ کی پسند اور فرمائش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آج ایک اور اصلاحی کہانیاں لکھنے والی مصنفہ محترمہ نگہت اعظمی کے ساتھ محفل سجائی ہے جن کی سادہ مگر موثر دلچسپ باتیں آپ کو یقیناً لطف اندوز کریں گی۔ رائٹر سے

بات کرنے میں ان کی ... نئے مشاہدات، تجربات اور خوب صورت باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ تو آج ماہنامہ پاکیزہ کی بہت پیاری مصنفہ نگہت اعظمی کی بزم جگمگ، جگمگ کر رہی ہے۔

پاکیزہ◇...... آپ کو اپنی بزم میں خوش آمدید کہتے ہیں آپ کو اس محفل میں آنا کیسا لگ رہا ہے؟

نگہت اعظمی ❖...... بہت زیادہ اچھا لگا، بہت خواہش تھی کہ ہمیں بھی کوئی اس پاکیزہ بزم میں مدعو کرے۔ (جی بالکل آپ کی آمد سر آنکھوں پر)

پاکیزہ◇...... نگہت صاحبہ آپ کو بسیار نویس تو نہیں کہا جا سکتا مگر آپ نے جب بھی لکھا بہت سادہ طرزِ بیان مگر موثر طرزِ تحریر اپنایا تو پھر زیادہ کیوں نہیں لکھتیں؟

نگہت اعظمی ❖...... میرا خیال ہے میں نے جتنا بھی لکھا اچھا خاصا لکھا ہے کیونکہ ہر لکھاری کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ کوئی بہت اچھی تحریر لکھوں لیکن ہر تحریر لکھنے کے بعد یہ دکھ ہوتا ہے کہ اتنا اچھا نہیں لکھا جتنا لکھنا چاہیے تھا، اسی لیے قلم رکھ دیتی ہوں، جس دن یقین ہو جائے گا کہ اچھا لکھنے لگی ہوں تو پھر بغیر وقفے کے بہت سارا لکھوں گی۔ (جی ضرور لکھیں)

پاکیزہ◇...... اچھا پہلے تو پاکیزہ سے دوستی کی داستان پھر آج کے قارئین کو بھی بتائیے؟

نگہت اعظمی ❖...... جب سے لکھنا شروع کیا۔ پاکیزہ میں لکھنے کی خواہش تھی لیکن ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اتنے بڑے پرچے میں ہماری تحریر کیسے چھپ سکتی ہے (آپ کی قدر دانی ہے نگہت صاحبہ) شادی سے پہلے یونیورسٹی کے زمانے میں جنگ اور امن اخبار کے خواتین کے صفحے میں لکھتی رہی۔ پھر شادی کے بعد چھ، سات سال کا وقفہ آگیا۔ کراچی سے پنڈی چلی گئی۔ گورنمنٹ کی نوکری کرلی۔ وہاں ایسا ماحول نہیں ملا۔ پھر سلطانہ مہر صاحبہ جو روزنامہ جنگ کے خواتین کے صفحے کی انچارج تھیں۔ انہوں نے میرے والد سے میرا ایڈریس لے کر مجھے خط بھیجا۔ وہ ایک رسالہ ”روپ“ کے نام سے نکال رہی تھیں تو اس کے لیے انہوں نے مجھے لکھنے کے لیے کہا اور غالباً ایک ... کہ قارئین آپ کی تحریروں کے منتظر رہتے ہیں۔“ بس اس جملے نے ہمیں آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ اور پھر جو قلم ہاتھ میں لیا تو آج تک وہ ہاتھ میں ہی ہے۔ کم کم لکھتی ہوں لیکن لکھنے سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی اور خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو، لکھنا صرف شوق نہیں ہے یہ ایسا ٹانک ہے جو مجھے زندہ رہنے کے لیے انرجی دیتا ہے۔ پاکیزہ سے دوستی 91ء سے ہوئی۔ ایک افسانہ بھیجا وہ چھپ گیا اور پہلی مرتبہ اس کا اعزازیہ ملا تو بتا نہیں سکتی کتنی خوشی ہوئی۔ آج بھی اس لمحے کو سوچتی ہوں تو چاروں اور خوشیوں کے جگنو جگمگانے لگتے ہیں اور پھر وہ دن اور آج کا دن بہت سے رشتے ناتوں سے ناتا ٹوٹ گیا۔ لیکن پاکیزہ سے رشتہ آج تک برقرار ہے۔ اس میں پاکیزہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے کہ اس نے کبھی میری کسی تحریر کو رد نہیں کیا۔ اور غالباً تیس، بتیس سال گزر چکے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھے میری تحریر کا اعزازیہ رسالہ ملنے سے پہلے نہ ملا ہو۔ اس کے لیے میں پاکیزہ کی پوری ٹیم کی تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ تحریر کا جو اعزازیہ ہوتا ہے۔ اس کی میری نظر میں اتنی قدر و قیمت ہے کہ جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی۔ اس سلسلے میں میری والدہ کا یہ طریقہ تھا میں جب پنڈی سے کراچی شفٹ ہوئی تو میں کرائے کے گھر میں رہتی تھی میں نے سب رسالوں کے ایڈیٹرز کو امی کے گھر کا پتا دیا تھا۔ جب بھی اعزازیے کا منی آرڈر آتا وہ میری والدہ خود وصول کرلیتیں اور اسے منی آرڈر کی رسید میں لپیٹ کر بڑی حفاظت سے رکھتیں جب میں ان کے گھر جاتی وہ خوشی سے دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ مجھے یہ اعزازیہ تھماتیں اور کہتیں۔ ”میں یہ کسی کو نہیں دیتی، تمہارا انتظار کرتی ہوں کہ اپنے ہاتھوں سے تمہیں دوں...... کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم لاکھوں بھی کما لو لیکن ان چند سو روپوں کی تمہیں جتنی خوشی ہوتی ہے، وہ لاکھوں کما کر بھی نہیں ہوسکتی۔“ دراصل یہ اعزازیہ پیسے نہیں ہوتے، یہ آپ کی صلاحیت کا اعتراف ہوتا ہے۔ (اُف کتنی پیاری یادیں اور باتیں نگہت آپ نے شیئر کیں، ہم تو خود کہتے ہیں ہر قلم کار قابلِ ستائش ہے، اس کے لفظوں کا، اس کے جذبوں کا کوئی مول نہیں)

پاکیزہ◇...... آپ کیا سمجھتی ہیں ڈیجیٹل طرزِ زندگی

میں کتاب یا اخبار کو ہاتھ میں لے کر پڑھنا آؤٹ ڈیٹڈ ہے؟
نگہت اعظمی ❖ مجھے تو پڑھنے کا مزہ ہی کتاب یا اخبار ہاتھ میں لے کر آتا ہے، میں نے تو آج تک موبائل یا ٹیبلیٹ پر کچھ پڑھا ہی نہیں اس لیے میں تو اسے out dated نہیں سمجھتی۔ میرے خیال میں کتاب، کتاب ہوتی ہے، موبائل، موبائل ہوتا ہے۔ جن کو کتاب کے بغیر پڑھنے کا مزہ نہیں آتا، وہ کبھی کتاب کے بغیر نہیں پڑھ سکتے نہ کتاب کو آپ out dated کہہ سکتے ہیں اور نہ موبائل کو up dated یہ تو اپنی اپنی چوائس ہے (بالکل درست کہا ایک ایجاد دوسرے کی نفی نہیں کرتی بلکہ مددگار ہوتی ہے)
پاکیزہ ◇......ارے آج کل اسی قسم کی باتیں کی جا رہی ہیں کہ سب کچھ آن لائن ہوگیا ہے...... ہے ناں؟
نگہت اعظمی ❖......اس میں کیا شک ہے کہ ہر چیز آن لائن ہے اور ہر چیز on line ہی مل جاتی ہے پھر بھی بازار موجود ہیں...... دکانیں موجود ہیں، بینک موجود ہیں، جب ہر چیز آن لائن مل جاتی ہے تو پھر شاپنگ کی کیا ضرورت مگر اس کے باوجود بازار بھی بھرے ہیں دکانیں بھی خریداروں سے بھری ہیں تو اب اگر آپ ہر چیز on line پڑھ سکتے ہیں مگر پھر بھی کتابوں کی ضرورت تو ہے ناں...... کتاب کے بغیر آپ ہسٹری کو کیسے محفوظ کریں گے، کوئی وائرس آجائے سارا نظام ختم ہوجائے گا پھر کیا ہوگا......؟ (کیا سچ کی بات کی ہے۔ ہمیں کتاب کلچر کو ہر حالت میں محفوظ بھی رکھنا ہے اور فروغ بھی دینا ہے)"
پاکیزہ ◇......مگر کتاب کی اہمیت سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا ناں...... یہ انداز بالکل ناقابلِ قبول ہے؟ کیوں، آپ کی کیا رائے ہے؟
نگہت اعظمی ❖......کتاب کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہوسکتی، دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں جا کر دیکھیے، وہاں کیوں لائبریریاں قائم ہیں، ہاں کیوں کتابوں کو محفوظ کیا جا رہا ہے۔ (بے شک وہاں تو خالی بیٹھا کوئی شخص نظر نہیں آتا اخبار، رسائل یا کتب پڑھتے نظر آتے ہیں)
پاکیزہ ◇......اچھا یہ بتائیں کہ کتاب خریدنا عیاشی ہے، فضول خرچی ہے یا پھر اشد ضروری امر بلکہ یہ دیکھا گیا کہ کتابوں کے سلسلے میں فوراً انسان کی کمری ... رہی ... ٹھیک ہے پہلے تو ... ساتھ کر لی ... بھی تو غذا چاہیے آپ کیا کہتی ہیں؟
نگہت اعظمی ❖ میرے خیال میں انتہائی ضروری ہے آج معاشرے میں جو افراتفری ہے، انتشار ہے اس میں بڑی اہم ... کتاب سے دوری ہے، ہماری نانیاں، دادیاں زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں لیکن وہ کتابیں پڑھ کر بہت کچھ سیکھتی تھیں۔ آج بھی بچوں کو کتاب پڑھنے کی عادت ڈالیں تو آپ کو ان میں ضرور مثبت تبدیلی نظر آئے گی، پیٹ کی غذا تو حیوان بھی حاصل کر لیتے ہیں لیکن انسان کو پیٹ کے ساتھ، ساتھ دل، دماغ اور روح کی غذا بھی چاہیے۔ (بالکل درست)
پاکیزہ ◇... آپ نے اب تک جو بھی لکھا اسے ایک مجموعے کی شکل بھی دی؟
نگہت اعظمی ❖......میری چار کتابیں چھپ چکی ہیں، (ماشاءاللہ) دو افسانوں کے مجموعے آ چکے اور صندل کا درخت کے نام سے ایک ناول ہر اشک اک ستارہ اور دو ناولٹ ایک بار کہو...... دعا ہے کہ یہ تعداد بارہ ہوجائے یا بارہ اور یا چودہ۔ (واہ بہت خوب، اللہ پاک آپ کا قلم رواں رکھے، آمین)
پاکیزہ ◇......ایسے کیا موضوعات ہیں جن پر بار، بار لکھنا چاہتی ہیں اور ہر بار ہی نیا انداز ہوتا ہے؟
نگہت اعظمی ❖......گھر اور خاندان کے مسائل۔
پاکیزہ ◇......اپنے مطالعے میں بین الاقوامی ادیبوں کو کس حد تک شامل رکھا؟
نگہت اعظمی ❖......بہت کم نہ پڑھنے کے برابر۔
پاکیزہ ◇......آپ کا اپنی ہم عصر رائٹرز سے کس حد تک رابطہ رہتا ہے، کبھی موضوعات بھی ڈسکس ہوتے ہیں؟
نگہت اعظمی ❖......بہت ہی کم، کبھی کبھار۔
پاکیزہ ◇......ماہنامہ پاکیزہ کی روایت ہے رائٹرز کی گیدرنگ ہو، ملنا جلنا ہو اور کسی نہ کسی بہانے یہ ہوتی جاتا ہے آپ کو کیسا لگتا ہے یہ سب؟
نگہت اعظمی ❖......ایسی گیدرنگ ضرور ہونی چاہیے مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے ویسے اب پاکیزہ نے بہت

وقت سے ... دیا وہ ... میں تو ... پھر وفات ... ہوئی تھی۔ (آپ کے ...) جانی، کو وہ نے بہت ... بدل دیا۔ اب جب بھی ... تھی کہ آپ ضرور دو میں ... ہوں گی، ان شاءاللہ)
پاکیزہ ◇ ... تحریروں میں کیا ... میں رکھتی ہیں؟
نگہت اعظمی ❖ کوئی اچھی، نیکی کی بات ... کسی نہ کسی پیرائے میں قارئین تک پہنچنی چاہیے۔
پاکیزہ ◇......پھر تو آج قلم کاروں کے لیے کہنا چاہیں گی کیونکہ آج کل ... کہانیوں کا خوب رواج ہوگیا ہے کیا اس سے اصل افسانے کی شکل بگڑ رہی نہیں جا رہی؟ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
نگہت اعظمی ❖ .. ایسا تو ہوتا ہے اور ہوگا بھی زمانے کے لحاظ سے تبدیلیاں تو آتی ہیں، افسانے میں تو بہت تبدیلیاں آتی ہیں آج جو افسانے کی شکل ہے وہ آج سے پچاس سال پہلے نہیں تھی۔ میرا نہیں خیال کہ مختصر لکھنے سے افسانے کی شکل بگڑی ہے، بعض اوقات ایک صفحے کا افسانہ اتنا موثر ہوتا ہے جو کئی صفحات پر مشتمل طویل افسانہ نہیں ہوتا۔ (بہت خوب اس سلسلے پر غور کیا جا سکتا ہے)
پاکیزہ ◇......آپ کے اس لکھنے لکھانے کے شوق نے آپ کے گھر والوں و دیگر سرگرمیوں کو کس حد تک متاثر کیا؟
نگہت اعظمی ❖...... میرے لکھنے کے شوق نے میرے اندر اتنی انرجی پیدا کی کہ میں دوسری سرگرمیوں اور اپنے فرائض کو بہت سرگرمی اور پُرجوش طریقے سے انجام دینے لگی، میں جب بھی کوئی افسانہ لکھتی ہوں اس کے بعد جو بھی کام کرتی ہوں وہ بہت لگن اور محنت سے کرتی ہوں۔ (واہ بہت اچھے)
پاکیزہ ◇ ۔ اچھا کچھ اپنی فیملی کے بارے میں بھی بتائیں؟
نگہت اعظمی ❖ ۔ میں نے کراچی یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ماسٹرز کیا پھر شادی ہوکر پنڈی چلی گئی۔ وہاں فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے تحت پاکستان آرمی میں شمولیت اختیار کی اور سینئر ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئی۔ ہم نو بہن، بھائی تھے، بڑے بھائی دانش اقبال کا پچھلے دنوں انتقال ہوگیا انہیں بھی لکھنے لکھانے کا بہت شوق تھا، وہ مرچنٹ نیوی سے ریٹائر ہوکر میڈیا سے وابستہ ہوگئے تھے انہوں نے کئی سیریل پروڈیوس بھی کیے اور ایک بہت مشہور شو خواجہ نوید کی عدالت کا اسکرپٹ بھی لکھتے رہے، ٹی وی سیریلز کے کئی اسکرپٹ لکھے۔ جب مرچنٹ نیوی میں تھے تو سفر نامہ لکھا جو اخبار جہاں میں چھپتا رہا، میرے والد بہت اچھے شاعر اور بہت سینئر صحافی تھے، باقی ہم چھ بہنیں ہیں لکھنے لکھانے کا شوق صرف مجھ کو ہے، میرے بعد والی بہن آرٹسٹ ہے اس نے کراچی اسکول آف آرٹس سے چار سال کا کورس کیا پھر اسے اسی آرٹ کی بدولت ڈاؤ میڈیکل کالج میں بحیثیت آرٹسٹ جاب مل گئی اس کا نام نسرین ہے اور ساری بہنیں ہاؤس وائف ہیں، مجھ سے چھوٹا بھائی نعیم ہے اس نے ایل ایل

بی کیا اور آج کل سول اسپتال کے برن سینٹر میں بحیثیت
ایڈمن آفیسر جاب کر رہا ہے، سب سے چھوٹا بھائی ندیم
کینیڈا میں ہے، اس نے کمپیوٹر سائنس میں MCS کیا
ہے، میرے شوہر statistics میں ایم ایس سی کیا
تھا۔ وہ 2005ء سے دبئی کی ایک گیس کمپنی میں بحیثیت
ایڈمن آفیسر کام کر رہے ہیں، تین بچے ہیں، بڑے بیٹے
حسین ظہٰ نے BBA کر کے اپنا بزنس شروع کر دیا
چھوٹے بیٹے مصطفیٰ حیدر نے ACCA کیا ہے، جاب
بھی کر رہا ہے اور بھائی کے ساتھ بزنس میں بھی شریک
ہے، بیٹی نے DDC سے بی ڈی ایس کیا اور ایک امریکن
ریسرچ فرم میں کام کر رہی ہے۔ بڑی بہو ایم بی اے ہے
اور ایک موبائل کمپنی میں بحیثیت منیجر کے جاب کرتی ہے
چھوٹی بہو content writer ہے۔ وہ گھر میں بیٹھ
کر کام کرتی ہے، داماد نے media sciences
میں BSC کیا ہے، وہ اپنا بزنس کرتا ہے، بڑے بیٹے کو
خدا نے سات سال بعد بیٹا دیا اور چھوٹے بیٹے کے گھر دو
سال بعد بیٹی ہوئی۔ میرا خیال ہے میں نے اپنے بارے
میں بہت زیادہ بتا دیا ہے، تم تو سوال کر کے پچھتا رہی
ہوگی، خیر غلطی کی ہے تو غلطی کا خمیازہ تو بھگتنا پڑتا ہے، اب
بھگتو...... (نہیں بالکل نہیں...... ماشاء اللہ پوری فیملی
اور بچے قابل ہیں، یہ آپ کی تربیت ہے، اللہ پاک آپ
کے خاندان کو سدا ہنستا بستا خوشحال رکھے، آمین)

پاکیزہ ✧......کوئی کہانی لکھتے وقت کیا سوچ ہوتی
ہے معاشرے کے چلتے پھرتے کردار سامنے رہتے ہیں یا
مکمل خیالی کہانی تخلیق کرتی ہیں؟

نگہت اعظمی ❖......میرے ذہن میں کبھی کوئی
خیالی تصور نہیں آتا، میں نے تو ہمیشہ اپنے ارد گرد چلتے
پھرتے کرداروں پر ہی لکھا ہے اور میری کوشش ہوتی ہے
کہ میں اس کردار کی صحیح تصویر پیش کروں اور اس کی تمام
خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کروں اور کوئی نہ کوئی مثبت
پیغام ضرور دوں...... (جبھی تو قاری بہنوں کو آپ کی
تحریروں کا انتظار رہتا ہے)

پاکیزہ ✧......شعر و شاعری سے کس حد تک دلچسپی
ہے، کبھی شعر کی آمد ہوئی؟

نگہت اعظمی ❖......بہت زیادہ دلچسپی نہیں۔

پاکیزہ ✧......اپنی تحریروں میں شاعری سے کس حد
تک مدد لیتی ہیں؟

نگہت اعظمی ❖......بالکل بھی نہیں۔

پاکیزہ ✧......اچھا دیگر باتیں تو ہوتی رہیں گی کچھ
اپنی ذاتی پسند ناپسند بھی قاری بہنوں کو بتائیں مثلاً؟
پسندیدہ لباس، موسم، ذائقہ، خوشبو، پھول، ڈش، تفریحی
مقام، کتاب، شخصیت، کوئی شعر، کوئی یادگار جملہ، کوئی
نصیحت، رشتہ، وغیرہ......؟

نگہت اعظمی ❖......شکر ہے کسی نے تو ہم سے ہماری
ذاتی پسند کے بارے میں بھی پوچھا۔ (ارے یہ تو ہمارا سب
سے ضروری اور دلچسپ سوال ہوتا ہے) لباس میں جینز اور
لانگ شرٹس بہت پسند ہیں لیکن آج تک کبھی نہیں پہنا۔ بس
بچیوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہوں، موسم نہ زیادہ گرمی نہ سردی مگر
برسات کا موسم بالکل نہیں پسند بہت زیادہ ڈپریشن ہوتا ہے،
خوشبوؤں میں گلاب کے پھول کی خوشبو، پھولوں میں بھی
گلاب، جب سے شوگر ہوئی ہے ہر میٹھی ڈش پر جان فدا
ہونے لگتی ہے، اپنے گھر اور خاندان والوں کے درمیان بیٹھ
کر گپ شپ کرنے سے زیادہ کوئی تفریحی مقام پسند نہیں،
کتاب، قرآن پاک اور نہج البلاغہ کے بعد الطاف فاطمہ کا
ناول دستک نہ دو، شخصیت، رسول اللہؐ حضرت علیؑ اور حضرت
فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہ...... اور حضرت زینبؑ۔ کوئی یادگار
جملہ...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔
"جب بھی کسی کے بارے میں گفتگو کرو اپنی ذات
کو میزان بنا لو کہ اگر جو بات تم دوسروں کے بارے میں
کہہ رہے ہو تمہارے بارے میں کہی جائے تو تمہیں کیسا
لگے گا۔" (سبحان اللہ)

پاکیزہ ✧......کوئی ایسا موڑ زندگی میں آیا جب آپ
کی سوچ بالکل بدل گئی۔ ترجیحات بدل گئیں؟

نگہت اعظمی ❖...... پہلی دفعہ ترجیحات جب
بدلیں جب میری شادی ہوئی اور میں کراچی سے پنڈی چلی
گئی۔ دوسری دفعہ جب میرے بچے اس دنیا میں آئے،
تیسری دفعہ جب میرے بچوں کی شادیاں ہوئیں۔ چوتھی
دفعہ جب میری پوتی اور میرا پوتا اس دنیا میں آئے...... (واہ

ترجیحات نے
[illegible]
پاکیزہ ✧......اپنے روز
مرہ کے مشاغل سے بھی آگاہ
کریں بلکہ روٹین بتائیں اور
مصروفیات بھی؟

نگہت اعظمی ❖......فجر
کی نماز اور دعاؤں سے فارغ
ہو کر دوبارہ سو جاتی ہوں، (یقیناً
ریٹائرمنٹ کے بعد کی روٹین
ہوگی) پھر دس بجے سو کر اٹھتی
ہوں، ناشتا کرتی ہوں، تھوڑے
بہت گھر کے کام دیکھتی ہوں،
سلائی سے مجھے عشق ہے لیکن
میں بہت اچھی سلائی نہیں کرتی،
بالکل اسی طرح جس طرح لکھنے
کا مجھے بہت شوق ہے لیکن میں
بہت اچھا لکھ نہیں پاتی۔ سلائی
بہت اچھی نہیں کرتی لیکن
بہوئیں اور بیٹی بہت تعریف
کرتی ہیں کیونکہ انہیں تو سلائی
کی الف ب بھی نہیں آتی، اس لیے جیسا بھی سی دوں وہ
تعریف ہی کرتی ہیں اور میں ان کی تعریف کو سچ سمجھ کر
سلائی کڑھائی کرتی رہتی ہوں...... (ہاہاہا) اس کے علاوہ
خاندان ماشاء اللہ سے بہت بڑا ہے تو ملنا جلنا، شادی، غمی،
بیماری، دکھ میں آنا جانا لگا رہتا ہے، شاید ہی کوئی دن فارغ
ہو جب کہیں جانا نہیں ہوتا۔ (رشتے داروں کے دکھ سکھ میں
شریک رہنا بھی تو عبادت ہے)

پاکیزہ ✧......کوئی ایسا عمل جو خود کرنے میں
دشواری محسوس ہو مگر دوسرے سے توقع رکھتی ہوں؟

نگہت اعظمی ❖......بہت کوشش کرتی ہوں کہ کسی کی
برائی نہ کروں مگر پھر بھی ہو ہی جاتی ہے، یہ کام بہت مشکل ہے،
اور یہی بات کوئی دوسرا کر رہا ہوتا ہے تو بہت برا لگتا ہے۔

پاکیزہ ✧......کس حد تک تنہائی پسند ہیں یا مجلسی ہیں؟

نگہت اعظمی اپنی پیاری فیملی کے ہمراہ

نگہت اعظمی ❖......اب مجھے تنہائی بالکل پسند
نہیں، لوگوں میں رہنا بہت اچھا لگتا ہے۔

پاکیزہ ✧......سیاست میں کس حد تک دلچسپی ہے،
خبریں باقاعدگی سے سنتی رہیں؟

نگہت اعظمی ❖......سیاست میں اس حد تک دلچسپی
ہے کہ عمران خان کی supportor ہوں، اب خبریں
دیکھنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔

پاکیزہ ✧......چھوٹوں کو اکثر کیا نصیحت کرتی ہیں؟

نگہت اعظمی ❖......جو کام کرو، سچائی اور ایمان
داری سے کرو اور خوش ہو کر کرو، کام کو بے دلی سے کرو گے
تو وہ بوجھ بن جائے گا، خوش دلی سے کرو گے تو انجوائے
کرو گے اور اس کا رزلٹ بہترین آئے گا۔ (ویسے یہی
نصیحت میں بھی کرتی ہوں کہ جب کام کرنا ہے تو رو دھو کر

اور بتا، بتا کر جتا، جتا کر کیا کرتا)

پاکیزہ ◇ نئی لکھنے والیوں سے کیا کہیں گی؟

نگہت اعظمی ❖ نئی لکھنے والیاں بہت اچھا لکھ رہی ہیں، مجھے تو ان سے مشورہ چاہیے۔ (بہت خوب)

پاکیزہ ◇... پاکیزہ کا یہ گولڈن جوبلی سال ہے، اپنے گراں قدر خیالات سے بھی ضرور آگاہ کریں؟

نگہت اعظمی ❖ ...اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی ادارے کے لیے پچاس سال گزارنا اس کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے اس کے لیے پاکیزہ کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے، یہ کارواں اسی طرح چلتا رہا تو مجھے یقین ہے کہ یہ سو سال بھی پورے کرلے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ ادارے پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے، (الٰہی آمین بس آپ سب کا تعاون شاملِ حال رہے)

پاکیزہ ◇... پاکیزہ کی بہتری کے لیے کوئی رائے، مشورہ، تجویز، تنقید کوئی بھی نکتہ ہو ضرور بتائیں؟

نگہت اعظمی ❖...سینئر رائٹرز سے اصرار کر کے لکھوائیں۔ پرانا چاول پرانا ہی ہوتا ہے، ان کے لیے تجربات آئندہ آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہوتے ہیں، (یہ بات بھی درست ہے کہ سینئرز سے لکھوائیں مگر اب کتنے تو اللہ کو پیارے ہوگئے اور کتنوں نے قلم کو طاق پر رکھ کر طاق ہی بند کردیا۔ جی اب سوچ رہے ہیں قاری بہنوں کی رائے آجائے تو پرانے ناول بھی دوبارہ دیں۔ بشریٰ رحمٰن کی پیاسی اور لگن کو آج تک لوگ نہیں بھولے۔)

پاکیزہ ◇ ...پاکیزہ کی اس بزم کو آپ پڑھتی ہیں اب خود مہمان بننا کیسا لگا؟

نگہت اعظمی ❖...میرے قدم اس وقت زمین پر نہیں ہیں، میں خود کو فضاؤں میں اڑتا محسوس کررہی ہوں۔ (آپ کی محبت اور خلوص ہے بہن)

پاکیزہ ◇... پاکیزہ قارئین کے لیے بلکہ یوں پوچھ لوں کہ نئی نسل کو کیا پیغام دیں گی؟

نگہت اعظمی ❖...موبائل کے ساتھ ساتھ کتابوں سے بھی ناتا جوڑ کے رکھیں۔ (یہ بہت ضروری ہے)

پاکیزہ ◇ اپنے وطن پاکستان سے محبت کا اظہار اکثر کیسے کرتی ہیں، یوم آزادی یا یوم پاکستان مناتے، نعرے لگاتے یا وطن کے لیے قربانی دینے والوں کی داستانیں سنا کر؟

نگہت اعظمی ❖ بچے گھر کو سجاتے ہیں تو ضرور خوشی کا اظہار کرتی ہوں۔

پاکیزہ ◇ آج کے بچے کس حد تک محبِ وطن ہیں۔ آپ نے کیسا محسوس کیا؟

نگہت اعظمی ❖ ہم سے کہیں زیادہ محبِ وطن ہیں۔ (الحمدللہ)

پاکیزہ ◇... اپنے ملک پاکستان کو کیسا دیکھنا چاہتی ہیں؟

نگہت اعظمی ❖...کرپشن سے پاک صاف ستھرا پاکستان کہ جس کے بارے میں ہم فخر سے سر اٹھا کر کہہ سکیں کہ یہ ہمارا پیارا وطن پاکستان ہے۔

پاکیزہ ◇... کیا محض تقریروں سے حب الوطنی ظاہر کی جاسکتی ہے؟

نگہت اعظمی ❖... تقریروں سے اگر حب الوطنی ظاہر ہوسکتی تو بڑے، بڑے کرپٹ سیاستدان بھی حب الوطن کہلاتے۔ (جی درست کہا)

آخر میں نگہت اعظمی آپ کا بہت شکریہ کہ ہماری بزم کے لیے اتنا وقت نکالا۔

☆☆☆

بہنو! آپ کو یقیناً یہ ملاقات بھی پسند آئی ہوگی، نگہت اعظمی کی باتیں بہت دلچسپ اور پُرحقیقت ہیں۔ اللہ پاک نگہت کا قلم ایسے ہی چلتا رہے اور قارئینِ پاکیزہ اس سے فیضیاب ہوتے رہیں۔

آج کل کے حالات پر ایک چھوٹی سی بات ضرور کہتے چلیں کہ صرف سوشل میڈیا پر دکھ درد کا اظہار کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ عملی زندگی میں ایک دوسرے کے غمخوار، ہمدرد اور غمگسار بنیں۔ اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر رہے۔

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

❁❁❁

میرے ابا

بختاور ابڑو

لکھوں تو تجھ پہ لکھوں میں کچھ خاص ہی بابا جانی
نہ تیرے معیار کے الفاظ نہ ہی کوئی تیرا ثانی

آج میں اپنے ابا جان کے بارے میں آپ سب کو بتانا چاہتی ہوں کہ انہوں نے اپنی زندگی کیسے گزاری اور کردار نبھائے جو مثالوں کے قابل ہیں۔

میرے ابا کے گھر والے بے حد غریب تھے میری دادی نے بڑی مشقت سے بچوں کو پالا۔ میرے ابا کو پڑھنے کا بے حد شوق تھا، میری دادی نے ابا کا شوق دیکھتے ہوئے ان کا اسکول میں ایڈمیشن کرایا۔ نیا، نیا پاکستان تھا ایک نیا شعور آرہا تھا۔ قریبی کوئی اسکول نہیں تھا۔ دور دراز علاقے میں پرائمری اسکول جاتے۔ میری دادی چکی پیس کر ابا کی تعلیم کے لیے پیسے اکٹھے کرتی، سلگتی آگ کی روشنی میں کشیدہ کاری کرتیں راتوں کو جاگ کر ابا کا شوق پورا کرنے کے جتن کرتیں۔ پرائمری تک ابا نے بہت مشکلات دیکھیں۔ میٹرک گھر سے دور رہے اس وقت ابا بتاتے تھے کہ ایک روپیہ کرایہ تھا وہ بھی ان کے پاس نہ تھا دادی بمشکل جمع کرتیں اور دعاؤں کے ساتھ بیٹے کو رخصت کرتیں۔ ابا نے بڑی مشکل سے ایف اے تک تعلیم حاصل کی اور دادی کی دعاؤں سے ابا کو ایجوکیشن کے محکمے میں JVT کی جاب مل گئی۔ اب ابا استاد بن گئے تھے۔ میرے ابا انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ ہمیشہ محنت پر یقین رکھتے تھے۔ ہمارے خاندان میں وہ سب سے پہلے پڑھے لکھے نوجوان تھے، ٹیچر ہونے کے بعد انہوں نے گھر کے سب بچوں کا اسکول میں ایڈمیشن کرایا اور گھر کی ساری ذمے داریاں ابا کے سر پر آگئیں۔

میری امی بھی ماشاء اللہ ابا کے ساتھ شانہ بشانہ چلنے والی بہت صابرہ سی خاتون تھیں حالانکہ وہ بڑے گھر کی بیٹی تھیں لیکن پھر بھی ابا کے ساتھ غربت میں بھی صبر اور شکر کے ساتھ زندگی گزاری اور جب امی کی شادی ہوئی تو امی بتاتی ہیں کہ اس وقت ابا کی تنخواہ ایک سو روپے تھی اسی ایک سو روپے میں ابا کے بھائی، بیوی، بچوں سمیت گزارہ کررہے تھے۔ بس ان کی تنخواہ سے ہی گھر چل رہا تھا۔ ابا کے اپنے بھائیوں کے بیٹے تھے انہیں اسکول میں داخل کرایا اپنے بیٹوں سے بڑھ کر اپنے بھائیوں کے بیٹوں کو ترجیح دی۔ کچھ نے تعلیم حاصل کی کچھ آج بھی ویسے کے ویسے ہی ہیں۔

دادی کے میکے والوں کی طرف سے کوئی خط کا جواب نہیں آتا دادی ابا سے پوچھتیں کوئی خبر آئی۔ ابا اپنی ماں کی تڑپ کو محسوس کررہے تھے پھر ایک بار... انہوں نے ایران کے قریبی ایک دو پوسٹ آفس خط لکھے۔ دادی کا حوالہ دیا اور خط کی پچھلی سمت دادی کے سات بھائی تھے ان سات بھائیوں کے نام لکھ دیے تھے۔ خط کا کوئی ایڈریس بھی نہ تھا اور ابا اپنی اماں کو یقین دلاتے کہ اس دفعہ ضرور جواب آئے گا اگر نہ بھی آیا تو میں خود ایران سائڈ جا کر اپنے ماموں والوں کو ڈھونڈ لوں گا۔ ابا ہمیشہ بولتے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پیاروں سے ملایا تھا۔ 40 سال بعد ملا سکتا ہے تو میرا ابھی وہی رب ہے مجھے بھی یقین ہے میرے ماموں والے بھی ملیں گے۔ اور میں جب تک زندہ ہوں انہیں ڈھونڈتا رہوں گا۔ ابا ہمیشہ قرآن و حدیث کی باتیں کرتے، ہمیشہ پیغمبروں کے قصے سناتے، دین کے بے حد قریب تھے۔

ہم پاکستانی بلوچستان میں تھے اور دادی کے میکے والے بارڈر پار یعنی ایران میں پھر بھی ابا نے کوششیں کر کے دادی کے گھر والوں کو ڈھونڈ نکالا۔ یہ ایک لمبی

مگر کافی دلچسپ داستان ہے کہ بچھڑے ہوئے کیسے ملے بہر حال ابا طویل سفر طے کر کے ان کی تلاش میں نکلے اور اپنے ماموں اور دادی کی بہنوں کے ساتھ گھر لوٹے۔ دادی کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی، روئے جا رہی تھیں دادی کی بہنیں ابا کے لیے دعائیں کر رہی تھیں ہر جگہ سے ابا کے لیے واہ، واہ ہو رہی تھی۔ ”ماسٹر نے اپنی اماں کو اپنے میکے والوں سے ملوا دیا۔“

میرے ابا نے واقعی ناممکن کو ممکن کر دکھایا 45، 1940 میں بچھڑنے والے 1980ء میں آ کر ملے۔

بس پھر کیا تھا ہر جگہ ابا کا ہی ذکر تھا۔ ابا نے بہت غربت دیکھی پر اس غربت میں کبھی کسی چیز کے نہ ہونے کا دکھ نہ کیا ہمیشہ ان کے منہ پر شکر کا کلمہ ہی رہا۔ ہر کام کے لیے ان شاء اللہ کہتے، اللہ مالک ہے بس یہی کہتے۔

ابا نے ہم سب بہنوں اور بھائیوں کو اچھی تربیت اور تعلیم دی۔ لڑکی کو تعلیم دے کر کیا کرنا ہے آخر کار گھر گرہستی ہی سنبھالنا ہے اس طرح کی باتیں سننے کو ملیں۔ پھر بھی ابا نے کسی کی نہ سنی اور ہم تینوں بہنوں کو اسکول میں داخل کرایا۔ اچھی تعلیم دلوائی، جس کی بدولت الحمد للہ...... آج ہم کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ امی اور ابا نے اپنی جان پر کھیل کر ہم بہن، بھائیوں کو پڑھایا۔ امی پر لوگ روک ٹوک کرتے کہ بیٹیاں بھی کسی نے پڑھائی ہیں، یہ پڑھ کر کیا کریں گی۔ امی، انہیں اور اچھا جواب دیتیں ”ضرور پڑھیں گی اپنی زندگی بنائیں گی......“ اور امی کی محنت اور شفقت نے ہمیں اس مقام پر پہنچایا ہے کہ آج ہم ایک باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔

ابا ہمیشہ دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہتے اپنے بارے میں کم دوسروں کے بارے میں زیادہ سوچتے تھے۔ خاندان میں کسی کو کوئی پریشانی یا مصیبت ہوتی بار، بار جاتے، خیریت دریافت کرتے جتنا ہو سکتا تھا تعاون کرتے کسی کی ضرورت پوری کرتے چاہے انہیں قرض ہی اٹھانا پڑتا۔

ان کے بس دو ہی ٹھکانے تھے ایک مسجد اور دوسرا گھر...... جب جمعے کا دن ہوتا مسجد کی دھلائی کرنے خود جاتے، صفائی کرتے حالانکہ مسجد کے امام اور دوسرے لوگ کہتے ماسٹر آپ نہ کریں پھر بھی ابا باز کہاں آتے...... ہر کام خود پر فرض سمجھتے، انتہائی سادہ مزاج تھے، سادہ لباس پہنتے جیب میں قلم ہر وقت موجود رہتا اور ہاتھ میں گھڑی...... کبھی پنج گانہ نماز قضا نہ ہوئی نہ ہی تہجد چھوڑی۔ دن میں دو سے تین بار قرآن پاک کی تلاوت کرتے دادی بے حد بوڑھی ہو گئی تھیں ان کی خدمت کے لیے دن رات ایک کر دیتے۔ بچوں کی طرح ان کی خدمت کرتے۔ دوائی وقت پر خود کھلاتے۔

دادی کی وفات پر ابا کو بے حد دکھ ہوا۔ ابا اب ریٹائر ہو گئے تھے اور اب ان کی پوری کوشش تھی اپنے بچوں اور بھائیوں کے بچوں کو تعلیم دلاؤں...... اپنی جگہ اپنے بڑے بھائی کے بیٹے کو جاب دلوائی۔ ہم تینوں بہنوں میں میری منجھلی بہن صفیہ عرف ثنا کو ابا کی طرح بے حد پڑھنے کا شوق تھا وہ راتوں کو دیر تک پڑھتی اور مجھے بھی کہتی اور میری ابا سے شکایت بھی لگاتی ابا، نجما اور کو ذرا بھی شوق نہیں......

میری بہن نے ماشاء اللہ کلاس اول سے لے کر میٹرک تک فرسٹ پوزیشن لی۔ یہ سب ہماری امی اور ابا کی سپورٹ تھی ورنہ ہم کہاں آج اس مقام پر پہنچتے۔ میری امی میرے لیے فخر سے بولتیں ”میری بیٹی پڑھے گی بڑا نام کمائے گی۔ جہازوں پر سفر کرے گی۔“ سننے والے مذاق اڑاتے گھر میں کھانے کے لالے ہیں اور خواب ایسے دیکھ رہی ہے۔

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے ہمارے پرائمری کے سالانہ امتحان تھے ہمارے پاس پنسل اور پیپر تک نہیں تھے امی روز ابا سے کہتیں پنسل پیپر وغیرہ کچھ نہیں بچوں کے پاس لا دو اب امتحان بھی نزدیک ہیں ابا ہمیشہ کہتے ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔

اب الحمد للہ چھوٹے بھائی کو آرمی میں جاب مل گئی۔ زندگی نے ایک الگ رخ موڑ لیا۔ زندگی سکون سے گزر رہی تھی۔ بھائی جب گھر آتے ابا انہیں اسٹیشن سے لینے جاتے اور واپسی پر انہیں چھوڑنے بھی جاتے۔ بھائی کہتے ابا ...... اسٹیشن دور ہے آپ واپسی پر پیدل نہیں آیا کریں میں خود ہی چلا جاؤں گا پر ابا کہتے مجھے کچھ نہیں ہوتا پیدل چلنا صحت ہے واپسی پر مسجد چلا جاؤں گا۔ بڑی بہن رقیہ ...اسکول میں جاب کے ساتھ، ساتھ گھر میں امی کے ساتھ کشیدہ کاری کرتی باجی اور بھائی نے مل کر کمیٹی ...اور ایک گھر لیا...... خاندان میں ابا، باجی اور بھائی کی ...کی باتیں ہونے لگیں۔ باجی ماشاء اللہ بھائیوں کی ...ابا کے شانہ بشانہ رہیں۔ باجی کی بھی اب ہیلتھ ...میں گورنمنٹ جاب ہو گئی تھی۔ ہم بہنوں نے ...تک تعلیم حاصل کی باجی کے ساتھ صفیہ نے بھی ...اسکول جوائن کیا اور گھر آ کر شام کو بچوں کو ٹیوشن ...۔ مجھے ٹیوشن، پرائیویٹ ٹیچنگ میں دلچسپی نہ تھی ...کو الگ کرنا چاہتی تھی۔ ابا سے آئے دن کہتی میں تو ...ڈاکٹر بنوں گی یا وکالت کروں گی...... کبھی کیا کہتی تو کبھی کیا...... ابا خوب ہنستے اور کہتے تمہارے خواب شیخ چلی کے ...ہیں، ہر خواب اور خواہش کو پورا کرنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے محنت کرو پھر چاہے جو ہو......

ہمیشہ مسکراتے کبھی غصے کی حالت میں ہم نے انہیں نہیں دیکھا۔ بلکہ ہم غصہ ان پر کرتے بھی تو بھی ابا ہنستے مسکراتے بات کو ٹال جاتے۔ ایک مرتبہ بھائی نے ابا کے لیے شال بھیجی ابھی کچھ ہی دن گزرے امی نے کہا آپ کی شال نہیں ہے گھر میں شاید مسجد میں چھوڑ آئے ہوں گے امی ناراض ہوتیں۔ ایک دن ابا نے بتا دیا کہ کوئی غریب سردی میں کانپ رہا تھا اس کے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا تو وہ شال اسے دے دی۔

ہمارے اپنے خاندان میں کوئی غریب ہوتا اس کے پاس کچھ نہ کچھ لے کر جاتے کبھی ایک کلو چینی، کبھی آٹا، ...دوسروں کی مدد کرتے اور ہمیں بھی نصیحت کرتے۔ اور تو ...اور رات اپنی ڈائری میں نوٹ کرتے کسی سے ملتے تو ڈائری میں لکھتے۔ ہمسائے میں کسی کی فوتگی ہو جائے تو ...ابا کی ڈائری میں لکھتے گھر کے راشن کا حساب وغیرہ

اور یہاں تک کہ گھر میں کھانے کی سبزی موجود ہوتی دوسری لاتے امی خفا ہوتیں سبزی تو ہے گھر میں آپ کیوں لائے اور وہ بھی سوکھی ہوئی تو کہتے کوئی بات نہیں دوست کے ساتھ بیٹھا تھا ایک ٹھیلے والا دھوپ میں کھڑا تھا پر اس سے کوئی سبزی نہیں خرید رہا تھا تو میں نے خرید لی اس کا گزارہ ہو جائے۔ یہ تھے میرے ابا جو سب کے غموں کو اپنا غم سمجھتے تھے۔

بی ایس سی کرنے کے بعد میں نے ایک این جی او جوائن کی ایک انٹرنیشنل آرگنائزیشن میں میری سلیکشن ہوئی اچھی خاصی تنخواہ تھی۔ خاندان والوں نے خوب باتیں بنائیں اب ماسٹر کی بیٹی این جی او میں کام کرے گی۔ ابا نے کسی کی پروا نہیں کی۔ امی، ابا کے ٹھنڈے سائے نے ہمیشہ ساتھ دیا۔ میری پہلی تنخواہ پر امی اور ابا کے چہرے پر میں نے ایک خوشی دیکھی جس نے میری روح کے اندر تک ٹھنڈک پہنچائی۔

ابا ہر جگہ میرے ساتھ ہوتے کہیں انٹرویو ہوتا ساتھ چلتے، کہیں ٹریننگ ہوتی ساتھ چلتے، کالج کے امتحانوں کے دوران بھی باہر دھوپ میں ٹہلتے جب تک پیپر نہ ہوتا کھڑے رہتے میں لاکھ منع کرتی پھر بھی روز آتے اب کسی لڑکی کو اس کے ابا کے ساتھ کالج یا کہیں بھی ساتھ جاتے دیکھتی ہوں تو بے ساختہ ابا کی یاد آ جاتی ہے۔

شادی ہونے کے بعد بھی جب میرا میکے جانا ہوتا گھر والوں کو روز یاد دلاتے اس دن بختاور نے آنا ہے۔ انہوں نے عمرہ کرنے کی خواہش ہمیشہ ظاہر کی اس وقت حالات ایسے نہ تھے پر اب اللہ کا بڑا کرم تھا باجی اور ابا نے کمیٹی رکھی اب کے عمرے کے لیے انہیں عمرہ کرایا وہ بے حد خوش تھے۔

جس طرح ابا کو ہمیشہ عبادت کرتے دیکھا اسی طرح اپنی ماں کو ہمیشہ راتوں کو اٹھ، اٹھ کر دعائیں مانگتے دیکھا اور واقعی انہی دعاؤں کی وجہ سے ہم کامیاب ہوئے۔ اور جو کبھی میری ماں نے فخر سے کہا تھا میری بیٹی پڑھے گی، ضرور کچھ بنے گی جہاز میں سفر

کرے گی اور ویسا ہی ہوا کسی انٹرنیشنل آرگنائزیشن کی طرف سے میرا پاک ائر اسلام آباد جانا ہوا۔۔۔ میرا پہلا سفر وہ بھی بائی ائر اللہ کبھی سوچا نہیں تھا اللہ تعالیٰ اتنی ترقی دے گا ایک پسماندہ علاقے میں رہنے والی کبھی ایسا سفر بھی کرے گی۔ بہت اچھا لگا اس دوران بھی ابا فون پر فون کرتے ہر بات پوچھتے۔ ابا اب بوڑھے ہو گئے تھے لیکن اندر سے وہ اب بھی جوان تھے، اللہ نے انہیں ایمان کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔

ایک دن ابا کا اچانک بی پی شوٹ کر گیا اور ان کی ٹانگوں پر فالج ہوا اور وہ ٹانگوں سے چلنے سے قاصر ہو گئے پہلے پہل علاج کرایا تو چھڑی کی مدد سے چلنے لگے پھر آہستہ، آہستہ چھڑی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ اس حالت میں بھی انہوں نے عبادت نہیں چھوڑی اور باجی نے بڑا بیٹا بن کر دکھایا خوب ابا کی خدمت کی۔ ابا بیٹھ کر تلاوت کرتے نماز پڑھتے۔

ابا نے زندگی میں خوب عزت کمائی ماسٹر اور استاد کا لقب پایا۔ لوگوں کی ہر وقت مدد کی۔ کسی دفتر کسی کاغذ کے بننے بگڑنے کے لیے لوگ ابا کے پاس آتے ابا کو محلے میں ہر کوئی سلام کرتا۔ عزت کرتا۔ اسی دوران میری NTS میں جاب ہو گئی ابا کے لیے خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی وہ ہر اپنے دوست کو فون کر کے بتا رہے تھے میری بیٹی نے NTS میں ٹاپ کیا ہے گورنمنٹ جاب ہو گئی ہے۔ اب میں بھی ان کی طرح ٹیچر بن گئی ہوں۔

میرے خط تک بھی ابا ہی پوسٹ کراتے اور ہر ماہ پاکیزہ بھی لا کر دیتے تھے۔ ہم نے پوری زندگی ابا کو کبھی بیمار نہیں دیکھا۔ وہ صرف بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ ہمیشہ کہتے قرآن میں شفا اور نجات ہے۔ ہم نے بہت اچھا وقت گزارا ہنسی مذاق کرتے، ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہر بات شیئر کرنا، اور وہ بیٹیاں ضرور کامیاب ہوتی ہیں جن کو اپنے ابا کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ 23 جون 2021ء کو بھی اچھی طرح فون پر بات کی، بچوں کا پوچھا پھر اگلی صبح میں اپنے بچوں سمیت کوئٹہ سے جعفر آباد کے لیے روانہ ہوئی کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا بار، بار ابا کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ راستے میں نیٹ ورک کی وجہ سے کال بھی نہیں مل رہی تھی ابھی ہم کچھ دور ہی تھے کہ باجی اور بھائی کی کال آ رہی تھی انہوں نے بتایا کہ ابا اب ہم میں نہیں رہے، ہمیں چھوڑ گئے۔ یہ سنتے ہی جیسے مجھے کسی نے بڑے پہاڑ کی اونچائی سے گرایا ہو بڑی مشکل سے جعفر آباد پہنچے۔ گھر لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ سب میرا ہی انتظار کر رہے تھے سب میرا ہی ذکر کر رہے تھے کہ ماسٹر اپنی اس بیٹی کے لیے ہی انتظار میں تھا امی رو، رو کر چپ ہو گئی تھیں بہنوں نے جیسے میرے آنے تک آنسوؤں کو بچا رکھا تھا میں ابا کی میت تک پتا نہیں کیسے پہنچی لگ رہا تھا جیسے ابا گہری نیند سو رہے ہیں ابھی میری آواز سن کر جاگ جائیں گے پر ابا نہ اٹھے، میں نے بہت بلایا اب بھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ سجی ہوئی تھی مجھے تو ان کی خدمت کا کرنے کا موقع بھی نہیں ملا۔

مرنے کے بعد انسان کا جسم اکڑ جاتا ہے ابا کا جسم نرم تھا۔ ابا کو غسل کرنے والے بھی بول رہے تھے۔ استاد کا جسم تو بہت نرم ہے، ابا کی قبر کھدائی والوں نے کہا ہم زمین میں ضرب لگا رہے تھے قبر خود ہی جیسے کھلتی جا رہی تھی اور جنہوں نے جنازہ اٹھایا وہ بھی یہی کہہ رہے تھے استاد کی لاش تو خود ہی اڑتی جا رہی تھی۔ پورا محلہ ابا کی ہی باتیں کر رہا تھا۔ سب یہی کہہ رہے تھے، ابا کی قربانیاں گن رہے تھے۔ ماسٹر نے ماں کی خدمت بہت کی۔ ماسٹر نے بھائی کی خدمت ...... ماسٹر نے وہ کیا، ماسٹر نے یہ کیا۔ ہم سب سے تو سب کچھ چھوٹ گیا تھا ابا کی بے ساختہ یاد آتی ہے جب ابا کے ایج گروپ کے لوگوں کو دیکھتی ہوں...... ابا نے ساری زندگی محنت کی بہت تکلیفیں جھیلیں کبھی شکایت تک نہیں کی۔ اللہ میرے ابا کی بے حساب مغفرت فرمائے اور انہیں اپنے محبوب کا پڑوسی بنائے اور ان کی عبادت قبول فرمائے۔

روٹھ گئی مجھ سے ہر وہ خوشی جس میں میری بادشاہی تھی
ہر خوشی تجھے اب الوداع میرا بادشاہ اب نہ رہا

❁❁❁

سنہری یادوں کا سفر

ادارہ

یادیں ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتی ہیں چاہے وہ خوشگوار ہوں یا ناخوشگوار۔ کبھی یہ یادیں ... دیتی ہیں کبھی امید کی کرنیں پھیلاتی ہیں۔ ایسی ہی خوب صورت باتوں اور حسین یادوں کا ... سے تقریباً پچاس سال پہلے شروع ہوا۔ پاکیزہ ادب کی دنیا میں ایک قندیل روشن ہوئی جو وقت بدست ... اور ... یا ہمیں... بقول حبیب جالب

جلا چلے ہیں لہو سے جو ہم چراغ سحر
اسے بجھا نہ سکے گی ہوا زمانے کی

الحمدللہ اب ہم گولڈن جوبلی کے دور سے گزر رہے ہیں

انہی سنہری یادوں میں آپ کا بھی روپہلا اور سنہرا خوب صورت ما حصہ کتنا ہے؟ ضرور بتائیں۔۔۔ یہ سلسلہ آپ جیسے باذوق قارئین ہی کے لیے تو ہے۔

سوال:1...... ماہنامہ پاکیزہ سے پہلا تعارف......؟

سوال:2...... پاکیزہ تحریروں سے کوئی تین ایسی باتیں کیا سیکھیں جو آج بھی زندگی کا حصہ ہیں......؟

سوال:3...... سینئر یا دورِ حاضر کے پسندیدہ قلم کار کہ جن کی تحریریں پڑھنے کو آج بھی بے چین رہتی ہیں؟

سوال:4...... کوئی فرمائشی سلسلہ ہے تو ضرور بتائیں۔

ظلِ شاہین

رحیم یار خان

ماہنامہ پاکیزہ کو نصف صدی بہت، بہت مبارک ہو۔ کہنے کو پچاس برس مگر غور کریں تو ایک طویل سفر ایک مسلسل...... بقول شاعر

اب جو پلٹ کے دیکھیے بات تھی کچھ محال بھی......

مگر محال راستوں کو بھی اراکینِ پاکیزہ نے محترم سراج رسول، محترمہ عذرا آپا اور محترمہ انجم باجی کی رفاقت میں آسان بنایا۔ (ماشاءاللہ)

سراج انکل کا لگایا ہوا پودا (جس کی آبیاری میں انجم باجی کی حیثیت مسلمہ ہے) آج شجرِ سایہ دار بن چکا ہے۔ جس کے ثمرات سے ہزاروں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ کسی بھی کا کام آغاز نسبتاً آسان ہوتا ہے اصل آزمائش اس کام کو منظم طریقے سے آگے بڑھانا اور پھر ایک طویل عرصے تک اس کے معیار کے گراف کو بلند رکھنا ہی دراصل فقید المثال کامیابی ہے۔ (ماشاءاللہ) وہ بھی آج کل کے اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں جہاں لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہی موبائل اور انٹرنیٹ بن چکے ہیں جو قلم اور کتاب سے بے اعتنائی برتتے ہوئے ہر شے کو موبائل پر سرچ کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں کتاب کی اہمیت کو

اجاگر کرنا نئی نسل کو پرنٹ میڈیا کی جانب راغب کرنا بلاشبہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ جس کا کریڈٹ ایک طویل عرصے تک باجی انجم انصار کو جاتا رہا۔ جنہوں نے خطوط کی محفل کو ایک منفرد طرز کی "بہنوں کی محفل" بنا دیا جہاں انجم باجی نے اپنے قلم سے اپنے مشفق رویے سے قارئین کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ان کا تکبر سے پاک اندازِ گفتگو اور خلوص و محبت سے بھرپور شخصیت نے قارئینِ پاکیزہ کی تعداد میں اضافہ کیا۔ اور پھر بہنیں اس محفل میں اپنے دکھ، سکھ، خوشی، غم اپنے مسائل شیئر کرنے لگیں۔ باجی انجم کے اپنائیت بھرے لہجے سے لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ ایک پروفیشنل مدیرہ ہیں جو صرف کام کی بات کریں گی اور بس۔ ان سے مخاطب ہونے پر یوں لگتا تھا گویا ایک شفیق ماں یا بڑی بہن سے مخاطب ہوں...... سو اس خلوص کی ڈور سے جب بندھ گئے تو پاکیزہ سے تعلق مضبوط ہوتا گیا جو آج بھی قائم ہے اور اب یہ کریڈیٹ عذرا آپا اور نزہت آپی کو جاتا ہے۔ آپ نہایت جانفشانی اور عزم و حوصلے کے ساتھ یہ کام کررہی ہیں قلم اور کتاب کے اس مضبوط مگر آبگینے جیسے اس تعلق کو بہت احتیاط اور مستقل مزاجی سے لے کر چل رہی ہیں...... (ماشاء اللہ) اور دیگر اراکینِ پاکیزہ بھی بہت، بہت تعریف کے مستحق ہیں...... اللہ پاک آپ سب کو بہت حوصلہ اور سلامتی عطا فرمائے، آمین۔

پاکیزہ کی کامیابی کی دوسری بڑی چیز اس کے مستقل سلسلے ہیں جس کی بنا پر پاکیزہ کو دیگر ڈائجسٹ و رسائل کی صف میں ممتاز مقام حاصل ہوا۔

سب سے پہلے میں ذکر کروں گی قابلِ احترام ہر دلعزیز آنٹی ذکیہ بلگرامی کا جن کی ایمان افروز لازوال تحریریں، اللہ اور اس کا نور، یادوں کی مالا اور دیگر جو پاکیزہ میں ایک عرصہ سلسلے وار چھپتی رہیں ان کی تعریف سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ہم نے ذکیہ آنٹی اور ان کی تحریروں سے الحمدللہ بہت کچھ سیکھا۔ اللہ پاک محترمہ ذکیہ آنٹی کو صحت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے، آمین......

پھر مستقل سلسلوں میں دین کی باتیں...... شمع ہدایت، روحانی مشورے دلوں کو منور کرتے ہیں اور بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے...... ہومیو سلسلہ بھی خدمت کے لیے کوشاں ہے۔ گھر بیٹھے لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ باذوق لوگوں کے لیے شاعری، پاکیزہ ڈائری اور انجم باجی کا جلترنگ، جو ایک طویل عرصے تک قارئین کے دلوں پر راج کرتا رہا۔ طنز و مزاح پر مبنی جلترنگ کی تحاریر اور کردار ہمارے ہی گھروں کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے۔ انجم باجی کا بے ساختہ برجستہ اور روزمرہ انداز بیان بے اختیار مسکرانے بلکہ بعض اوقات تو قہقہہ لگانے پر بھی مجبور کردیتا تھا۔ شائستہ زریں کے بہترین موضوعات پر مبنی سروے ہمیشہ اچھے لگے۔

پاکیزہ کی کہانیاں، افسانے، ناول ہمیشہ موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے بہترین رہے۔ مصنفات نے ہمیشہ قلم کی حرمت کو برقرار رکھا اور معیاری صاف ستھرا ادب تخلیق کیا جو پاکیزہ کی پاکیزگی کی علامت بنا رہا۔

☆☆☆

خوب صورت دعا

اے رب کائنات......
اس بے تاب نفس اور کمزور جسم پر رحم فرما
اس لیے کہ جو تیرے سورج کی
تپش کو برداشت نہیں کرسکا
وہ تیری جہنم کی آگ کو کیسے
برداشت کرے گا......
جو تیرے بادل کی گرج سے کانپ اٹھتا ہے
وہ تیری غضب کی آواز کیسے سن سکتا ہے......
جسے تیری رحمت اور پیار کی عادت ہے
وہ تیری ناراضی اور خشیت کا سامنا کیسے کرے گا......
الٰہی ہمارے حال پر کرم کر، رحم کر اور ہم سب کو معاف فرما

از: ثوبیہ ظہور، ضلع اٹک

تعلیمی شعبے اور شعبے کے عملی میدان میں عدم مطابقت

شائستہ زریں

معزز قارئین!

کسی بھی من پسند شعبے میں حصولِ تعلیم کی خواہش تو کبھی شعور کی عمر تک پہنچنے کے بعد جنم لیتی ہے اور خوش قسمتی سے مطلوبہ شعبے میں داخلہ بھی ہو جاتا ہے۔ پھر وہ مرحلہ آتا ہے جب تعلیمی سند حاصل کرنے کے بعد اس شعبے میں خود کو منوانے کے خوابوں کی تعبیر کی ابتدا ہوتی ہے۔ جی ہاں! من پسند شعبے میں ملازمت ملنے کی خوشی، جو واقعی دیدنی ہوتی ہے لیکن اس وقت یہ مسرت حیرت اور کوفت میں تبدیل ہو جاتی ہے جب درسی تعلیم اور عملی میدان میں فرق کی وجہ سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت کامیاب رہتے ہیں وہ جو ہمت ہارنے کے بجائے جواں مردی اور لگن کے ساتھ اپنی تعلیم کو عملی میدان سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اپنی افتادِ طبع اور ملازمت کی طلب کے مطابق مسائل سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بالآخر یہ کوہِ گراں سر کر لیتے ہیں اور یہ طمانیت حصے میں آجاتی ہے کہ بہت مشکل نظر آنے والا قلعہ بھی اپنی صلاحیت اور لیاقت کے بل بوتے پر فتح کرلیا۔

اور آج ہمارے سروے کا موضوع یہی یعنی "تعلیمی شعبے اور اسی شعبے کے عملی میدان میں عدم مطابقت" ہے۔ اس ضمن میں ہم نے شرکاء سے معلوم کیا۔

سوال☆ حصولِ تعلیم کے بعد جب اسی شعبے میں ملازمت کی تو عملی میدان کو تعلیمی شعبے سے کس قدر مختلف پایا؟ آپ نے اس صورتِ حال کا سامنا کیسے کیا؟

انیقہ رئیس
(کمپیوٹر انجینئر)

عملی میدان میں تعلیم میرے بہت کام آئی۔ ظاہر ہے جب کچھ چیزیں آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں تو الگ ہوتا ہے اور عملی میدان میں چیزیں مختلف ہو جاتی ہیں سو وہ فرق ضرور تھا لیکن اگر میں نے کمپیوٹر انجینئرنگ کی تعلیم حاصل نہ کی ہوتی، پروگرامنگ سیکھی نہ ہوتی تو ظاہر ہے عملی میدان میں، اس پر improvement اور عمل نہیں کر پاتی۔ تو میں سمجھتی ہوں کہ کسی بھی شعبے کی بنیادی تعلیم ضروری ہے اس شعبے کے عملی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے۔ مجھے بہت دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا باوجود اس کے کہ کافی چیزیں ہم ملازمت کے دوران سیکھتے ہیں لیکن لوگوں سے ڈیل کرنا ان سے کس طرح معاملات طے کرنے چاہئیں وہ وقت، عمر اور تجربے کے ساتھ آتا ہے اور میں نے بھی وقت، عمر اور تجربے کے ساتھ سیکھا ہے۔

ذیشان عارف
(وزیٹنگ لیکچرار، شعبہ آئی بی اے)

ایک مختلف تجربہ رہا۔ 2014ء میں جس یونیورسٹی سے M B A اور پھر ایم فل مکمل کیا۔ پڑھنے کے حوالے سے تربیت لی وہاں 2016ء سے وزیٹنگ لیکچرار کی حیثیت سے پڑھا رہا ہوں۔ پڑھنے کے وقت اور پڑھانے کے وقت کے تدریسی نظام میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ جب پڑھا کرتے تھے اس وقت ہم کتابوں کا سہارا لیتے تھے۔ لائبریری جاتے تھے۔ کچھ پوچھنا ہوتا تھا تو استاد کے پاس جا کر پڑھتے تھے لیکن جب خود پڑھا رہے ہیں تو ہر انفارمیشن آن لائن موجود

ہے۔ کیوٹیلیشن کے لیے آن لائن portals موجود ہیں۔ ہمارے ملک کے تعلیمی اداروں کے لیے یہ سوچنے کا مقام ہے آج زیادہ تر طالب علموں کے لیے سیکھنے اور سمجھنے سے زیادہ صرف ڈگری کو اپنی سی وی کا حصہ بنانا آسان ہے۔ قابل بن کر یا کچھ کر کے کامیابی حاصل

کرنے کے بجائے شارٹ کٹ طریقے سے پیسہ کمانے کی طرف زیادہ رجحان ہے۔ الحمدللہ! اللہ نے اتنی قابلیت عطا کی ہے کہ وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ خود کو بھی نئی ٹیکنالوجیز سے آراستہ کیا۔ خود بھی سیکھا اور اپنے طالب علموں کو بھی سکھایا کہ تعلیم کے حصول کے لیے نئی ٹیکنالوجی کو کیسے اپنانا اور استعمال کرنا ہے۔ تبدیلی نظام میں رہ کر کی جاسکتی ہے نظام سے باہر رہ کر نہیں اور اگر بہتری کی طرف رجحان ہو تو پہلے موجودہ نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔ انفرادی طور پر تو کوشش کی جارہی ہے اور امید ہے کہ اگر زندگی میں موقع ملا تو تعلیمی نظام کو بہتر کرنے میں اپنا کردار ضرور ادا کروں گا۔ ان شاء اللہ

افشین عارف
(آرٹ ٹیچر)

مجھے ہر وہ کام پسند تھا جس میں آرٹ کا عمل دخل ہو۔ یہ خداداد صلاحیت بچپن ہی سے مجھ میں پنپ رہی تھی۔ اسی وجہ سے میں نے گرافک ڈیزائننگ کا کورس کیا وہاں میرے استاد نے بہت بہترین انداز میں میری تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور میں نے امتیازی نمبروں سے اپنا کورس مکمل کیا اور ایک اسکول میں نوکری کرلی۔ اس کے ساتھ، ساتھ اپنے گھر میں لڑکیوں کو آرٹ اینڈ کرافٹ سکھانا شروع کردیا۔ اس کے بعد میں نے فیشن ڈیزائننگ کا کورس کیا اور امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ اسی شعبے میں ماسٹرز کرنا چاہتی تھی جو شادی کی وجہ سے نہ کر سکی۔ اپنی بڑی بہن کے اسکول میں لڑکیوں کو آرٹ اینڈ کرافٹ کی تعلیم دینی شروع کردی۔ ابتدا میں مشکل ہوئی کیونکہ کسی بھی اسکول میں آرٹ کی تعلیم کے لیے وہ تمام چیزیں نہیں ہوتیں جو ایک آرٹ اسکول میں ہوتی ہیں۔ میں نے وہ تمام سامان جو مجھے درکار تھا مہیا کروایا اور سکھانے کا عمل شروع کردیا کچھ بچیاں بہ آسانی سمجھ لیتیں لیکن جو کم عمر بچیاں نہیں سمجھ پاتیں ان کو میں نے سادہ اور آسان انداز میں سکھایا۔ شروع میں کافی مشکلات پیش آئیں مگر میں نے جلد ہی ان کا حل نکال لیا۔ دورانِ تعلیم جن طریقوں پر عمل کر کے یہ ہنر سیکھے وہ اصل طریقہ ان طالبات کو سکھانا بہت مشکل تھا لیکن میں نے ہمت سے سامنا کیا اللہ کا احسان ہے کہ میں اپنی تعلیم اور اپنے اساتذہ کی رہنمائی اور اپنے عقل و شعور کو بہتر طریقے سے استعمال کر کے مسئلے کا حل نکال سکی۔ خوشی اس وقت ہوئی جب بچیوں کے والدین نے حوصلہ افزائی کی کہ آپ نے ہماری بچیوں کو ہنرمند بنادیا۔

عبدالوارث
(اکاؤنٹنٹ)

جب میں نے گریجویشن کیا کامرس میں اور پھر اس کے بعد مجھے عملی طور پر اکاؤنٹ کا سامنا کرنا پڑا تو مجھ کو اندازہ ہوا جو کچھ میں نے پڑھا وہ صرف نمبروں کے لیے اور کلاس پاس کرنے کے لیے تھا اور اس کا عملی طور پر کوئی استعمال نہیں۔ پروفیشنل اکاؤنٹ سسٹم اب کاغذوں سے نکل کر سوفٹ ویر پر آچکا ہے تو اس کے لیے مختلف applications ہوتی ہیں اور اب تو artificial intelligence تک موجود ہے۔ یہ سب ہمیں پڑھائی جانے والی theory سے یکسر مختلف ہے، بہتر اکاؤنٹ سسٹم جاننے کے لیے applications سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے میں نے اس کا سامنا کیا۔

یسریٰ مرسلین
(سینئر finance آفیسر)

اپنی تعلیم مالیات و کاروبار (Bachelor and Master's in Business Administration) میں مکمل کرنے کے بعد جب اسی شعبے میں ملازمت لگی تو میں نے عملی میدان کو کافی مختلف پایا۔ دورانِ تعلیم کاروبار دنیا بھر میں کیسے چلتا ہے یہ بہت اچھا بتایا گیا پاکستان میں کاروبار کیسے ہوتا ہے؟ اس کی اونچ نیچ، پالیسیز اور کام کرنے کے طریقے سے کچھ زیادہ کچھ نہیں بتایا۔ جو کتابیں اور مواد ہمیں بیرونی سطح میں پڑھایا جاتا ہے ہمیں اس لیول پر تو پڑھایا ہمارے ملک میں کاروبار شروع کرنے میں کیا مشکلات پیش آتی ہیں یہ بھی بتانا چاہیے تھا۔ آغاز میں مجھے چیزیں سمجھ نہیں آتی تھیں سوچتی تھی جو concepts پڑھے ہیں وہ کہاں شامل کروں؟ پھر دھیرے، دھیرے جو کر رہی تھی اس پر command آیا۔ احساس ہوا ہمیں حقیقی مثالیں دے کر سکھانا چاہیے تھا۔ پاکستانی کاروباری دنیا باقی ترقی یافتہ ملکوں سے مختلف ہے تعلیم، ثقافت کے اعتبار سے بھی اور تعلیمی رویوں کے اعتبار سے بھی مجھے کاروباری مواصلت (رابطہ، ملنا، جلنا) میں دشواری ہوئی۔ آغاز میں جونیئر employee کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے آئیڈیاز کو منظور کروانے میں بھی مسئلے آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تمہارے پاس دنیاوی تجربہ نہیں۔ کاروباری مواصلت کسی بھی کاروبار میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ہر employee کو اپنی بات کرنے اور سمجھانے کا موقع ملنا چاہیے پر ہر کسی کو موقع ملنا آسان نہیں۔ آہستہ، آہستہ ہر چیز کو حقیقی سطح میں سمجھ کر پھر اس قابل ہوئے کہ عملی میدان میں تعلیمی صلاحیتوں کو incorporate کرسکیں۔

یاسر پیرزادہ
(نیوز اینکر ٹی وی)

عملی میدان پر کام کرنا پچاس فیصد مختلف ہے۔ تعلیم نہایت اہمیت کی حامل ہے جو ہر مسئلے اور پریشانی کو سپورٹ کرتی ہے، کہاوت ہے کہ ”مچھلی جب تک پانی میں تیرے گی نہیں تیرنا کیسے آئے گا“ بالکل اسی طرح عملی میدان میں آنے کے بعد چیلنجز اور پریشانیاں ہوتے ہیں۔ بہت سے مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان تمام چیلنجز پر عبور حاصل کرنا ہوتا ہے۔ میڈیا میں تعلیم کے بعد جب نیوز اینکر کی ملازمت شروع کی میرے لیے [illegible] کیمرہ فیس [illegible] ایک [illegible] [illegible] قبول کر چکا تھا لیکن ساتھ ہی [illegible] عادی ہونا کہ آپ کی body language آپ کی آنکھیں، آپ کا [illegible] آپ کا [illegible] طریقہ۔ غرض یہ کہ جس طرح ایک ناظر بیٹھ کر جو آپ کو ٹیلی ویژن اسکرین پر دیکھ رہا ہے آپ اسے کس طرح اپنی طرف متوجہ کرسکتے ہیں اور آپ [illegible] میں اس سے بات کر رہے ہیں۔ اس طرح تمام تجربات پر عبور حاصل کرنے کے بعد اپنے شعبے میں کامیاب قرار پایا۔

عنبرین آصف
(آر جے)

جس طرح عملی زندگی کے ادوار پڑھی جانے والی کتابوں کے علم سے مختلف اور تلخ ہوتے ہیں اسی طرح کسی بھی فیلڈ کی ملازمت بھی حاصل کی جانے والی تعلیم سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ ڈگری، انٹرویو تو کلیئر کروادیتی ہے لیکن فیلڈ میں خود کو منوانے کے لیے بہت زیادہ تجربوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہمیں بھی ایسی ہی [illegible] جدید سسٹم پر کام کرنا، بروقت فیصلے کرنا اپنے کام کو اس یقین کے ساتھ ان [illegible] کرنا کہ یہ پرفیکٹ ہے۔ یہ عملی میدان نے سکھایا۔ میڈیا کا میدان اس وقت کتابی علم سے زیادہ عمل پر یقین رکھتا ہے۔ زیادہ پریکٹیکل کی ڈیمانڈ ہے لہٰذا یونیورسٹیز میں بھی اب کتاب کے ساتھ ساتھ متعلقہ فیلڈ کے تعلیمی دورے کروانے کو ہی سب کچھ نہ سمجھا جائے۔ بالکل یونیورسٹیز میں جدید سسٹم پر بھی کام کیا اور کروایا جائے اور فیلڈ سے وابستہ لوگوں کی خدمات لی

جائیں اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو الحمدللہ میں نے بہت اچھے اچھے چینلز کے ساتھ کام کیا۔ جہاں نہ صرف جدید سسٹم کے ساتھ کام کروانا سیکھا بلکہ زندگی اور فیصلوں میں ثابت قدمی کے ساتھ رہنا، خود کو مضبوطی کے ساتھ رکھنا بھی سیکھا ضرورت اس امر کی ہے کہ کتابی علم کے علاوہ عملی تعلیم کے رجحان کو بھی بڑھایا جائے۔

اسامہ علی
(کمپیوٹر انجینئر)

میں نے جب انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور عملی زندگی میں قدم رکھا تو اندازہ ہوا کہ عملی زندگی بہت مختلف ہے جاب حاصل کرنے کے لیے بہت سارے کورسز کرنے پڑتے ہیں صرف اسی شعبے میں تعلیم حاصل کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ بہت ساری عملی کاوشیں ضروری ہوتی ہیں۔

اس صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے عملی میدان میں مختلف کورسز کیے۔ انجینئرنگ کی تعلیم سے وابستہ سرٹیفکیٹ حاصل کیے اور اب میں ایک کامیاب انجینئر اور اپنے شعبے کا ماہر ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔

ام البنین عباس
BDS

مجھے لگتا ہے کہ عملی میدان تعلیمی شعبے سے کافی مختلف ہوتا ہے کیونکہ تعلیم حاصل کرتے ہوئے ہم سب آئیڈیل ماحول کے بارے میں پڑھتے ہیں جبکہ عملی کام کرتے ہوئے بعض اوقات ہر طرح کے ماحول اور کم سے کم سہولیات میں بھی وہی کام انجام دینا پڑتا ہے اور ایسا زندگی کے ہر شعبے میں ہی ہوتا ہے۔ شروعات میں تھوڑی بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن پھر وقت کے ساتھ ساتھ اور سینئرز کے تجربوں کی مدد سے بآسانی عملی شعبے میں کام کرنا آسان ہو گیا۔ اگر انسان اپنے اندر سیکھنے کی صلاحیت پیدا کر لے تو اس کے لیے کسی بھی صورت حال میں ملازمت اور درپیش مختلف چیلنجز سے نمٹنا کوئی مشکل کام نہیں۔

☆☆☆

قارئین من!

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا
وہ کون سا عقدہ ہے جو حل ہو نہیں سکتا

جی ہاں ساری بات ہمت، لگن اور عزم کی عمل سے وابستگی کی ہے، جب یہ ارادے عزم اور راہ بن جائیں تو منزل تک رسائی آسان ہو جاتی ہے اور بالکل ایسا ہی ہمارے سروے کے شرکاء کے ساتھ ہوا۔ کسی نے بھی ہمت نہیں ہاری اور اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا کر تعلیمی شعبے میں رہ جانے والی کسر اپنی سوجھ بوجھ اور قوتِ عمل سے عملی میدان میں پوری کر دی۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر دورانِ تعلیم طلباء و طالبات کے لیے تربیتی ورکشاپس کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے اور اپنے ہی شعبے میں ملازمت کے ممکنہ یا تکنیکی درپیش مسائل کی نشاندہی کر کے آنے والے وقت کی آزمائشوں کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا جائے تاکہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب عملی میدان میں یہ طلبہ جائیں تو انہیں اپنے تعلیمی میدان سے یکسر مختلف دیکھ کر دلبرداشتہ، بیزار یا ہمت ہارنے کے بجائے اپنے جذبۂ عمل کو بیدار کریں کہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

سو جس شعبے میں اعلیٰ کارکردگی کے خواب دیکھے تھے ان کی تعبیر پانے کے لیے عشق کی کٹھنائیاں بھی جھیلنی پڑیں گی اور اپنے شعبے میں نت نئے جہاں تلاش کرنے کے لیے عہدِ جدید کا کولمبس بھی بننا پڑے گا۔

☆☆☆

گوشۂ ظرافت

ادارہ

مزاح نگاری، کمال کی صنفِ ادب ہے کہ جس میں وہ بات بھی بہ آسانی کہہ دی جاتی ہے کہ جسے سوچنے میں زمانے لگیں مگر ایسی نشتر زنی برائے اصلاح کا فن بھی کسی کسی کو آتا ہے۔ ورنہ مزاح نگاری کو عامیانہ تحریر بننے میں دیر نہیں لگتی۔
مرزا عابد عباس اردو مزاح نگاری کا ایک نہایت معتبر و معروف نام ہے۔ اس ماہ اپنے باذوق پڑھنے والوں کے لیے ہم نے انہی نامور مزاح نگار کی تصنیف سے انتخاب کیا۔

تنقید کی قسمیں

تنقید اصل میں تنقید کا مرکب ہے یعنی جو آدمی تنقید کرتا ہے وہی تنقید کر سکتا ہے۔ ادب میں تنقید کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ تنقید ادب کو جانچنے کی کسوٹی ہے۔ ادب کو سمجھنے، پرکھنے کی تمیز ہمیں تنقیدی مضامین سے ملتی ہے، تنقید کو جزو لاینفک کہا جاتا ہے وہ ادبی تخلیق کار کو نصیب نہیں۔ تنقید کی ہر زمانے میں ادب کی ضرورت رہی ہے لیکن تنقید وقت کے ساتھ بدلتی رہتا ہے۔
میں کافی عرصے شعر و ادب سے وابستہ رہا لیکن اب تنقید میں رنگ لگانا چاہتا ہوں، میں نے تنقید کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد اپنے حساب سے تنقید کو پانچ حصوں میں منقسم کیا ہے۔
۱۔ خوشامدانہ تنقید۔ ہر زمانے میں خوشامدانہ تنقید کا رواج رہا ہے۔ اس کو تعریفانہ تنقید بھی کہا جاتا ہے۔ تنقید کی وہ قسم ہے جس میں شاعر کے کلام کی صرف تعریف کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اسے تنقید کہا جاتا ہے۔ اس تنقید میں اس طرح کی باتیں کی جاتی ہیں کہ شاعر نے بہت خوب صورت اور اچھوتا خیال پیش کیا ہے اور وہ بھی ایک نئے انداز کے ساتھ۔ ان کے کلام میں نئی فکر کا بڑا دخل ہے۔ اسلوب تو لاجواب پایا ہے اور ان کے شعروں میں ایک فکری بلندی ملتی ہے۔
۲۔ شاعرانہ تنقید...... یہ وہ تنقید ہوتی ہے جس کے لیے سب سے اہم کام ٹالی بنانا ہوتا ہے۔ ایک شاعر اپنے ساتھ بہت سے ہنر پاتا ہے جو ہر مشاعرے میں اس کے ساتھ جا کر اسے خوب داد دیتے ہیں۔ مخالف شعر پر ہوٹنگ بھی کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ شاعر اپنے ہنروں کے ذریعے کلب میں اپنے اعزاز میں شام بھی منواتا ہے۔
۳۔ معاوضانہ تنقید۔ نقد کے معنی ہیں نقد پر کام کرنے والا مصنف کی کتاب پر ریویو نگاری کا مقصد کلام پر تنقید نہیں بلکہ غرض لفافہ ہوا کرتا ہے۔ روایتی انداز تقریظیں لکھنے کا ہمیشہ یہی دیکھا گیا ہے کہ تبصرے میں تمام پہلوؤں پر سیر حاصل تعریف کی جائے۔ اس تنقید سے لوگوں کو کتاب کی خوبیوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ نقاد کتاب پر تنقیدی ٹارچ سے تمام صفحات پر تیز روشنی ڈالتا ہے اور اگر اسے کوئی بات گراں محسوس ہو تو وہ اپنی شعوری ٹارچ کو تھوڑی دیر کے لیے بند کر دیتا ہے۔
۴۔ جاہلانہ تنقید۔ وہ افراد جنہیں ریٹائرمنٹ کے بعد یا بیگم کے گزر جانے کے بعد کوئی کام نہیں ہوتا تو کچھ وقت تو شاعری کرتے ہیں اور شام سے رات تک کا وقت ادبی حلقہ بنا کر گزارتے ہیں۔ اس ادبی حلقے میں جاہلانہ تنقید گھنٹوں کے حساب سے روز کی جاتی ہے اور اس کا حاصل حصول ان کے اپنے وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔
۵۔ تقریبانہ تنقید۔ جب کسی مصنف کی کتاب چھپ کر آتی ہے تو کتاب کی رونمائی کی ایک محفل سجائی

سقراط کی درس گاہ

سقراط کی درس گاہ کا صرف ایک اصول تھا، اور وہ تھا برداشت، یہ لوگ ایک دوسرے کے خیالات تحمل کے ساتھ سنتے تھے، یہ بڑے سے بڑے اختلاف پر بھی ایک دوسرے سے الجھتے نہیں تھے۔

سقراط کی درس گاہ کا اصول تھا اس کا جو شاگرد ایک خاص حد سے اونچی آواز میں بات کرتا تھا یا پھر دوسرے کو گالی دے دیتا تھا یا دھمکی دیتا تھا یا جسمانی لڑائی کی کوشش کرتا تھا اس طالب علم کو فوراً اس درس گاہ سے نکال دیا جاتا تھا۔

سقراط کا کہنا تھا برداشت سوسائٹی کی روح ہوتی ہے، سوسائٹی میں جب برداشت کم ہو جاتی ہے تو مکالمہ کم ہو جاتا ہے اور جب مکالمہ کم ہوتا ہے تو معاشرے میں وحشت بڑھ جاتی ہے۔

بقول سقراط اختلاف، دلائل اور منطق پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہے، یہ فن جب تک پڑھے لکھے عالم اور فاضل لوگوں کے پاس رہتا ہے اس وقت تک معاشرہ ترقی کرتا ہے...... لیکن جب مکالمہ یا اختلاف جاہل لوگوں کے ہاتھ آجاتا ہے تو پھر معاشرہ انارکی کا شکار ہو جاتا ہے۔

سقراط کہتا تھا۔ ”اور عالم اس وقت تک عالم نہیں ہوسکتا جب تک اس میں برداشت نہ آجائے، وہ جب تک ہاتھ اور بات میں فرق نہ رکھے۔“

از: سباس گل، رحیم یار خان

احساس

نہ ساون ہے، نہ آسمان پہ کالی گھٹا ہے
تو پھر جھونکے ہوا کے نم ہوئے کیوں
کیا تم یہ سوچ سکتے ہو میرے ہمدم دیرینہ
تمہارے شہر سے کچھ فاصلے پر
کوئی اپنا تمہارا رو رہا ہے

از: ہما علی، اسلام آباد

جاتی ہے۔ جس میں شہر کے مشہور و معروف شاعر، ادیب اور نقاد سب ہی شرکت کرتے ہیں۔ صدر اور مہمانِ خصوصی اس کتاب کی پزیرائی میں زمین آسمان ایک کر دیتے ہیں کہ ان سے بڑا دانشور تو آج تک کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔

٦۔ پاگلانہ تنقید۔ کوئی بھی شاعر اپنے آگے کسی دوسرے شاعر کو تسلیم نہیں کرتا کہ وہ بھی شاعر ہے۔ بلکہ یہی کہتا نظر آتا ہے کہ دو برابر کے مصرعے بنا لینا ہی شاعری نہیں ہوتی۔ جہاں بھی دو شاعر بیٹھے باتیں کر رہے ہوں تو یقیناً وہ کسی دوسرے شاعر کو برا بھلا کہہ رہے ہوں گے۔ بڑے سے بڑے شاعر کی شان میں گستاخی کرنا، گالیاں دینا، پگڑی اچھالنا شاعروں کا خاص مشغلہ ہے۔ یونہی ادب میں اسے پاگلانہ تنقید کا نام دیا گیا ہے۔

٧۔ تسلیانہ تنقید۔ جب ایک شخص اپنی جمع پونجی سے کتاب شائع کرنے کی بیوقوفی کر بیٹھتا ہے تو اس کے بیوی بچے اسے برا بھلا کہتے ہیں۔ پھر وہ شخص مختلف کمپنیوں سے اشتہار پکڑ کر اپنی کتاب کے سلسلے میں بروشر چھاپتا ہے۔ جس میں اشتہارات کے علاوہ تسلیانہ تنقید کے مضامین ہوتے ہیں جو نقادوں سے خوشامد کر کے لکھوائے ہوتے ہیں۔ اشتہارات کی آمدنی کے آدھے پیسوں سے آرٹس کونسل وغیرہ میں ایک پُروقار تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ اسٹیج پر بڑے بڑے دانشور اس کے کام پر تسلیانہ تنقید کرتے ہیں۔ وہ اس تقریب میں خاص طور پر اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے کر جاتا ہے تا کہ گھر والے بھی دیکھ لیں کہ وہ کتنی بڑی شخصیت بن چکا ہے۔ اب کیونکہ یہ ملک کا مشہور مصنف ہے اس لیے گھر والوں کو بھی اس کی عزت کرنی چاہیے۔

مضمون کے حوالے سے میں ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تمام تنقید نگار ایک جیسے نہیں ہوتے اب اپنی کتاب پر جن سے مجھے ریویو لکھوانا ہے اور جن، جن حضرات کو کتاب کی رونمائی میں بولنے کے لیے دعوت دینی ہے وہ اس عہد کے نامور دانشور ہیں۔ میں ان کی شان میں ہرگز گستاخی نہیں کرسکتا۔ ان عظیم ہستیوں کے نام اس وقت میں رقم نہیں کرسکتا کیونکہ مجھے خود معلوم نہیں کہ اس وقت مجھے کون، کون لوگ دستیاب ہوں گے۔

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط و کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com
03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:110

پیاری اور محترم بہنو! السلام علیکم!

تمام تر حمد و ثنا اس ذات والا صفات کے لیے جو حد بے خالق کائنات ہے۔ وہ رب العزت جس نے اپنی حکمت کاملہ سے ... کو محکم بنایا۔ وہ بے مثال، لازوال، ہر ایک کی سننے والا، ہر شے کا دیکھنے والا اور ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ کائنات کی ہر مخلوق ثنائے پروردگار میں معروف ہے۔ ہر شے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ پر درود و سلام بھیجتی ہے۔ خدایا رحمت نازل فرما حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ جن کو تو نے بہترین دین کے ساتھ بھیجا اور تمام عالم کے لیے نجات کا وسیلہ قرار دیا۔ بس تھامے رہو دامن رحمۃ اللعالمین کہ وہی دنیا و آخرت میں مددگار اور شفیع روز محشر ہیں۔

تمام اہلِ وطن کے لیے پُر خلوص دعائیں اور نیک تمنائیں لیے حاضر ہیں۔

کچھ باتیں اپنی بہنوں سے

پیاری بہنوں پُر خلوص سلام اور دعائیں لیے محفل میں حاضر ہوں۔۔۔ کیا حال ہے آپ لوگوں کا اور آپ سب کے علاقوں میں کیا صورت حال چل رہی ہے۔ اس دفعہ تو سیلاب نے پنجاب، سندھ، بلوچستان سب جگہ بری طرح تباہی مچائی۔ آج کل ہر دردمند دل بہت اداس ہے اور امدادی کاموں میں بھی حصہ لے رہا ہے جس کو اللہ جتنی توفیق دے رہا ہے، وہ بڑھ چڑھ کر کام کر رہا ہے۔ کراچی کی بیشتر تنظیموں نے سیلاب متاثرین کی دل کھول کر مدد کی ہے اور کر رہے ہیں اور اللہ کا احسان ہے کہ ہم سب بھی حسب توفیق اس عمل میں شامل ہیں۔ اللہ کریم ان پریشان حال متاثرین کی جلد پریشانیاں دور کرے۔۔۔ ہم لوگوں کو اپنی دعاؤں میں ان متاثرین کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔ ملک کی صورت حال کی وجہ سے ہمارے رسالے بھی سب جگہ دیر سے پہنچ رہے ہیں۔ کیونکہ تمام راستے اور رابطے منقطع ہیں اور بڑی مشکل سے ایک جگہ سے دوسری جگہ چیزیں پہنچائی جا رہی ہیں سو رسالہ دیر سے ملنے پر بہت معذرت۔ ستمبر کے شمارے میں افتخار شوق نے پاکیزہ کے دفتر میں آنے کا جو احوال لکھا...... اس میں افتخار وہ ساری باتیں لکھ ہی نہیں سکتی تھیں جو انہوں نے کہیں اور جس سے ہم بہت لطف اندوز ہوئے تھے۔ بہر حال انہوں نے بہت مختصر روداد لکھی جو ڈائجسٹ کی گنجائش کے مطابق تھی۔ امید ہے افتخار جلد ہی دوبارہ آئیں گی اور ہمیں اپنی خوشگوار باتوں سے محظوظ کریں گی۔ قسط وار تحریروں کی لکھاریوں نے اپنی تحریروں کا معیار برقرار رکھا۔ نئی ناول، شبینہ گل نے بہت اچھا لکھا ہے۔ امید ہے باقی ... سلسلے بھی آپ لوگوں کو پسند آرہے ہوں گے۔ پیاری بہنو! اب اجازت

میں نے خوابوں کے رنگ دیکھے ہیں، پچھلے دنوں اختتام پذیر ہو چکا ہے میرا مطلب ہے زیادہ عرصہ نہیں ہوا نیر چل جائے گا موضوع اچھا ہے (اس میں ہر کلاس کے گھر کی لڑکی کی کہانیاں دکھائی گئی ہیں۔ صرف ہاسٹل کی ہی مماثلت ہے) نمیرہ نقوی کی مختصر سی تحریر بھی شاندار رہی۔ سعدیہ حامد شیخ نے گجرے لکھ کر دل جیت لیا۔ کوئی راستے میں جدا نہ ہو، کچھ خاص نہیں ہے مزہ نہیں آیا۔ روحیلہ خان نے اس مرتبہ بھی زبردست لکھا عروسہ نے بڑھاپے کی اولاد ہونے کا حق ادا کر دیا۔ نور رانہ نوشین خان کی وڈی پوا عجیب سی تحریر تھی کچھ زیادہ سمجھ نہیں آئی۔ آپی ہوں ناں نالائق (ہاں تھوڑا مطالعہ وسیع کرو) بلا عنوان بھی اچھی تحریر تھی۔ کمرہ ہدایت میں اس مرتبہ خوش کلامی اور بدکلامی کے متعلق پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے علاوہ سب سلسلے بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔" (بہت شکریہ، چلو تمہیں خود معلوم ہے لمبا تبصرہ لکھتی ہو۔ اصل میں سب بہنوں کو جگہ دینی ہوتی ہے اس لیے لمبے تبصرے نہیں لگا سکتے۔ بہر حال تمہاری محبت کا شکریہ)

✉ ظل شاہین، رحیم یار خان سے۔ "گولڈن جوبلی نمبر کا شدت سے انتظار تھا۔ (مگر خط لکھنے میں دیر ہو گئی) حسب سابق دین کی باتوں سے آغاز کیا اور پھر اگلے ہی صفحے پر انجم باجی آپ کے روبرو تھیں اور یادوں کا آنچل سرکتا گیا۔ ماضی کے بہت سے اوراق و اوراق ہوں میں ذہن میں گھومتے گئے۔ باجی کا اک عرصے بعد پاکیزہ میں آنا بہت اچھا لگا۔ گفتگو بھی بہت تفصیلاً رہی، ماشاء اللہ..... بہت لطف آیا۔ مگر تصاویر بہت دھندلی تھیں اور پرانی بھی کاش اس خصوصی اشاعت کا کاغذ پہلے جیسا عمدہ ہوتا تصاویر صاف واضح اور کچھ نئی بھی ہوتیں تو بہت اچھا لگتا اور اس خصوصی پرچے کا حق ادا ہو جاتا مگر..... کاش..... (جی ہمیں بھی اس کاغذ پر اپنی محنت دیتے ہوئے افسوس ہوتا ہے مگر دستیاب ہی نہیں ہے) شائستہ زریں کا سروے زبردست رہا۔ محترمہ نگہت سیما کے ناولٹ کی چھ اقساط مکمل پڑھ کر کمنٹ دوں گی۔ اور تنہا۔ محترمہ ناہید سلطانہ کی نظم اک خواہش بہت دل کو لگی..... انجم باجی کے پاکیزہ سے جانے کے بعد دل بہت اداس رہا اور کچھ مصروفیات زندگی خطوط لکھنے کا سلسلہ نہ ہونے کے برابر رہا مگر پاکیزہ پڑھنا ہنوز برقرار رہا۔ ان شاء اللہ اب کوشش کروں گی کہ رابطے میں رہوں....." (جی ضرور باقاعدگی سے لکھیں دوبارہ سے خط کے ذریعے حاضری لگانا اچھا لگا۔ مراسلات بھی ضرور بھیجیں۔)

✉ آسیہ عامر، کراچی سے۔ "تبصرہ لکھنے بیٹھی ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا لکھوں.....؟ کہاں سے شروع کروں اچھا..... اختر شجاعت کے مضمون "حقوق العباد" سے شروع کرتی ہوں، یہ باتیں ہم بچپن سے پڑھتے، سنتے آ رہے ہیں لیکن عمل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی کبھی غور ہی نہیں کیا کہ ہمارا اتنا پیارا مذہب ہمیں چھوٹی چھوٹی نیکیوں کے بدلے جنت دے رہا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے فائدے حاصل کرنے کے چکر میں ہیں۔ اختر آپی آپ نے بہت خوب صورت انداز میں توجہ دلائی۔ (اب کوشش ضرور کرنا) کنیز زہرا کا شب غم تمام شد، ایک بیوہ عورت کو بہت مضبوط اور باکردار دکھایا ایسا ہی ہونا چاہیے لیکن ویسے بے شرم بھائی نہیں ہونے چاہئیں کبھی بہن کے گھر جا کر حال نہیں پوچھا۔ بزم پاکیزہ شاندار..... قابل تحسین تقریبات دیکھ کر ان لوگوں پر فخر ہوتا ہے جو امریکا جیسے ملک میں رہ کر بھی حجاب کا اہتمام کرتے ہیں۔ شائستہ زریں کا سروے بھی سبھی خواتین کی کہانیاں اچھی لگیں لیکن انسر سلطانہ کے متعلق پڑھ کر دل اداس ہوا جس وقت پڑھا دل چاہا اڑ کر ان کے پاس چلی جاؤں اور ان کو سیلوٹ کروں۔ شکیلہ نثار کا مقدم ایسے افسانے پڑھ کر دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے کہ لڑکی کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے۔ حقیقت میں جو لڑکیاں ایسا کر گزرتی ہیں ان کے ماں، باپ تو جیتے جی مر جاتے ہیں لیکن شکر ہے رسلہ کو عقل آ گئی۔ شبینہ گل کا قصہ دل پڑھ کر بہت مزہ آ رہا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سارا ایک ہی دفعہ میں چھپ جائے ثمینہ کے ساتھ جو ہوا پڑھ کر حیرت ہوئی کوئی ماں، باپ اپنی اولاد پر اتنا ظلم کر سکتے ہیں؟ اور پھر چچا نے تو ثمینہ کا گھر اجاڑنے کا ٹھیکا ہی لے لیا ہے۔ اللہ کرے ماوی کو تو اجر مل جائے۔ وہ ہوئے مجھ سے ہمکلام افکار شوق سے مل کر بہت اچھا لگا۔ گالی دینا بری بات ہے لیکن ان کا پیچھے دے کر گالیاں دینا یقیناً ان سے گفتگو مزیدار رہی ہوگی۔ رائٹر طیبہ کا انٹرویو دلچسپ رہا۔ اردو بے زبان اس کی قرۃ العین کی خوب صورت کاوش ایم اے انگلش کی اسٹوڈنٹ کا بچی سے کیا مقابلہ؟ اب جو صراط عشق پڑھنا شروع کیا ہے تو یہ ناول بھی بہت دلچسپ ہے تو ارزش صاحب زلیخا اور نین تارہ دونوں کو ساتھ رکھنے میں کیا حرج ہے، اسلام میں تو چار کی اجازت ہے۔ ہاجرہ ریحان کا باجی رشتے والی پڑھ کر مزہ آیا ہم بھی ایک مرتبہ باجی رکشا سوری باجی ٹیکسی والی کے ساتھ گئے تھے۔ کوئی راستے میں جدا نہ ہو..... فرحت انصاری کا خوب صورت ناولٹ ایسے خود غرض لوگوں کی خاطر اپنی زندگی کو روگ نہیں لگانا چاہیے۔ سمایہ نے علی جیسے قدردان کا ہاتھ تھام کر اچھا کیا۔ مفتاح الشرور کا خاتمہ ہوا ایسی چیزوں سے وحشت ہوتی ہے اللہ ایسے حاسدین سے بچائے کالی بھیڑیں بیچ میں ہی ہوتی ہیں۔ برسات کا موسم غریب بیچارے کے لیے سارے موسم پریشانی کے موسم ہوتے ہیں لیکن مکافات عمل بھی کوئی چیز ہے۔ تسنیم منیر علوی کا پچھتاوے کی الماری آج ہم لوگوں کو کوئی کہتا ہے کہ تمہارا کان کتا لے گیا تو ہم اپنا کان نہیں دیکھیں گے کتے کے پیچھے بھاگیں گے افواہیں دوسروں پر الزام تراشیاں لیں یہ ہمارا مقصد رہ گیا ہے پھر انجام تو شرمندگی ہی

ہو گا ناں..... اذن بہار بھی اچھا جا رہا ہے۔" (تبصرے کا شکریہ)

✉ ثمینہ کوکب، جہلم سے۔ "کراچی اور پاکستان کے تقریباً سب علاقوں کے حالات سیلابی صورت حال کے باعث بہت ہی خراب ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر دل و دماغ اضطرابی کیفیت کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سب مصیبت زدہ بہن، بھائیوں کا حامی و ناصر ہو۔ دعا ہے یارب العالمین سب بہن، بھائی آپ کی حفظ و امان میں ہوں سب کی مشکلات احسن طریقے سے حل ہو جائیں، آمین۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنی رحمت خاص اور اپنے پیارے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں تمام پاکیزہ اسٹاف اور تمام پاکیزہ بہنوں کو اپنے سایہ رحمت میں رکھے اور ہر قسم کے جانی و مالی نقصان سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی حفاظت میں ہو۔ آمین یارب العالمین..... آخر میں سب کے لیے دعائیں۔" (جزاک اللہ)

✉ نسیم سکینہ صدف، ڈسکہ۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ..... آپ ہمیشہ میرے لیے ادارے کے لیے اور تمام بہنوں کے لیے دعا گو رہتی ہیں..... بہت نوازش.....

✉ عطیہ، ڈیرہ مراد جمالی۔ آپ نے پاکیزہ کی سالانہ خریدار بننے کا پوچھا ہے تو اس کے لیے آپ 2000 روپے آفس کے ایڈریس پر سرکولیشن منیجر سید منیر حسین کے نام ارسال کر دیں یا پھر اگر جاز اکاؤنٹ ہے یا ایزی پیسہ تو اس نمبر پر جمع کروا دیں۔ مرزا فرحاس 03012454188 اپنا مکمل نام پتا رابطہ نمبر بھی بتا دیں اور یہ بھی کہ کس رسالے کے لیے کس ماہ سے لگوانا چاہ رہی ہیں۔

✉ زیبا، ضلع اٹک سے۔ "باجی آپ لوگ کیسے ہیں، میں اتنی دور بیٹھ کر بھی کسی نہ کسی طرح پاکیزہ حاصل کر لیتی ہوں..... ہم پاکیزہ اور آپ کے دیوانے ہیں۔ عذرا رسول باجی کیسی ہیں، آپ سب کو بہت سلام۔" (وعلیکم السلام، بہت شکریہ..... پاکیزہ پر تبصرہ بھی تفصیل سے بھیجیں)

✉ شفا سعید، کوئٹہ۔ آپ کی جو تحریریں قابل اشاعت ہیں، جلد لگیں گی۔ سیلابی صورت حال کی وجہ سے پاکیزہ بیشتر جگہ تاخیر سے پہنچا ہے۔ ان شاء اللہ مل جائے گا۔

✉ فائزہ فاروق سحر، لاہور سے۔ "باجی سب پاکیزہ بہنوں کی فکر ہو گئی ہے اس سیلابی پانی اور بارشوں کی وجہ سے، آپ سب خیریت سے ہیں ناں کراچی کے کیا حالات ہیں۔ پچھلے دو ماہ کے ٹائٹل بہت اچھے تھے، گولڈن جوبلی نمبرز میں سب بہنوں کا پچاس سال پر پیغام بہت مختلف مگر اچھے تھے۔ سب کے اسٹائل الگ تھے، سب شخصیات نے بڑے اچھے پیغام دیے۔ (جی یہ سب شخصیات کی پاکیزہ سے محبت ہے۔ بہت شکریہ سراہنے کا پیاری فائزہ، ہم کو بلوچستان اور دیہی سندھ اور جنوبی پنجاب کے علاقوں کی تباہ حالی دیکھ کر صدمے میں ہیں۔ اللہ رحم کرے۔)

✉ عاصمہ، بھلوال سے۔ "آپی میں کافی عرصے سے مختلف تحریریں لکھ رہی ہوں، چھوٹے چھوٹے آرٹیکل وغیرہ میں موٹیویشنل رائٹر ہوں کیا پاکیزہ کے لیے کچھ بھیج سکتی ہوں۔" (جی پہلے تو پاکیزہ کا بغور مطالعہ کریں اس میں مختلف سلسلے بھی کہانیوں کے علاوہ شامل ہوتے ہیں آپ اپنی تحریر بھیجیں، پڑھ کر بتائیں گے پاکیزہ پر رائے بھی ضرور دیں)

✉ سمیعہ امجد شیخ، لالیاں سے "پاکستان میں سیلاب کی ہونے والی تباہ کاریوں پر انتہائی افسوس ہے اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر اپنا رحم کرم فرمائے۔ سب بہنوں سے التجا ہے کہ اپنے شہروں میں لگنے والے سیلاب کیمپس میں دل کھول کر ان کی مدد کریں۔ اب آتے ہیں پاکیزہ کی طرف سرورق کی ماڈل سو کیوٹ انوسنٹ سی سوزین دل کو بھا گئی۔ سب سے پہلے تسنیم منیر علوی کا افسانہ پچھتاوے کی الماری پڑھا۔ بہت اچھا لگا۔ خوددار ماں، بیٹی کی کہانی اچھی لگی یہ ہمارے زمانے کا المیہ ہے کہ خود سے لوگ دوسروں کے بارے میں غلط اندازے لگا لیتے ہیں۔ برسات کا موسم، سیما محمد عالم کا افسانہ حقیقت سے قریب تھا۔ ہم لوگ اپنے پکے گھروں میں بیٹھ کر بارش کو انجوائے کرتے ہوئے دوسروں کی تکالیف بھول جاتے ہیں۔ نبیلہ ابر راجا کا مفتاح الشرور کا اینڈ اچھا لگا۔ بے شک اللہ کے کام میں فلاح ہے لیکن اس ترقی یافتہ دور میں جادو ٹونے کے کام بھی بہت ترقی کر رہے ہیں۔ حسد، نظر انسان کو عرش سے فرش پر لے آتے ہیں۔ ہر حال میں معوذتین آیت الکرسی گیارہ بار پڑھ کر اپنے گھر پر حصار کیا کریں۔ شبینہ گل کا ناول قصہ دل اچھا جا رہا ہے۔ صراط عشق میں ارزش کے دل میں خضرا اور نین کی محبت جاگ رہی ہے۔ وہ اس کے شرعی رشتے ہیں۔ زلیخا کو کسی اور کے ساتھ انگیج کروا دیں۔ مقدم افسانہ، شکیلہ نثار کی کاوش پڑھ کر اور بھی مقدم تھی۔ رسلہ کی برات کچھداری نے اسے بھٹکنے سے بچا لیا۔ شب غم تمام شد، کنیز زہرا کی حقیقت پر مبنی بہت اچھی تحریر..... ستر فیصد بھابیاں ایسی بلکہ اس سے بھی بری سوچ کی ہوتی ہیں۔ جبکہ تیس فیصد خدا کی ذات سے ڈرنے والی نندوں کو اپنی بہنیں سمجھنے والی بھابیاں بھی ہیں۔ بہنوں کی محفل

میں پہنچے عذرا رسول آنٹی کی باتوں سے مستفید ہوئے ڈراما نگار عالیہ بخاری کی والدہ کے انتقال کا پڑھ کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے، آمین...... ماں کے رشتے کو کھونا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ پیاری رائٹرز شیریں حیدر اور ڈاکٹر نگہت نسیم کے سرطان جیسے موذی مرض کے بارے میں آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عنایت فرمائیں۔ آنٹی فریدہ افتخار نے اسلام آباد سے کیا خوب لکھا ہے نوجوانوں کی بے ہودگی کے ڈریس، اٹھنا، بیٹھنا، ادب و آداب سب کچھ بھول چکے ہیں۔ تہذیب تو ڈھونڈنے سے ہی ملے گی اس بے راہ روی کو فیشن کا نام دیا جاتا ہے۔ ہماری امی کہتی تھیں بڑوں کے سامنے بولنا نہیں ہے، سر سے دوپٹہ نہ اترے، جتنی دیر بڑے گفتگو کرتے تھے ہم بچیاں کمرے کا رخ نہیں کرتی تھیں۔ ہمیں اعلیٰ تعلیم دلوائی گئی۔ شخصی آزادی دی گئی لیکن ساتھ، ساتھ بڑوں کا ادب و احترام بھی سکھایا گیا تھا میرا رسائل سے رشتہ میرے ابو جی مرحوم کی اجازت سے ہوا ان کا اصرار ہوتا تھا کہ بیٹا پڑھو زمانے کی اونچ نیچ کی سمجھ آئے گی اور الحمدللہ ہم نے کبھی ان کا سر جھکنے نہیں دیا۔ میں اپنے ابو کی لاڈلی بیٹی اور اپنی امی کی بہت اچھی دوست تھی اللہ تعالیٰ میری اولاد کو میرے حق میں صالح رکھے۔" (آمین، تبصرے کا شکریہ)

☜ فریدہ مسرور، لاہور سے۔ "امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ پاکیزہ کا ستمبر کا شمارہ منگوایا...... دیکھ کر پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ بہت خوشگوار تبدیلیاں آچکی ہیں۔ آپ کا ترتیب دیا ہوا سروے بہت عمدہ ہے۔ عموماً ایسے سروے ہلکی نوعیت کے سوالات پہ مبنی ہوتے ہیں لیکن یہ سروے سنجیدہ اور معاشرتی مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے سوالات پر مشتمل ہے۔ اسی لیے سب نے بہت اچھے جوابات دیے۔ مجھے اس سلسلے کا حصہ بننا اچھا لگا۔ بہت شکریہ شائستہ جی......" (مختصر رائے کا شکریہ)

☜ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ "اس بار سیلاب کی تباہ کاریوں کی وجہ سے کافی دن تک ٹرین سروس بند تھی۔ اس لیے میں تبصرہ سولہ تاریخ کو ارسال کر رہی ہوں۔ سو قبول فرمائیں۔ ساون نمبر پر سرورق پر قبضہ سوزین نے کیا ہوا تھا۔ اداریے میں باجی آپ نے ٹھیک فرمایا ہے بس اپنی سوچ کو اپنے قلم کو اپنے قدم کو اپنے کردار کو مثبت رکھنے میں نجات ہے۔ انداز نو میں اس بار آسٹریلیا میں مقیم ڈاکٹر طیبہ صفی علوی تھیں ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ وہ ہوئے مجھ سے ہم کلام میں نامور رائٹر افتخار شوق سے آپ نے ہماری ملاقات کروائی۔ ان سے بات چیت اور تصاویر بھی شاندار تھیں۔ مسرت عزت کو میری تحریر پسند آئی۔ بہت شکریہ...... عذرا آپی نے کچھ باتیں اپنی بہنوں سے کیں انہوں نے کاغذ کی عدم دستیابی کا بتایا کہ یہ کاغذ ہی ہم استعمال کرسکتے ہیں اسی پر گزارہ کریں۔ جی آپی جی ہم آپ کی مجبوری سمجھتے ہیں۔ پاکیزہ جس کاغذ پر بھی چھپے گا ہمیں منظور ہوگا کیونکہ ہمیں پاکیزہ سے پیار ہے۔" (جی ہمیں اس بات کا اندازہ ہے۔ اگلی دفعہ کہانیوں پر تبصرہ ضرور کریں)

☜ نجمہ جبار، بہاول پور سے۔ "پاکیزہ بہت اچھا پرچہ ہے۔ 97ء سے باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں۔ مجھے بہت پسند ہے۔ سلسلوں میں شرکت کروں گی۔ (جی ضرور) میری خواہش ہے کہ پاکیزہ کے ادارے میں آکر سب سے ملاقات کروں (جی ضرور کریں) ارادہ ہے کہ دسمبر میں کراچی آکر آپ لوگوں سے ملوں، بڑا دل کرتا ہے۔ رائٹرز سب ہی اچھا لکھ رہی ہیں، پچھلے دنوں نایاب جیلانی کا میں عشق ہوں تو زبردست تھا اور اب صراط عشق بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ ہم پاکیزہ کے سنگ ہیں۔ میرا پاکیزہ سے تعلق تو بہت پرانا ہے اور کافی پہلے سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں مگر شرکت کرنے میں شرم و خوف تھا جواب نہیں کہ ماشاء اللہ پاکیزہ کی دونوں ایڈیٹرز نزہت و آمنہ سے کال پر بات ہوئی تو اتنی اپنائیت کا احساس ہوا دونوں سے باتیں کرکے اور اب تو ہر ماہ ہی ضرور پاکیزہ میں آنا ہے اور دلہن نمبر میں بھی لازمی شرکت کرنی ہے۔ باقی سنہری یادوں میں تعارف کی باتیں کریں گے تو اب تبصرہ ہوجائے تو پاکیزہ بہت تاخیر سے ملا ...... سیلاب کی وجہ سے مگر کوئی بات نہیں ملا تو۔ سرورق اچھا تھا سادہ سا تھا۔ قرآن کی باتیں، اسمائے نبی، شمع ہدایت، روحانی مشورے اور پاکیزہ ڈائری بہت اصلاحی و معلوماتی رہی اور بزم پاکیزہ میں جہاں بہنوں کے سوال مزے دار ہوتے ہیں وہیں نزہت کے جواب بھی کسی سے کم نہیں ہوتے۔ انداز نو بھی بس ٹھیک تھا مجھے بھی یہ خاص پسند نہیں نہ گوشہ ظرافت۔ شائستہ کا سروے بہت ہی پسند آیا اور معلوماتی اور دلچسپ سوالات تھے ہاں نزہت ان سے کہیں کہ مجھے بھی سروے میں جگہ دیں۔ (جی ضرور) اذنِ بہار، ناہید کچھ لکھیں اور وہ اچھا نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا۔ دریہ کا کردار بہت یادگار رہے گا، آنچ کی الفت کی طرح۔ صراط عشق میں دانیال کی نین سے شادی ہوجائے کاش ارزش مر جائے کہ یہ سیدھا نہیں ہوگا لگتا ہے۔ قصۂ دل بھی اصلاحی پن لیے ہوئے ہے ہاسٹل لائف مگر انداز بہت اعلیٰ ہے رائٹر کا اور منظر کشی بھی زبردست ہے۔ فرحت انصاری تو پاکیزہ میں ہمیشہ الگ انداز میں آتی ہیں اور اچھا لکھتی ہیں اور زارون کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ افشاں آفریدی کا نصف صدی کا سفر ایک یادگار تحریر رہے گی کہ بہت ہی الگ انداز تھا اور مزاحیہ پن بھی بہت مگر باوقار۔ کاش میرا سارا زنگ

آلود کے بعد افشاں پھر سے کوئی طویل تحریر پاکیزہ میں لے کر آئیں کہ پاکیزہ کے معیار کے مطابق ہی لکھتی ہیں تینوں بہت دلچسپ مثالی تحریر۔ شکیلہ نثار کی تحریر بہت اچھی اور اصلاحی تھی اور کیا یہ نئی رائٹر ہیں؟ ماشاء اللہ پہلی بار میں اتنا اچھا لکھنا۔ دونوں افسانے بہت اچھے تھے اور آپ لوگ ہر ماہ ہی تحریر میں الگ پن لاتے ہیں جو اچھا ہے۔ کنیز زہرا کی تحریر میں دونوں بہن بھائیوں پر شدید غصہ آیا وہ ان کی بات تحریر صدقہ جاریہ تھی کہ کتنے اچھے سے ہمت و برداشت کیا ہیروئن نے اور پھل ملا۔ اس کو...... رائٹر کی یہ تحریر...... آجائیں اپنی آپ بیتی کے ساتھ کہ اب فری ہی تو ہوتی ہیں تو ان کا دل بہلا رہے گا پاکیزہ میں آکر۔ (آپ کی رائے پہنچ گئی) پاکیزہ میں آجائیں...... میری عذرا رسول سے بات کرنے کی بھی شدید خواہش ہے اور ان شاء اللہ یہ جلد پوری ہوگی...... ان کا پاکیزہ میں...... ہے) ...... دلچسپ تھا دو قسط والا۔ اللہ پاک آپ تمام پاکیزہ کے اسٹاف کو سلامت رکھے اور تمام پڑھنے والیوں کو بھی۔ ان شاء اللہ ہر ماہ آتی رہوں گی۔" (جی ضرور، دعاؤں کے لیے شکریہ)

☜ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ "اس بار پیارا پاکیزہ ہمیں 2 تاریخ کو موصول ہوا اور وہ کیا کہتے ہیں کہ آیا اور چھا گیا۔ پاکیزہ کے سارے ہی سلسلے زبردست سے زبردست ہوتے جارہے تھے۔ خاص طور میں...... مشتاق ہوں کہ ماشاء اللہ ہمارے پاکیزہ کے...... بہت ہی خوب صورت منفرد اور عمدہ رہے مثلاً جیسے نازنین آفریدی، ارم کمال، سدرہ محمود اور روحی صبا کے اشعار ...... اس دفعہ تو بہت عمدہ لگے اور اسی طرح پاکیزہ ڈائری بھی آمنہ حماد بھرپور طریقے سے مرتب کررہی ہیں ان کی ڈائری میں بڑا دل...... کے عمدہ لگے۔ شگفتہ ترمذی کی سنہری یادیں بہت اچھی لگیں۔ (آپ بھی اپنی یادیں بھیجیں) اور سنہری یادوں کا سفر بڑا مزہ دے رہا ہے۔ شمع ہدایت کی تعریف کے لیے تو الفاظ ہی نہیں ہیں ان کی ہر تحریر دل میں اترتی ہے۔ اور اب ناولز کی بات کی جائے تو کنیز زہرا کا پیارا سا مکمل ناول شب غم تمام شد اچھی کہانی تھی۔ اور جناب دلشاد نسیم کا صراط عشق بھی خوب سے خوب تر ہوتا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ فرحت انصاری کا ناول کوئی راستے میں جدا نہ ہو کو بھی اچھا ہی کہہ سکتے ہیں مطلب ایورج کہانی تھی۔ اور اب بات ہوجائے ہماری فیورٹ مصنفہ نبیلہ ابر راجا کے دلکش ناول مفتاح الشرور کی۔ ماشاء اللہ سے اتنا شاندار ناول لکھنے پر مبارک باد اور گزارش ہے کہ پلیز جلدی، جلدی اچھی، اچھی کہانیاں پاکیزہ میں دیتی رہا کریں اور اذنِ بہار کی تو کیا بات ہے۔ ناہید سلطانہ اختر آپ کی تحریر ہمیں بہت، بہت پیاری لگ رہی ہے۔ افسانوں میں سیما محمد عالم کی کہانی برسات کا موسم نے دل دکھایا۔ لیکن عموماً اتنا زیادہ ہوتا نہیں ہے جتنا اس کہانی میں بیان کیا گیا ہے (کبھی کبھی ایسا اور اتنا ہی ہوتا ہے) البتہ تسنیم منیر علوی کی پچھتاوے کی ہماری اچھی لگی اور باجی رشتے والی میں مزہ آیا ہاجرہ ریحان سنے پیارا لکھا۔ اسی طرح قرۃ العین خرم ہاشمی نے اردو ہے زبان اس کی ایک لحاظ سے تو اچھا لگا مگر حیرت ہوئی کہ ایک یونیورسٹی کی طالبہ اور ایک اسکول کی بچی بھلا ان کا کیا مقابلہ مگر کیا کیا جائے اپنی مادری زبان اردو ڈھنگ سے آتی نہیں ہے بس انگلش آجائے چاہے وہ بھی غلط سلط بولیں۔ خیر اسٹوری انہوں نے اچھی لکھی ہے۔" (مختصر تبصرے کا شکریہ)

☆☆☆

اچھا بہنوں محفل کا سلسلہ وقتی طور پر موقوف کرتے ہیں جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں ماہ نومبر کا شمارہ دلہن نمبر ہوگا اور ماہ دسمبر سالنامہ...... اس حوالے سے اپنی نگارشات جلد سے جلد بھیج دیں۔

اپنے، اپنے اہلِ خانہ کے لیے مانگنے والی دعاؤں میں تمام اہلِ وطن کو یاد رکھیں خصوصاً ان سفید پوشوں کے حق میں دعائے خیر کریں جو حالیہ سیلاب کے نقصانات سے شدید متاثر ہوئے، اپنا گھر بار، مال مویشی، زمینیں چھوڑ کر قیام پاکستان کے وقت کی طرح ...... اور امداد نہ جانے کس کے پاس جارہی ہے۔ ہر چوک، گلی محلوں میں کیمپس لگے ہوئے ہیں۔ یہی ہمدردی کا یہ جذبہ خدا سلامت رکھے اور ہمارے پیارے وطن پاک کو ہر قسم کی زمینی و آسمانی بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھے، آمین۔

اللہ نگہبان، خیر اندیش، نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35802552 EXT 110, 021-35386783 , 021-35804200

پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

حمد باری تعالیٰ

تو نے بخشی ہمیں جان پروردگار
شکر ہے تیرا ہر آن پروردگار
ہر مصیبت میں، ہر وقت، ہر حال میں
تو ہے سب کا نگہبان پروردگار
تو نے بھیجا جہاں میں وہ سچا نبی
ہے جو ایمان کی جان پروردگار
جس نے قانون قدرت کو روشن کیا
تو نے بخشا وہ قرآن پروردگار
لاکھ آئین عالم بدلتے رہیں
ایک ہی تیرا فرمان پروردگار
تیری طاعت میں مشغول ہم سب رہیں
بن کے سچے مسلمان پروردگار
آنکھ روشن رہے دل منور رہے
ہو عطا نور ایمان پروردگار

کلام: منور بدایونی
پسند: نادیہ، راولپنڈی

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہوئے پیدا تو ہر ذرے نے ہاتف کی صدا سن لی
محمد مصطفیٰ فخرِ رسل خیر الوریٰ آئے
کوئی حسرت نہیں رہتی اگر سرکار بلوالیں
ذوقِ جذب دل سے رات دن لب پہ دعا آئے
میں تاریکی میں سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوں برسوں سے
کبھی تو میری جانب ان کے چہرے کی ضیا آئے
حضوری میں مجھے پاکر مرے احباب بول اٹھے
وہ دیکھو حوک شرف کے ظہیر پر خدا آئے

کلام: ظہیر احمد ظہیر
پسند: بنت ظہیر، راولپنڈی

زندگی

☆زندگی کو یہ سمجھ کر بسر کریں کہ اس میں کچھ حصہ دوسروں کا بھی ہے۔ زندگی کے چند لمحے دوسروں کی بھلائی کے لیے وقف کر دینا بڑی نیکی ہے۔
☆زندگی بغیر محنت کے مصیبت اور بغیر عقل کے حیوانیت ہے۔
☆زندگی ایسی گزارنی چاہیے کہ ڈائری لکھتے وقت کچھ چھپانے کی ضرورت نہ پڑے۔
☆زندگی قوم کے لیے وقف کرو ہمیشہ زندہ رہوگے۔
☆زندگی خدا نے دی ہی صرف اس مقصد کے لیے ہے کہ اچھے اور تعمیری کام کیے جائیں۔
☆جدوجہد اور ہمت میں کامیاب زندگی کا راز مضمر ہے۔
☆زندگی ایسی گزارو جس میں خلوص، محبت اور احساس کی فراوانی ہو تا کہ گزرے ہوئے لمحوں کا نقش تمہارے ذہن پر اچھا تاثر چھوڑے۔

مرسلہ: صائمہ رضوی، چکوال

عقیدے کا چور

کہتے ہیں کہ ایک دن ایک چور کو راستے میں ایک بٹوا ملا جس میں بہت سے پیسے تھے۔ اس بٹوے پر کوئی دعا لکھی ہوئی تھی اور ایک خانے میں بٹوے کے مالک کا نام اور پتا بھی رکھا ہوا تھا۔ چور نے بٹوا صحیح سالم اس کے مالک کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے چور سے پوچھا۔ ''تم آرام سے یہ پیسے رکھ سکتے تھے واپس کیوں کر دیے؟''

چور نے جواب دیا۔
''آپ نے بٹوے پر جو دعا لکھوائی ہے، وہ اس عقیدے کے تحت لکھوائی ہوگی کہ اگر یہ کھو جائے تو اس دعا کی برکت سے آپ کو واپس مل جائے۔ میں چور ضرور ہوں لیکن صرف مال و دولت کا۔ کسی کا عقیدہ چوری نہیں کر سکتا۔ اگر میں آپ کا بٹوا واپس نہ کرتا اور آپ کا اعتقاد اس دعا پر کمزور پڑ جاتا تو تب میں آپ کے ایمان کا چور ہوتا اور یہ مال و دولت کی چوری سے زیادہ بڑا ہے۔'' (از حکایات فارسی)

پسند: فضہ بتول، بہارہ کہو

جھیل کنارے

دور افق پر اڑتے پنچھی
رفتہ رفتہ دور ہوئے
دستِ دعا خوشیوں کو اٹھے تھے
لیکن غم بھی خوب رہے
ایک گھروندا مٹی کا تھا
جھیل کنارے چھوٹا سا
لہر کی زد میں ایسا آیا
نام و نشاں معدوم ہوئے
ڈھلتی شام کے اس منظر نے
خون کے آنسو روئے تھے
پیاسی آنکھیں چیخ رہی تھیں
جانے والے کب رکتے ہیں
آنسو تو زنجیر نہیں تھے
نیا سفر اور نئی پناہیں
چہرے کیا بدلی ہیں نگاہیں
میں تنہا راتوں کا راہی
یادیں ہی میری ہمراہی
آس کے سارے تارے ٹوٹے
ہمراہی رستے میں چھوٹے
آنکھیں ہیں اور اشک رواں ہیں
یادیں بھی تو وحشتِ جاں ہیں
پنچھی گھر کو لوٹ رہے ہیں
شاید بات تمام ہوئی
لگتا ہے لو شام ہوئی

کلام: یمنیٰ احمد
پسند: شاہانہ سلطان، کراچی

گلہائے عقیدت بحضور امہات المومنین

راز دارانِ رسالت امہات المومنین
واقفانِ سرِ وحدت امہات المومنین
پاک باطن پاک طینت امہات المومنین
نیک نیت نیک سیرت امہات المومنین
سب منزہ سب مصفا سب کی سب تھیں طاہرات
لائق توصیف و مدحت امہات المومنین
سب کی سب اعلیٰ نسب تھیں صاحبِ کردار تھیں
حاملانِ ہر فضیلت امہات المومنین
ہوں خدیجہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، حبیبہؓ، ماریہؓ
واجب حسن عقیدت امہات المومنین
ام سلمہؓ، زینبؓ، و صفیہؓ و ریحانہ بھی ہیں
شاملِ منشائے قدرت امہات المومنین
سودہؓ و رملہؓ و میمونہؓ ہوں یا جویریہؓ
برتر از حورانِ جنت امہات المومنین
ان کا حصہ تھا بہت، اسلام کی ترویج میں
محسنینِ دین و ملت امہات المومنین
وہ قبائل دل سے شامل ہوگئے اسلام میں
جن قبائل کی تھیں عزت امہات المومنین
زندگی بھر دین کی تعلیم دیتی ہی رہیں
تھیں تمام اہل بصیرت امہات المومنین

کلام: مہر وجدانی
پسند: موتا رضوان، کراچی

ایک مسلمان کیا چاہتا ہے؟

یو کے میں پڑھنا، یو ایس اے میں نوکری..... کینیڈا میں رہائش، انگلش میں بولنا۔ چائنیز کھانا، اٹلی کا پزا، رشین سلاد، انٹرنیشنل فرینڈز، امریکن بیوی، جاپانی کار، انگلش موویز، انڈین میوزک وغیرہ..... اور آخر میں مکہ میں مرنا اور جنت الفردوس میں جانا چاہتا ہے۔
ذرا سوچیے مسلم کی یہ خواہش کیا رنگ دکھا رہی ہے؟

از: صبا نور، لیہ

تبسم سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ

جن میں ایک میری تھی
اور اک تمہاری

کلام: ماہِ تمام از پروین شاکر
انتخاب: ثوبیہ نذیر، فیصل آباد

ماڈرن غزل

غریب خانہ ہمیشہ سے جیل خانہ ہے
مرا مزاج لڑکپن سے لنگرانہ ہے
الٰہی خیر دلِ زار و ناتواں کی خیر
کہ آج ان کا ہر انداز ہٹلرانہ ہے
نہ جاں کی خیر نہ قلب و جگر سلامت ہیں
وزارتِ رخِ دلدار کا زمانہ ہے
ترا وصال میں ہو نقد جان کے عوض؟
بڑی بلند تری "شرح آبیانہ" ہے
تم آج کیوں یہ گورنر سے بن کے بیٹھے ہو
کہو کہو مری جاں کس کو آزمانا ہے
دلوں کا فرش بچھا ہے جدھر نگاہ کرو
تمہارا گھر بھی دلوں کا کباڑ خانہ ہے
نہ دیکھ آہ مجھے اے نگاہِ یار نہ دیکھ
کہ آج تیرا ہر اقدام "جارحانہ" ہے
مجھے ضمیر خدا کے کرم سے کیا نہ ملا
مزاج گرم، طبیعت بھی شاعرانہ ہے

کلام: ضمیر جعفری
پسند: فاطمہ حسن، اسلام آباد

پرانا قرض

قسمت سے اگر ماں، باپ
ہوں دولت مند
تو اولاد پلتی ہے عیش و عشرت میں
جواں ہوتی ہے ایک اعتماد لے کر
ترقی کے راستے جاتے ہیں کھل
دولت کا زیادہ حصہ گر
بچ جاتا ہے ماں، باپ کے پاس
تو بڑھاپے میں وہ اپنے بچوں کے لیے
بن جاتے ہیں ایسا کوٹ
جس کے بٹنوں میں جڑے ہوں قیمتی پتھر
اور اگر خرچ کر دیا ہو سارا اثاثہ
یہ سوچ کر کہ اب بچے ہی تو ہیں ہماری دولت
تو وہ بن جاتے ہیں وہ پرانا کوٹ
جو نہ رکھنے کا ہو اور نہ پھینکنے کا
بس رہ جاتا ہے ایک پرانا قرض

کلام: عذرا آفتاب خان
پسند: ثمیرا انجم وحید، واہ کینٹ

غزل

تو اگلی قسط کو رکھ التوا میں
یہ پہلا درد ہی ٹھہرا کہاں ہے
بہت سی خواہشیں ہیں ساتھ ہر دم
دلِ حسرت زدہ تنہا کہاں ہے
رہا کچھ بھی نہیں اب دسترس میں
خیال اس شوخ کا آیا کہاں ہے
تجھے تیری طرح میں بھول جاؤں
ابھی مایوس دل اتنا کہاں ہے
جسے نعم البدل تسلیم کر لوں
مگر عابدؔ کوئی ایسا کہاں ہے

کلام: عابد حسین عابدؔ
پسند: افتخار شوق، میاں چنوں

غزل

دریا کی ہر ایک روانی خطرے میں
میری آنکھ کا بہتا پانی خطرے میں
خود کو قابو پالو گے تو اچھا ہے
ورنہ یہ انمول جوانی خطرے میں
اس کی سب تصویریں واپس کرنی ہیں
اب اس کی ہر ایک نشانی خطرے میں
اس لڑکے کی یاد کہاں میں بھولی ہوں
بٹوے میں تصویر پرانی خطرے میں
اس کا نام لیا ہے آنکھیں بھیگ گئیں
لگتی ہے اب اشک فشانی خطرے میں
ملنے کی جب بات چلی ہے فرّی جی
میری ہر اک شام سہانی خطرے میں

کلام: فریدہ جاوید فری، لاہور

[illegible]

☆کرن ــــ [illegible]
کسی بھی در پہ جو [illegible]
خلوصِ دل سے [illegible] مصطفیٰ کی بات کرو

☆حمیدہ کوثر ــــ [illegible]
محشر میں محمدؐ کی جب جلوہ گری ہوگی
اس وقت گناہ گاروں کی داد رسی ہوگی
بس ان کے غلاموں کی پہچان یہی ہوگی
تحریرِ محبت کی ماتھے پہ لکھی ہوگی

☆مسرت عزت ــــ [illegible]
دیکھ کر دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ
سانپ ہوتے ہیں آستینوں میں

☆نازنین آفریدی ــــ پشاور
جاگو کہ جاگنے سے تقدیر جاگتی ہے
اٹھو تمہاری منزل تم کو پکارتی ہے

☆سعیدہ بانو ــــ مری
اے شامِ غم بتا کہ سحر کتنی دور ہے
آنسو نہیں جہاں وہ نگر کتنی دور ہے

☆سعدیہ قریشی ــــ سرگودھا
نہ جانے کن نگاہوں سے مجھے دیکھا ہے ساقی نے
کہیں اشکوں میں خونِ آرزو شامل نہ ہو جائے

☆بنت ظہیر ــــ راولپنڈی
اندھیرے میں کرن پھوٹی ضیا کی
کوئی مشعل لیے پھر آ رہا ہے

☆فوزیہ سرور ــــ لاہور
بنائیں گے ہم بھی ترے دل میں بچہ
کسی روز اچھا سا گھر دھیرے، دھیرے
پڑی ہوں یہ دیکھو ترے راستوں میں
کرو مجھ پہ تھوڑی نظر دھیرے، دھیرے

[illegible]

☆ زرینہ فاتن ..... اسلام آباد
ہیں ترکِ رفاقت پہ پریشاں تو ہوں لیکن
اب تک کے ترے ساتھ پہ حیرت بھی بہت تھی

☆ نادیہ ..... راولپنڈی
شورِ محشر ہی جگائے تو جگائے اس کو
جس کو سائے میں تری زلف کے نیند آئی ہے

☆ شاہینہ مبارک ..... ہالہ
خواہشِ حسن نے اصنام تراشے کیا کیا
دل کے بت خانے میں گونجی ہے اذاں مشکل سے

☆ نازنین آفریدی ..... پشاور
وقت کی اتنی کمیں گاہوں سے ہو آئی ہے
زندگی اب تو کسی طور سنبھل جانا تھا

☆ مریم کمال ..... فیصل آباد
ماتھے پہ بل نہ آنے دیا تھا کبھی تو پھر
لہجے میں اتنی گہری شکن کیسے پڑ گئی

☆ زرینہ خانم لغاری ..... مظفر گڑھ
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں

☆ کوثر خالد ..... جڑانوالہ
چراغ رکھ تو دیے ہیں وفا کی راہوں میں
جنہیں یہ تابِ سحر، التجا خدا سے ہے

☆ ثوبیہ ظہور ..... ضلع اٹک
ملیں ہم کبھی تو ایسے کہ حجاب بھول جائے
میں سوال بھول جاؤں تو جواب بھول جائے
وہ کسی خیال میں ہو اور اسی خیال ہی میں
کبھی میرے راستے میں تو گلاب بھول جائے

☆ شاہدہ ..... ملتان
اپنی تو عمر ساری عرضِ ہنر میں گزری
شامِ فراق کیسی روزِ وصال کیسا

☆ سیما بنت عاصم ..... کراچی
شب کی تاریک فضاؤں میں چراغاں کرنے
ہر کوئی اپنی ہتھیلی پہ لیے سر آیا
چونکنے والوں نے نقاشِ غزل سن کے کہا
آج محفل میں کہاں سے یہ سخنور آیا

☆ ربیس حسن ..... راولپنڈی
میں جاگتا ہوں اندھیروں میں روشنی کی طرح
مری نوائے غمی ہے دلوں کی بیداری

☆ شہزادی کائنات ..... ہڑوں عاقل
مایوس نہ ہو جذبۂ تعمیرِ چمن سے
بجلی تو تڑپتی ہے تڑپتی ہی رہے گی

☆ حمیرا انجم وحید ..... واہ کینٹ
تا ابد روح کے چہروں پہ اندھیرا نہ رہے
زندگی ڈوبتے تاروں سے ضیا مانگتی ہے
دل کی راہوں پہ شفق رنگ اجالا پھیلے
رنگِ خوں کا تپتے ہاتھوں سے حنا مانگتی ہے

☆ نجمہ جبار، بہاول پور
زمانے کی تو سبھی رسمیں ہی سنگدل ہیں
پھر بھلا تم کیسے مجھے اپنا بنا پاؤ گے

☆ سمیعہ امجد شیخ ..... لالیاں
یہاں کسی کو بھی کچھ حسبِ آرزو نہ ملا
کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تو نہ ملا

☆ نفیسہ آرا ..... دبئی
ہم بھی کوئی کم تھے کہ ڈبو دیتے سفینہ
گو موجِ بلا اپنے ارادوں میں غضب تھی

☆ عصمت آپا ..... اوکاڑہ
کچھ پوچھو نہ عالمِ دلِ وحشت زدگاں کا
جب دھوپ تپائے در و دیوار سے اترے

☆ ایمن امین ..... ملتان
گزری ہوئی زندگی کو کبھی یاد نہ کر
تقدیر میں جو نہیں لکھا اس کی فریاد نہ کر
جو ہونا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا
تو کل کی فکر میں آج کی ہنسی برباد نہ کر

☆ فاطمہ شہزادی ..... حیدر آباد
ضرورت پڑی تو انجان بھی ہنس کے ملے
ورنہ برسوں سے تنہائیوں کی قید میں تھے
☆☆☆

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

☆ ماریہ انلامانی ..... ماتلی
سوال ☆ بہت جلد وہ نئے رنگ اپنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کون؟
جواب ☆ تم ہی جانو ..... ویسے ہم نے سمجھا تم کسی اینکر کو کہہ رہی ہو۔
سوال ☆ آنسو، بارش، پانی، دریا، سمندر، آنکھیں اس پر ایک شعر ہو جائے؟
جواب ☆ ہوا نمکین پانی آنسو بہے بارش کی صورت میں
ذرا سی دیر میں دریا، سمندر ہو گئیں آنکھیں
سوال ☆ ۳۔ ہر طرف گلاب کے پھول کھلے ہوئے تھے کہ اچانک ..... ؟
جواب ☆ مالی نے آواز لگائی، پھول مت توڑو لڑکی!

☆ ثوبیہ ظہور ..... ضلع اٹک
سوال ☆ آخر میں اتنے زیادہ خواب کیوں تو دیکھتی ہوں؟
جواب ☆ سویا کم کرو ناں!
سوال ☆ گرمیوں میں بجلی ناراض، شوہر ناراض، اور؟
جواب ☆ کھانا نہ بنانے پر بچے بھی ناراض۔
سوال ☆ دولت مند ہونے سے آدمی کس کو بھول جاتا ہے؟
جواب ☆ اپنے اصل کو۔

☆ جبیں نیاز ..... فیصل آباد
سوال ☆ دل دیا دل دار کو دل دار سمجھ کے ..... جواب دیں؟
جواب ☆ وہ تو ظالم ..... کٹا کٹ بنا کر کھا گیا۔
سوال ☆ یہ لوگ دل دیتے کیوں ہیں، اپنا دل تو اپنے پاس ہی رکھنا چاہیے ناں ..... ؟
جواب ☆ ارے کیا بات کی تم نے ..... کہاں سے اتنی عقل کی بات آئی دل سے یا دماغ سے۔

☆ نادیہ ..... راولپنڈی
سوال ☆ باجی لوگ غریبوں کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟
جواب ☆ اب کیا رلاؤ گی پگلی۔
سوال ☆ تم بن جیا نہ جائے؟
جواب ☆ بھلا کس بن ایک لمبی فہرست ہے پیاری
بجلی بن .....
گیس بن .....
پانی بن .....
کیبل بن .....

☆ ماریہ ..... سندھ
سوال ☆ شور اچھا لگتا ہے کہ خاموشی؟
جواب ☆ موڈ پر منحصر ہے۔
سوال ☆ کیا خاموشی سے ذہنی سکون ملتا ہے؟
جواب ☆ دوسروں کو تاں ..... !
سوال ☆ دل کے بدلے کیا دو گے؟
جواب ☆ دل ہی دینا چاہیے، بغیر دل کے کوئی کیا کرے گا۔
سوال ☆ عقل کی حدیں ہوتی ہیں ..... مگر بے عقلی کی؟
جواب ☆ دونوں ہی لامحدود۔
سوال ☆ سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟
جواب ☆ بہت کچھ جبھی تو تم سوچتی نہیں .....
سوال ☆ آخرکار گولڈن جوبلی چاکلیٹ؟
جواب ☆ آ ہی گئی ..... دیکھو جولائی، اگست میں سب نے کھا کھا کر خوب مزے کیے۔
☆☆☆

خوش ذائقہ

شائستہ یاسمین

بن وھیل بسکٹ

اشیا: میدہ، ساٹھ گرام۔ مکھن، چالیس گرام۔ پسی شکر، چالیس گرام۔ انڈے کی زردی، ایک عدد۔ کوکو پاؤڈر، دو چائے کے چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ ونیلا ایسنس، آدھا چائے کا چمچ۔ بیکنگ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ دودھ، دو چائے کے چمچ۔

ترکیب: میدے اور بیکنگ پاؤڈر کو چھان لیں مکھن کو پھینٹ لیں کہ ہلکا ہوجائے اس میں تھوڑی تھوڑی کرکے پسی چینی ڈالیں۔ ونیلا ایسنس ڈالیں۔ زردی ڈالیں۔ میدے میں نمک ڈالیں اور دو چائے کے چمچ دودھ ڈالیں اور انگلیوں سے جوڑ کر اس کے دو حصے کرلیں۔ ایک کو فریج میں رکھ دیں اور دوسرے حصے میں کوکو پاؤڈر ملالیں۔ اور دونوں حصے کو 8 , 8 squarob بنادیں۔ سادہ حصے پر co,co والا حصہ رکھ دیں اب بٹر پیپر کی مدد سے اس کو رول کریں۔ رول کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک بالش کا ہونا چاہیے اس کو دو گھنٹے کے لیے فریج میں ٹھنڈا کریں کہ بالکل سخت ہوجائے اس کے بعد اس کے دو دو انچ بسکٹ بنائیں۔ پین کو اچھی طرح گریس کریں اور اس میں فاصلے سے بسکٹ رکھیں۔ اسے گرم اوون میں 180c یا پر بیس منٹ بیک کریں دس منٹ ٹھنڈا کرنے کے بعد سرو کریں۔

ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسپی کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

جھٹ پٹ کھٹی چکن

اشیا: چکن، آدھا کلو۔ لیموں، دو سے تین عدد۔ (چھیل کر ٹکڑے کرلیں۔) ٹماٹر، دو سے تین عدد۔ (چوپ کرلیں)۔ دہی، ایک کھانے کا چمچ۔ لال مرچ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی پاؤڈر، آدھا چائے کا چمچ۔ دھنیا پاؤڈر، آدھا چائے کا چمچ۔ سرکہ، آدھا چائے کا چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ تیل، آدھا کپ۔

ترکیب: دیگچی میں تیل گرم کرکے نمک اور چکن ڈال کر اچھی طرح فرائی کرلیں، ہلکا سنہری رنگ آجائے تو نکال کر الگ رکھ لیں۔ اسی تیل میں لیموں، ٹماٹر، دہی، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، سرکہ اور آدھا کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر اتنا پکائیں کہ پانی خشک ہوجائے اس میں فرائی کی ہوئی چکن ڈال کر پندرہ منٹ مزید پکائیں سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

از: ماہ نور خان، بہارہ کہو

گلاوٹ گوشت سفید تل کے ساتھ

اشیا: گوشت، بون لیس، گائے، ایک کلو۔ سفید تل، تین کھانے کے چمچ۔ پیاز، (سلائس کاٹ لیں) دو عدد۔ دہی، ایک کپ۔ ادرک (چوپ کیا ہوا)، ایک چائے کا چمچ۔ لہسن، (چوپ کیا ہوا) ایک چائے کا چمچ۔ سرخ مرچ پاؤڈر، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ گرم مسالا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ جائفل، جاوتری پاؤڈر، ایک چٹکی۔ کچا پپیتا پیسٹ، دو کھانے کے چمچ۔ ہری مرچیں، چھ سے سات عدد۔ نمک، حسب ذائقہ۔ تیل، حسب ضرورت۔

ترکیب: دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز ڈال کر فرائی کریں، براؤن ہوجائے تو پلیٹ میں نکال لیں۔ ایک برتن میں گوشت، براؤن کی ہوئی پیاز، دہی، ادرک، لہسن، سرخ مرچ پاؤڈر، گرم مسالا، جائفل، جاوتری پاؤڈر، کچا پپیتا پیسٹ اور نمک ڈال کر تین گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اب اسی تیل میں میرینیٹ شدہ گوشت، سفید تل اور ہری مرچیں ڈال کر درمیانی آنچ پر گوشت گلنے تک پکائیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر ہرا دھنیا ڈالیں اور چپاتی کے ساتھ سرو کریں۔

از: روبینہ، کراچی

برمودا رائس

اشیا: انڈے، چھ عدد۔ دہی، ایک کپ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ زیرہ (کٹا ہوا)، ایک چائے کا چمچ۔ ہری مرچ، تین عدد پیس لیں۔ لہسن پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ ادرک پیسٹ، آدھا کھانے کا چمچ۔ تیل، آدھا کپ۔ سرکہ، ایک کھانے کا چمچ۔ پیاز، دو عدد۔ (باریک چوپ کرلیں)۔ چاول سیلا (بھگو دیں)، دو کپ۔ ثابت گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ ہرا دھنیا، ایک گٹھی۔ (چوپ کرلیں۔ ہری مرچیں، چار عدد ثابت لے لیں۔ شملہ مرچ، دو عدد۔ ٹماٹر، دو عدد۔ (چوپ کرلیں)۔ زعفرانی رنگ، ایک چٹکی۔

ترکیب: انڈوں کو ابال کر کانٹے سے گود لیں، چاولوں کو دو گھنٹے بھگو کر نمک اور ثابت گرم مسالا ڈال کر ابال لیں۔ جب چاول ابل جائیں تو ایک چمچ سرکہ ڈال کر مکس کریں اور چھلنی میں ڈال کر بقیہ پانی نکال دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کریں، اس میں پیاز فرائی کریں آدھے کپ دہی میں نمک، پسی ہوئی مرچ، زیرہ، لہسن، ادرک پیسٹ مکس کرکے فرائی پیاز میں ڈالیں ساتھ میں ابلے انڈے بھی ڈالیں۔ انڈوں میں مسالا اچھی طرح لگ جائے تو انڈے نکال لیں۔ شملہ مرچ، ٹماٹر ڈالیں ایک منٹ تک پکائیں۔ آدھے چاول مکس کردیں بچے ہوئے دہی میں زعفرانی رنگ، ہری مرچیں، ہرا دھنیا مکس کردیں اور باقی چاول ڈال کر رنگ والا دہی چاولوں پر ڈالیں اور پانچ منٹ دم پہ رکھیں۔ پھر چاول مکس کردیں ڈش میں نکال کر انڈے سجا کر سرو کریں۔

از: سنبل ملک، اعوان شاہدرہ

کھٹی دال

جب گوشت کھانے کا موڈ نہ ہو تو میری ترکیب سے دال پکائیں، سادے چاول کے ساتھ بہت مزہ دے گی۔

اشیا: دال مسور، دو کپ۔ ہری مرچ، چھ عدد۔ لال مرچ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی، آدھا چائے کا چمچ۔ لہسن، تین جوئے۔ املی کا پانی، آدھا کپ۔ ہرا دھنیا تھوڑا سا۔ نمک، دو چائے کے چمچ۔

بگھار کے لیے: تیل، آدھا کپ۔ سفید زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ ثابت لال مرچ، چار عدد۔ کڑی پتا، پندرہ عدد۔

ترکیب: دال کو اچھی طرح دھو کر چولہے پر چڑھا دیں۔ پھر ہلدی، ہری مرچ اور لہسن ڈال کر دال گلنے کے لیے رکھ دیں۔ (خیال رکھیں کہ پانی زیادہ نہ ہو کیونکہ پانی خشک کرتا ہے اور اگر پانی کے ساتھ دال گھوٹیں گے تو دال، پانی الگ، الگ رہے گا)۔ جب دال آدھی گل جائے تو آنچ ہلکی کرکے ڈھک دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو اچھی طرح گھوٹ لیں پھر اس میں نمک، مرچ، املی کا پانی اور ہرا دھنیا کاٹ کر ڈالیں اور دال پتلی کرلیں۔ اور خوب پکائیں تاکہ املی، مرچ اور پانی اچھی طرح پک جائے۔ پھر تیل میں زیرہ، ثابت لال مرچ اور کڑی پتا ڈال کر بگھار لگادیں۔ بہترین دال تیار ہوگئی۔

نوٹ، اس دال کے ساتھ سادے چاول اور آلو کے چپس بنالیں تو لطف دوبالا ہوجائے گا۔

از: رفعت مبین رفی، یو ایس اے

☆☆☆

روحانی مشورے

ادارہ

وسعتِ رزق کی دعائیں

آج کل ہر انسان رزق کی تنگی کا شکار ہے اور وہ باقاعدہ شکایت کرتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ اگر اپنے اعمال و افعال پر غور کرلیا جائے تو یہ آدھی شکایات ضرور رفع ہو جائیں مثلاً

۱۔ پنجگانہ نماز اور فرائض سے دوری۔
۲۔ لالچ اور حرص۔
۳۔ دوسروں کے مال پر نظر۔
۴۔ جتنا بھی ملے اس پر ناشکری۔
۵۔ فضول خرچی اور رزق کا زیاں۔

پھر بھی قرآن پاک میں آیات شفا کا ورد ہمارے لیے نعمت ہے۔ بشرطیکہ ہم اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی نہ لائیں۔ پروردگار تو ہمارے لیے رحمت کا سامان کرتا ہے اس لیے کہ وہ ستر ماؤں سے بڑھ کر ہمیں عزیز رکھتا ہے۔

ذیل میں چند آیات قرآنی ہیں جن کا ورد خصوصاً نماز پنجگانہ کے بعد رزق میں وسعت کے لیے کارگر ہے۔ عربی قرآن پاک سے دیکھ کر پڑھیں۔ یہاں صرف آیت نمبر اور ترجمہ دے رہے ہیں۔

وسعتِ رزق کے لیے

دن رات ورد کریں

ترجمہ: ’’اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی، کھول دیتا ہے وہ رزق جس کے لیے چاہے اور ناپ تلا دیتا ہے (جسے چاہے) ۔ بلاشبہ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔‘‘

سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۱۲

ترجمہ: ’’اللہ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر، رزق دیتا ہے جسے چاہے اور وہ ہے قوت والا، زبردست۔‘‘

سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۱۹

ترجمہ: ’’اور اگر کشادہ کر دیتا اللہ رزق اپنے بندوں کے لیے تو سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے وہ زمین میں..... لیکن نازل فرماتا ہے وہ ایک حساب کے مطابق جتنا چاہتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے۔ اور (ان پر) نگاہ رکھتا ہے۔‘‘

سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۲۷

ترجمہ: ’’کیا وہ تقسیم کرتے ہیں تیرے رب کی رحمت؟ جبکہ ہم نے ہی تقسیم کی ہے ان کے درمیان ان کی روزی دنیاوی زندگی میں اور بلند کیے ہیں ان میں سے بعض کے بعض پر درجے تاکہ بنالیں ان میں سے بعض، بعض کو اپنا خدمت گار، اور تیرے رب کی رحمت کہیں بہتر ہے اس (مال و دولت) سے جو یہ جمع کرتے ہیں۔‘‘

سورۂ زخرف آیت نمبر ۳۲

ترجمہ: ’’اور زمین، پھیلایا ہے ہم نے اسے اور ڈالے ہیں اس میں (پہاڑوں کے) لنگر اور اگائی ہم نے اس میں ہر چیز متناسب مقدار میں۔ اور فراہم کیے ہم نے تمہارے لیے اس میں روزی کے اسباب اور ان کے لیے بھی نہیں ہو تم جن کے رازق۔

سورۂ حجر آیت نمبر ۱۹، ۲۰

ترجمہ: ’’اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو جو نہیں اختیار رکھتے ان کو رزق دینے کا آسمانوں سے اور زمین سے ذرا بھی اور نہ کوئی قدرت رکھتے ہیں۔

سورۂ نحل آیت نمبر ۷۳

ترجمہ: ’’لہٰذا (اے لوگو!) کھاؤ تم اس میں سے جو رزق دیا ہے تم کو اللہ نے حلال اور پاکیزہ اور شکر ادا کرو اللہ کی نعمتوں کا، اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو۔‘‘

سورۂ نحل آیت نمبر ۱۱۴

ترجمہ: ’’بے شک تیرا رب ہی کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہے) بے شک وہ اپنے بندوں (کے حال) سے پوری طرح باخبر اور سب کچھ دیکھنے والا۔ اور نہ قتل کرو تم اپنی اولاد کو ڈر سے افلاس کے۔ ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل کرنا ہے جرم بہت بڑا۔‘‘

سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۰، ۳۱

ترجمہ: ’’اور بے شک ہم نے بڑی عزت دی ہے بنی آدم کو اور سواریاں عطا کی ہیں ہم نے انہیں خشکی میں اور سمندر میں اور رزق دیا ہے ان کو ہم نے پاکیزہ چیزوں سے اور فضیلت عطا کی ہے ہم نے ان کو بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت۔

سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۰

ترجمہ: ’’البتہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کیے اچھے اعمال سو ایسے لوگ داخل ہوں گے جنتوں میں اور نہ حق تلفی ہوگی ان کی ذرا بھی...... سدا بہار جنتوں میں جن کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں سے (ان کو) بن دکھائے۔ بے شک ہے اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا۔ نہیں سنیں گے وہ وہاں کوئی بے ہودہ بات مگر (سنیں گے) سلام اور ان کو ملے گا ان کا رزق وہاں صبح شام۔

سورۂ مریم آیت نمبر ۶۰، ۶۳

☆☆☆

حمد باری تعالیٰ

اے اللہ تو رحمان ہے تو رحیم ہے
اے اللہ تو عالیشان ہے تو رحیم ہے
بلند و بالا ہے ذات پاک تیری
تو صفات کا جہان ہے تو رحیم ہے
کرتی ہے تیرا ذکر مخلوق ہر دم
تیرا ذکر وردِ زبان ہے تو رحیم ہے
اسے بخش دوں گا جو کرے توبہ
حسین تر تیرا بیان ہے تو رحیم ہے
میرے علم کی پیاس بجھانے کو
میرے پاس تیرا قرآن ہے تو رحیم ہے
شمار ہی نہیں تیری رحمتوں کا
دنیا نعمتوں کا گلستان ہے تو رحیم ہے
خوف نہیں اب مجھے بھٹکنے کا
جہاں جاؤں تو وہاں ہے تو رحیم ہے

از: قصیحہ آصف خان، ملتان

نعت شریف

سوزِ الفت نے بے خود بنادیا
آنسو ٹپک پڑے تو لہو بنادیا
عشقِ محمدؐ میں جلتے جلتے
اِک چنگاری تھی شعلہ بنادیا
غمِ ہجراں کی تاریک ساعتوں میں
دکھ درد کا سیلاب بہادیا
آمدِ نبی پاکؐ کی امید پر زندگی گزر گئی
اب تو آنکھوں نے بھی دیا اپنا بجھادیا
عاصی تھا اس قدر کہ طاقت نہ ہوگی
ورنہ تو دیدار مصطفیٰؐ نے کئی دلوں کو چراغ بنادیا
وہ نہ آئے پھر بھی عطا کی وہ نعت
چھوٹا سا تنکا تھا اپنا عاشق بنادیا
سوزِ الفت نے بے خود بنادیا
آنسو ٹپک پڑے تو لہو بنادیا

انتخاب: ماہم شاہد، کراچی

مسز جبیں

بارش اور جلدی بیماریاں

بارش رحمتِ خداوندی ہے۔ بارش نہ صرف زمین کو طاقتور اور صحت مند بناتی ہے بلکہ ہمارے ماحول، چرند، پرند، کھیت کھلیانوں، باغوں، انسان کی صحت اور شادابی سب کے لیے بارش بہت ضروری ہے۔ کئی سالوں تک بارش نہ ہو تو تمام کھیت، باغ اور شہر اجڑ جائیں اور ماحول دھول مٹی سے بھر جائے لیکن اگر یہی بارش بہت زیادہ ہو جائے اور صحیح طور پر اس سے نمٹنے کا سامان نہ کیا جائے تو بارش بہت ساری مصیبتیں اور بیماریاں بھی اپنے ساتھ لے کر آتی ہے۔

اگر برسات کے موسم میں پانی ابال کر نہ پیا جائے اور کھانے پینے کی اشیا کو صحیح طور پر نہ پکایا جائے اور مکھیوں اور مچھروں اور اسی طرح کے دوسرے حشرات الارض سے اس کی حفاظت نہ کی جائے تو بیماریوں کی ابتدا ہوتی ہے جن میں جلدی بیماریاں سرِفہرست ہیں اگر صحیح طور پر صفائی ستھرائی کا خیال نہ رکھا جائے تو سب سے پہلے گھر اور محلے وغیرہ میں شدید خارش کی بیماری پھیلتی ہے اور صحیح طور پر خیال نہ کرنے کے باعث وبا کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ جب برسات ہوتی ہے تو ماحول میں نمی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ خاص طور سے مرطوب علاقوں اور ایسے شہروں اور قصبوں میں کہ جو سمندر کے کنارے آباد ہیں۔ اسی گیلے اور بھیگے ہوئے ماحول میں ایک جلدی بیماری بہت شدت سے نمودار ہوتی ہے جس کو داد کہتے ہیں۔ اس جلدی بیماری میں انسان کے جسم کے مخصوص حصے سرخ ہو جاتے ہیں۔ بار، بار خارش محسوس ہونے اور کھجانے کی وجہ سے ان میں سے خون رسنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کو داد ہو جائے تو سب سے پہلے ڈاکٹر سے رجوع کریں اور صحیح تشخیص کے بعد فوری طور سے مانع داد دواؤں کا استعمال شروع کر دیں۔

بارش کا موسم یوں تو ہر عمر کے لوگوں پر اثر انداز ہوتا ہے اگر احتیاط سے کام لیا جائے تو اس کا اثر ہمیشہ مثبت اور اچھا ہی ہوتا ہے مگر تھوڑی سی بے احتیاطی سب لوگوں کو اور خاص طور سے بچوں کو ایک جلدی بیماری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس بیماری میں بچوں کے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ شدید بارش کے ساتھ، ساتھ سر میں درد، متلی اور قے ہونا، دست و اسہال کی بیماری بھی عود کر آتی ہے۔ اسی طرح ایک اور بیماری جو برسات میں بہت زیادہ عود کر آتی ہے اس کو ددوڑے بھی کہتے ہیں مخصوص حصے سوج جاتے ہیں، شدید تکلیف ہوتی ہے جسم پر اکثر ایسے لال نشان بن جاتے ہیں کہ جیسے کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہو۔ اگر بے خیالی میں انڈا، تلی ہوئی اشیا، مچھلی، مرغی یا مرچ مسالے والے پکوان کھا لیے جائیں تو بیماری کی صورت میں فوری طور پر اپنے ماہر امراضِ جلد سے رجوع کریں جو آپ کے لیے مخصوص ادویات تجویز کرے گا۔ اس لیے اگر آپ کو یہ بیماری ہو تو آپ فوری طور پر غسل کر لیں۔ مرچ، مسالے اور مرغن غذائیں ترک کر دیں۔

یہ سب مسائل برسات کے موسم میں بہت ہی زیادہ عام ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں میں اور بڑوں میں بھی ایک الگ چیز بہت زیادہ برسات کے ساتھ، ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہے اور وہ ہے سر میں جوؤں اور لیکھوں کی افزائش...... جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ برسات کے موسم میں چونکہ ماحول میں نمی ہوتی ہے۔ یہ وقت اور موسم جوؤں اور لیکھوں کی افزائش کے لیے بہترین ہوتا ہے اگر بروقت سر کی صفائی نہ کی جائے، تیل نہ ڈالا جائے۔ مناسب شیمپو کا استعمال نہ کیا جائے اور چھوٹے بچے اگر ایک دوسرے کی ٹوپی استعمال کریں یا سر پر ایک دوسرے کا آنچل یا دوپٹا اوڑھ لیں تو یہ مسئلہ بہت زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل جاتا ہے۔

☆☆☆

SCHWABE

شوابے ہومیو کلینک

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

ہومیو پیتھک علاج سے آپ 24 سے 48 گھنٹوں میں ڈینگی پر قابو پاسکتے ہیں۔

ڈینگی فیور کیا ہے؟ کیسے ہوتا ہے؟

ڈینگی ایک وائرس ہے، جو مادہ مچھر Aedes aegypti کے کاٹنے سے پھیلتا ہے۔ یہ مچھر صاف پانی اور زیادہ تر گھروں میں افزائش پاتا ہے۔ اس مچھر کی ایک مخصوص پہچان ہے، اس کے جسم پر سیاہ اور سفید دھبے ہوتے ہیں۔ اس مچھر کے کاٹنے کی وجہ سے انسان ڈینگی بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ بارشوں کے بعد ان مچھروں کی افزائش میں اضافہ ہوجاتا ہے اور ان کے کاٹنے سے ڈینگی بخار کے کیسز بھی دگنا ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک متعدی بیماری ہے اور ایک مخصوص وائرس سے پھیلتی ہے۔ یہ وائرس استوائی خطے میں پایا جاتا ہے اور تقریباً 110 ممالک اس سے متاثر ہیں۔ اس وائرس کی چار مختلف اقسام ہیں۔ اس کی ایک قسم سے متاثرہ شخص میں زندگی بھر کے لیے صرف اسی قسم کے وائرس کے خلاف مدافعت پیدا ہوسکتی ہے لیکن دوسری قسموں سے وہ پھر بھی متاثر ہوسکتا ہے۔ ڈینگی پھیلانے والا مچھر انسانوں کو طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت کاٹتا ہے۔ اگر اس کا بروقت علاج نہ کروایا جائے تو یہ جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ پاکستان میں ہر سال سیکڑوں افراد اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا کی ڈھائی کروڑ سے زائد آبادی اس موذی اور جان لیوا مرض کا شکار ہے۔

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

نومبر 2022ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

علامات کب ظاہر ہوتی ہیں؟

مادہ مچھر کے کاٹنے کے 5 سے 7 دن بعد اس کی علامات شروع ہوجاتی ہیں۔

ڈینگی کی علامات Symptoms

متاثرہ شخص میں ڈینگی بخار کی ابتدائی علامات کچھ اس طرح سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ۱۔ اچانک تیز بخار، ہلکی سردی کے ساتھ جو 104 F تک جا سکتا ہے، ۲۔ ہڈیوں میں شدید درد، یہ احساس کہ جیسے ٹوٹ رہی ہیں۔ ۳۔ سر میں درد، جوڑوں میں درد، آنکھوں کے پیچھے درد، جسم میں درد ۴۔ پیٹ میں درد ۵۔ متلی، قے ۶۔ بھوک کا نہ لگنا ۷۔ پیشاب کا رنگ گہرا ہوجانا اور کم آنا ۸۔ دھڑکن کا تیز ہونا ۹۔ گھبراہٹ، بے چینی ۱۰۔ چکر ۱۱۔ کمزوری، دماغ کا کام نہ کرنا ۱۲۔ جسم پر سرخ دھبے اور خارش ۱۳۔ جسم کے کسی بھی حصے سے خون کا نکلنا ۱۴۔ بے ہوشی ہونا شامل ہے۔

ڈینگی کی تشخیص Diagnosis

ڈینگی کی علامات ظاہر ہوتے ہی، سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہیے کہ تصدیق کے لیے فوری طور پر ڈینگی کی تشخیص کروائی جائے۔ تشخیص کے لیے متاثرہ شخص کے خون کا نمونہ لے کر کسی بھی معیاری لیبارٹری سے ٹیسٹ کروایا جاسکتا ہے۔ مندرجہ ذیل ٹیسٹ کے ذریعے تشخیص ممکن ہوتی ہے۔

۱۔ ڈینگی وائرس کی موجودگی کی تصدیق کے لیے۔ مالیکیولر ٹیسٹ (PCR) یہ ٹیسٹ ڈینگی کی علامات ظاہر ہونے کے بعد لیا جاسکتا ہے، جس سے اس بات کا بھی پتا لگایا جاتا ہے کہ کس قسم کا ڈینگی وائرس متاثرہ شخص میں انفیکشن کی وجہ بنا ہے۔

۲۔ اینٹی باڈی ٹیسٹ IgM اور IgG کے ذریعے متاثرہ شخص کے مدافعتی نظام سے خارج ہونے والی اینٹی باڈیز کی مدد سے ڈینگی کی تشخیص کی جاتی ہے۔

۳۔ کمپلیٹ بلڈ کاؤنٹ (CBC) متاثرہ شخص میں پلیٹلیٹس کی تعداد کا پتا لگایا جاتا ہے، کیونکہ ڈینگی سے متاثرہ شخص میں فوری طور پر پلیٹلیٹس کی تعداد کم ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ اس ٹیسٹ کے ذریعے مریض میں ہیموگلوبن، Hematocrit اور ریڈ بلڈ سیل (RBC) کی مقدار کا بھی پتا لگایا جاتا ہے۔

SCHWABE

۴۔ بیسک میٹابولک پینل (BMP) کے ذریعے مریض کے گردے کی حالت کا پتا چلایا جاتا ہے کہ آیا گردہ ٹھیک کام کررہا ہے یا نہیں۔

عمومی طور پر ایک شخص میں پلیٹلیٹس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے ساڑھے چار لاکھ فی مائکرولٹر بلڈ ہوتی ہے۔ موسمی بخار میں یہ کم ہوکر نوے ہزار سے ایک لاکھ ہوسکتی ہے۔ ڈینگی وائرس کی صورت میں پلیٹلیٹس شدید کم ہوجاتے ہیں اور اس کا کاؤنٹ بیس ہزار یا اس سے بھی کم رہ جاتا ہے۔

ڈینگی سے متاثرہ شخص کی غذا

Diet Care

ڈینگی سے متاثرہ شخص کو ایسی غذائیں استعمال کرنی چاہئیں جو اس کی قوتِ مدافعت میں اضافہ کا باعث بنیں۔ پھلوں میں سیب، انار، پپیتا اور ٹماٹر قدرتی طور پر بیماریوں کے خلاف جنگی سپاہیوں کا کام کرتے ہیں۔ سبزیوں میں گاجر، چقندر، ادرک، لہسن اور پیاز اینٹی وائرل اور اینٹی بائیوٹک خصوصیات کے حامل ہیں۔ زود ہضم اور ہلکی غذائیں کھائی جائیں اس کے علاوہ سبزیاں پکاتے وقت سرخ مرچ کا کم سے کم استعمال کریں۔ ہری مرچ اور ہلدی کا مناسب استعمال کریں، کیونکہ ہلدی بھی بدنی مدافعاتی نظام میں بہتری کا ذریعہ بنتی ہے۔ ڈینگی کے مریض کے لیے شہد کا استعمال بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔ سیب، ناشپاتی اور انار کے جوس میں چند قطرے لیموں ڈال کر پینے سے بھی ڈینگی بخار میں آرام ملتا ہے۔ چائے، کافی، شربت، کولڈ ڈرنکس سے مکمل پرہیز کریں۔ ہر قسم کی ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔ اور ٹھنڈ سے بچیں۔ نمونیہ ہوسکتا ہے۔ مریض کو پپیتے کے پتے کا جوس نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ اس کو پینا آسان نہیں، بے انتہا کڑوا ہوتا ہے، الٹیاں لگ جاتی ہیں، دست بھی لگ جاتے ہیں۔

حفاظتی اقدامات
Safety Measures

احتیاط علاج سے بہتر ہے کے مصداق احتیاط اور پرہیز کر کے اس مرض سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔
ڈینگی کا مچھر خاص طور پر صبح 5 بجے سے 8 بجے تک اور شام بھی 5 بجے سے 8 بجے کے وقت کاٹتا ہے۔ صبح اور شام میں اپنا جسم ڈھانپ کر رکھیں۔ پانی کا صحیح نکاس اس مچھر کو بیماری پھیلانے اور افزائش نسل سے روکنے میں خاصا مددگار ثابت ہوتا ہے۔ حفاظتی اقدامات ہی اس وائرس سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔

1۔ گھروں میں مکمل طور پر صفائی کا اہتمام کیا جائے بالخصوص پودوں اور بیلوں کی کیاریوں میں مچھر مار ادویات کا اسپرے کرایا جائے۔

2۔ گھروں کے آس پاس پانی بالکل نہ کھڑا ہونے دیں۔

3۔ ڈینگی وائرس کا حامل مچھر گندے جوہڑوں اور تالابوں کے بجائے صاف پانی میں پرورش پاتا ہے لہٰذا گھروں میں استعمال ہونے والی ٹینکیوں کو اچھی طرح صاف کیا جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ پانی اسٹور کرنے والے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھا جائے۔

4۔ بطور احتیاط پانی ابال کر استعمال کریں تو اچھا ہے۔

5۔ گھروں کی سجاوٹ کے لیے رکھے گئے پودوں کے گملوں میں پانی کھڑا نہ ہونے دیں اور ان پودوں پر مچھر مار ادویات اسپرے تواتر سے کرتے رہیں۔

6۔ طبی ماہرین کے مطابق یہ مچھر رات کے بجائے طلوع و غروب آفتاب اور دن کے اجالے میں حملہ آور ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ اوقات میں مچھر کے حملوں سے بچاؤ کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔

7۔ جسم کے کھلے حصوں پر لوشن وغیرہ لگائیں۔ بچوں کے جسم پر لوشن ضرور لگائیں کیونکہ بچوں میں بڑوں کی نسبت قوت مدافعت کمزور ہوتی ہے یوں بچے ڈینگی وائرس کی زد میں جلد آجاتے ہیں۔

8۔ کمروں میں مچھر مار کوائلز اور میٹ استعمال کریں۔ رات کو دیگر حفاظتی تدابیر کے ساتھ ساتھ مچھر دانی لگا کر سوئیں۔

9۔ چھتوں کے اوپر رکھے گئے ساز و سامان میں بھی مچھروں کی پرورش ہوتی ہے لہٰذا ایسی تمام جگہوں کی صفائی کی جائے۔

اسٹور روم میں پڑے سامان کو خصوصی طور پر نکال کر اس پر اسپرے کیا جائے اور کمرے کی چھت اور دیگر الماریوں کو بھی صاف کر کے اسپرے کیا جائے۔

10۔ گھر میں ہرمل اور گوگل کی دھونی دینے سے ہر قسم کے کیڑے مکوڑے مچھر لال بیگ اور چھپکلی وغیرہ ختم ہوجاتے ہیں۔

11۔ اگر جسم کے کھلے حصوں پر روغن تخ (تارامیر کا تیل) لگایا جائے تو مچھر کاٹنے سے پہلے ہی مرجاتا ہے۔

12۔ ایک عدد پیاز کو درمیان سے کاٹیں اور چھلکے اتار کر دھاگا پرو کر کمرے میں لٹکادیں، جب تک پیاز کی باس رہے گی، مچھروں سے بچے رہیں گے۔

گھروں میں نیاز بو اور لیمن گراس کے پودے گملے میں لگا کر رکھیں۔ ان کی خوشبو سے بھی مچھر بھاگ جاتے ہیں۔

ہرمل کی دھونی دینے سے مچھر بھاگ جاتے ہیں علاوہ ازیں اگر ہرمل کا سبز پودا کمرے میں رکھا جائے تو مچھر کمرے میں داخل نہیں ہوتے۔

13۔ اے سی کا پانی اور فریج کے پیچھے لگی ٹرے کو روزانہ خالی کرتے رہیں تاکہ مچھروں کی افزائش نہ ہوسکے۔

14۔ ہومیو پیتھک دوا Ledum Pal صبح اور شام استعمال کریں انشاءاللہ مچھر قریب نہیں آئے گا۔

ڈینگی کا علاج Treatment

اس مرض سے تحفظ کے لیے اب تک کوئی مخصوص ویکسین دریافت نہیں ہوئی۔ اس مرض سے بچنے کے لیے عالمی ادارہ صحت نے بھی جو تجاویز دی ہیں وہ سب حفاظتی نوعیت کی ہیں۔ تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ ڈینگی کا مرض تشویشناک ہونے کے باوجود ایسا مرض نہیں ہے کہ انسان اس سے خوف زدہ ہوجائے۔ یہ مرض ٹائیفائیڈ سے زیادہ نقصان دہ نہیں بشرطیکہ اس کا علاج بر وقت شروع کردیا جائے۔

اس وائرس سے متاثرہ افراد میں 90فیصد مریض عام علاج معالجے اور غذائی ردو بدل سے رو بہ صحت ہوجاتے ہیں۔ ایسے مریض جو ڈینگی وائرس کی زیادہ مقدار خون میں سرایت کرجانے سے نازک صورت حال تک جا پہنچیں ان کو صاف خون دے کر اس وائرس سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن انتقال خون کے وقت تسلی کرلی جائے کہ خون دیگر تمام متعدی امراض کے وائرس، جراثیم اور بیکٹریا سے پاک ہو۔

ڈینگی میں اینٹی بائیوٹکس

ڈینگی میں اینٹی بائیوٹکس ادویات کا استعمال کسی صورت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اینٹی بائیوٹکس کے استعمال سے پلیٹلیٹس کی تعداد مزید کم ہوجاتی ہے جس سے مریض کی حالت مزید بگڑ سکتی ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیں وائرل انفیکشن میں اینٹی بائیوٹک کا استعمال انتہائی نقصان دہ بلکہ جان لیوا ہوا کرتا ہے۔ اس کے لیے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے علاج شروع کرنے سے پہلے اس کی تشخیص کروانا ضروری ہے۔

مؤثر اور فوری ہومیو پیتھک علاج

یہ بات میرے ذاتی تجربات و مشاہدات میں مسلسل کئی بار آچکی ہے اور آرہی ہے کہ ہومیو پیتھک دوا Eupatoriumperf شوابے جرمنی مرض کے کسی بھی درجے میں خواہ پلیٹلیٹس کتنے ہی کم کیوں نہ ہوگئے ہوں مریض کا بخار 24 سے 48 گھنٹوں میں ختم ہوجاتا ہے اور مریض حیرت انگیز طور پر 3 سے 5 دن میں مکمل تندرست ہوجاتا ہے۔ آزمائش شرط ہے!

پیٹ کا بڑھنا

ماریہ......شبقدر

اللہ آپ کو خوش اور صحت مند رکھے آمین!

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا پیٹ بہت زیادہ باہر کو نکلا ہوا ہے۔ میں شادی شدہ ہوں، عمر 30 سال ہے 4 بچے ہیں چاروں بچے نارمل پیدا ہوئے ہیں کوئی آپریشن وغیرہ نہیں ہوا۔ ماہانہ نظام بھی بالکل ٹھیک ہے۔ میرا باقی جسم متناسب ہے مگر میں پیٹ کی وجہ سے سخت پریشان ہوں میرے جسم پر یہ ڈھول کی طرح لگا ہوا پیٹ بہت برا لگتا ہے ایسا لگتا ہے کوئی فٹ بال ہے۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے چلنے پھرنے میں۔ میرے پاس کچھ ہومیو پیتھک کی کتابیں ہیں ان سے اپنے لیے دوا تجویز کی۔ اس دوا کو شروع کیے 4 ماہ ہوچکے ہیں مگر کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا۔ شادی کے بعد سے مجھے یہ تکلیف شروع ہوئی ہے۔ میں ایکسر سائز بھی کرتی ہوں۔ کھانے سے پہلے پانی پی لیتی ہوں کھانے کے آدھا گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ ٹائم بعد پانی پیتی ہوں۔ یہ سب احتیاطیں کرتی ہوں مگر نتیجہ صفر، ٹھنڈا پانی نہیں پیتی تازہ اور نارمل پانی پیتی ہوں۔ آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا میری مدد کریں؛ مجھے اس پھولے ہوئے پیٹ کا کوئی علاج بتائیں۔ ساری عمر آپ کو دعائیں دوں گی۔

جواب : ماریہ یہ ایک بہت عام مسئلہ ہے خواتین کا۔ یاد رکھیں خود سے علاج نہ کیا کریں؛ ڈاکٹر کے مشورے سے ادویات استعمال کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Podophylum30 کے 5،5 قطرے دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں اور ہر ہفتے صبح کو Calc Carb 200 کی ایک خوراک 7 قطرے ایک گھونٹ پانی میں ڈال کر استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد حال بتائیں۔

ناک کی بندش اور بواسیر

محمد علی......پشاور

عرض ہے کہ بواسیر کی تکلیف شاید بچپن سے ہے۔ پیٹ ہر وقت ہوا، گیس، ریح سے بھرا رہتا ہے۔ کھٹی،

کھاری، مرچی والی، بادی اشیاء، شلجم مولی پالک کھانے سے تکلیف بڑھتی ہے اور خون بھی آتا ہے۔

آنت کا بیرونی سرا نہ خود باہر آتا ہے نہ خود پھر اندر ہوتا ہے زور لگا کر باہر کرنا پڑتا ہے اور پھر انگلی کے زور سے اندر کرنا ہوتا ہے۔

ناک کا مسئلہ: 1976 میں جرمنی میں ناک کا آپریشن کروا کر مسئلہ حل کیا تھا لیکن پھر سانس لینے میں تکلیف ہوتی ہے گلا بھی خراب رہتا ہے۔ کوئی اچھی دوائی تجویز کیجیے مہربانی ہوگی۔

جواب: قبض، نہ ہونے دیں، نیم گرم پانی میں نمک ڈال کر دن میں 3 مرتبہ ناک میں چڑھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Aesculus، Pentarkan PTK3 کے دس، دس قطرے ایک گھونٹ پانی میں 3 مرتبہ لیں اور Cinnabaris، Pentarkan 31 دو گولیاں دن میں 3 مرتبہ چبا کر لیں۔ 2 ماہ بعد پھر کیفیت سے آگاہ کریں۔

پتے میں پتھری

فرحین...... حیدرآباد

عرض یہ ہے کہ مجھے تقریباً ایک سال سے گیس کا مسئلہ ہے۔ پیٹ پھول جاتا ہے اور گیس خارج ہوتی ہے۔ کوئی مرغن کھانا کھالوں تو پیٹ میں شدید درد ہوتا ہے۔ میں نے الٹرا ساؤنڈ کرایا تو ڈاکٹر نے بتایا کہ پتے میں پتھری ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ہومیوپیتھی میں پتے کی پتھری کا علاج ہے۔ پلیز آپ میری مدد کریں۔ مجھے کوئی اچھی دوا تجویز کریں۔

جواب: کھانا اچھی طرح چبا کر کھائیں اور کھانے کے ساتھ پانی، شربت یا کولڈ ڈرنک کا استعمال نہ کریں۔ اگر دانتوں کا مسئلہ ہے تو روٹی کو سالن میں ڈبو کر یا اگر بھنا سالن ہے تو اس میں پانی یا دہی شامل کر کے روٹی کو بھگو کر نرم کر لیں۔ پھر اس کو پیش کر کے کھائیں گیس نہیں ہوگی۔ الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ بھیجنی چاہیے تھی تاکہ پتا چلتا کہ پتھری ہے کتنی بڑی۔ آئندہ 3 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں پھر الٹرا ساؤنڈ کرا کر دوبارہ اپنا حال بتائیں۔ Carboveg30، Lycopod-30 کے 5-5 قطرے جبکہ Chelidonum-Ø کے 10 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔

توجہ کا ارتکاز

کومل...... سکھر

حافظہ بہت کمزور ہو چکا ہے۔ بات کرتے ہوئے بھول جاتی ہوں۔ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی طالبہ ہوں پڑھائی پر ٹھیک سے دھیان نہیں دے پاتی جو یاد کرتی ہوں بھول جاتا ہے۔ گھٹنوں میں درد ہوتا ہے۔ نماز پڑھتے وقت ٹانگیں فولڈ کر کے دوبارہ سیدھی کرنے پر کڑاکے نکلتے ہیں۔ معدے میں تیزابیت بھی ہو جاتی ہے۔ اکثر سر سن ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی کانوں میں سیٹی کی آواز آتی ہے۔ بات کرتے کرتے بھول جاتی ہوں۔

جواب: کیا ذہن پر بہت بوجھ ہے۔ گھر کا ماحول کیسا ہے؟ سہیلیاں کیسی ہیں؟ متوازن غذا لیں۔ غذا کو چبا کر کھائیں اور کھانے کے ڈھائی گھنٹے بعد تک پانی یا مشروب کا استعمال نہ کریں۔ دودھ دہی کا استعمال بڑھائیں۔ بالوں کے لیے ہمارا شیمپو استعمال کریں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ادویات ایک ماہ استعمال کے بعد دوبارہ کیفیت سے مطلع کریں۔ Ancardium-30، Kaliphos-30 کے 5-5 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ اور Cratex کی ایک، ایک گولی صبح و شام تھوڑے پانی کے ساتھ نگلیں۔

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈمن سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈمن سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو